© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

برٹش بلوچستان

۱۸۷۹ء ۔ ۱۹۴۷ء

(دروں کے افغان)

جلد سوم

اے۔ عزیز لونی

مترجم: عارف تبسم

پشتو اکیڈمی بلوچستان۔ کوئٹہ

فون: ۰۸۱-۲۲۶۶۳۱۱۰

فیکس: ۰۸۱-۹۲۰۱۶۳۳

E-mail: pashtoacademy.qta@gmail.com

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب : برٹش بلوچستان (British Balochistan)

مصنف :اے۔ عزیز لونی

مترجم :عارف تبسم

ناشر :پشتو اکیڈمی بلوچستان کوئٹہ

اشاعت اول :۲۰۱۶ء

کمپوزنگ :مترجم

تعداد اشاعت :۵۰۰

ڈیزائن : خلیل اللہ تصمیم

قیمت :۔۔۔۔۔۔روپے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہدیہ

حاجی عزیز خان لونی اور ناز خاتون لونی کے بیٹے مرحوم خان صاحب حاجی احمد خان لونی سبی کے حجک گاؤں میں ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ جب وہ صرف چالیس دن کے تھے ان کے والدین انہیں موجودہ لونی گاؤں لے کے آئیں۔ وہ ۶۸ سال کی عمر میں ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو بروز جمعہ فوت ہوئے۔ زندگی کے اس کم عرصے میں وہ سبی کی نمایاں شخصیت رہیں، انہوں نے اپنے خاندان اور اپنے گاؤں کے عام لوگوں کی بھلائی کے لئے نمایاں کردار ادا کیا۔ انہوں نے نہایت محبت اور شفقت سے مجھے تعلیم کی اس ڈگر پر ڈالا جس نے مجھے وہ بنایا جو میں آج ہوں۔

مجھے ڈاکٹر اللہ داد لونی کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کوئی تذبذب نہیں (جو وہ اکثر ہماری شام کی محفلوں میں کہتے ہیں) کہ "خان صاحب فی الحقیقت ایک عظیم آدمی تھے"۔

اس لئے میں اپنی یہ کاوش "برٹش بلوچستان" مرحوم خان صاحب کے نام منسوب کرتا ہوں۔

اے۔ عزیز لونی

سیٹلائٹ ٹاؤن۔ کوئٹہ

مارچ ۲۰۰۳

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

فہرست

۱	برٹش بلوچستان	سید خیر محمد عارف	۱۱
۲	برٹش بلوچستان کا یہ اردو ترجمہ	ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی	۱۴
۳	عرض مترجم	عارف تبسم	۱۷
۴	اظہار تشکر	اے۔ عزیز لونی	۲۰
۵	تعارف		۲۲
۶	**باب۔۱** . پشین۔ سیوی ریجن پر برطانوی قبضہ گیری کی وجوہات		۲۴
۷	**باب۔۲** . براہوی۔ برطانوی اشتراک		۲۸
۸	**باب۔۳** . افغان اثر ورسوخ ختم کرنے کے لئے برطانوی کوششیں		۳۳
۹	**باب۔ ۴** . بلوچ اور افغان نسلی گروہوں کا ایک دوسرے کے خلاف امتیازی رویے کا مظاہرہ		۳۷
۱۰	**باب۔۵** . انیسویں صدی میں اس ریجن کے افغانوں کی مخدوش حالت		۴۱
۱۱	**باب۔۶** . خوانینِ قلات کی بادشاہِ افغانستان کی تاریخی ماتحتی		۵۵
۱۲	**باب۔۷** . قدرتی آفات		۶۲
۱۳	**باب۔۸** . برٹش بلوچستان کے برطانوی حکمرانوں کے رویے کے خلاف افغانستان ہجرت اور واپسی		۶۷
۱۴	**باب ۔۹** . برطانوی راج کی عنایتیں		۸۸
	اَ.	زمینوں کا بندوبستی نظام	۸۸
	ب.	شہری علاقوں / قصبوں کا قیام	۱۰۰
	ت.	تعلیمی اداروں کا قیام ر برٹش بلوچستان اور اس کے اطراف میں تعلیم کی تاریخ	۱۰۳

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

	ث. گورنمنٹ بارنیس ہائی سکول سبی کی تاریخ	۱۱۶
	ج. برطانوی دور سے پہلے اور اس کے دوران خواتین کی حیثیت	۱۳۷
	ح. قانونی نظام رجرگہ ر۱۹۰۱ء کا فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن ۱۱۱	۱۴۲
	خ. اجنبیوں کو زرعی زمین بیچنے اور ڈومیسائل سرٹیفکیٹ کے اجرا کی ممانعت	۱۵۴
	د. ڈسٹرکٹ گزیٹیرز کی تالیف	۱۵۸
	ذ. سڑکیں اور ریلوے	۱۵۹
	ر. سبی میلہِ اسپاں و مویشیاں کا آغاز	۱۶۰
	ز. آبپاشی کے ذرائع کی تعمیر	
۱۵	**باب ۔۱۰** . دریائے ناڑی۔ سیوی کے افغانوں کی خطِ زیست	۱۶۳
۱۶	**باب ۔۱۱** . سبی کے نودھانی بمقابلہ مری	۱۷۱
۱۷	**باب ۔۱۲** . گلوخان نودھانی	۱۷۵
۱۸	**باب ۔۱۳** . سبی میں باروزئی۔ کُڑک تنازعات	۱۸۷
۱۹	**باب ۔۱۴** . لمبردار حاجی عزیز خان لونی، ان کے مخالفین اور آخری ایام کے صافی	۱۹۱
۲۰	**باب ۔۱۵** . باروزئی سربراہان	۲۱۲
	اَ. سربلند خان ولد مصری خان ولد حبیب خان باروزئی	۲۱۳
	ب. شیر زمان خان ولد شکر خان باروزئی	۲۲۰
	ج. سردار محمد خان ولد شکر خان باروزئی	۲۲۷
	د. سردار مصطفٰی خان باروزئی	۲۳۰
	ہ. سردار سمند خان باروزئی	۲۳۱
۲۱	**باب ۔۱۶** . حجک سربراہان	۲۳۵

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

	اَ. سیوی کے خلیفہ یعقوب خان ولد شکر خان دولت زئی، حجک	۲۳۷
۲۲	**باب - ۱۷** . سیوی کے مرغزانی قبیلے کے سربراہان	۲۴۲
۲۳	**باب ۔۱۸** . سیوی میں کڑک کے عثمانی	۲۴۹
۲۴	**باب۔۱۹** . دروں کے پنڑی اور رئیسانی افغان	۲۵۱
۲۵	**باب۔۲۰** . صدی کے موڑ اور آنے والے سالوں کے دوران ریجن کا عمومی منظر نامہ	۲۶۱
۲۶	**باب۔۲۱** . ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان کی جانے والی دربار کی تقاریر کے مندرجات	۲۸۰
۲۷	**باب۔۲۲** . ۱۹۱۸ء کی مری۔ کھیتران بغاوت اور اس کی وجوہات	۲۹۱
۲۸	**باب ۔۲۳** . اموات کا سال / اکتوبر ۱۹۱۸ء کا متعدی زکام	۳۰۶
۲۹	**باب ۔۲۴** . شورش کا سال	۳۱۰
۳۰	**باب ۔۲۵** . برٹش بلوچستان میں خلافت اور ہجرت کی تحریکیں	۳۲۵
۳۱	**باب۔۲۶**۔ صوبے میں اصلاحات کا مطالبہ اور افغانستان کے بادشاہ امان اللہ کی رخصتی	۳۳۳
۳۲	**باب۔۲۷** . جنوب میں ڈاکو عبدالرحمٰن براہوی (۱۹۳۲ء) اور شمال مشرقی برٹش بلوچستان میں فراری پالے خوستی (۱۹۳۵ء)	۳۵۰
۳۳	**باب۔۲۸** . مرحوم عبدالصمد خان اچکزئی (خان شہید) کی سیاست	۳۵۷
۳۴	**باب - ۲۹** . مخالف محاذ - قاضی محمد عیسٰی (۱۹۴۰ - ۱۹۷۶ء) اور ان کی مسلم لیگ	۳۸۱
۳۵	**اختتامیہ**	۴۰۴

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

برٹش بلوچستان

"برٹش بلوچستان" کے نام سے محترم عزیز لونی کی لکھی ہوئی کتاب اگرچہ بظاہر ایک مخصوص علاقے کی تاریخ ہے، لیکن اس کتاب میں پشتون قوم کے جغرافیائی اور تاریخی حالات کے ساتھ ساتھ عروج و زوال کا ایک لامتناعی سلسلہ پنہاں ہے۔ قوموں کے نشیب و فراز کو تاریخ ہی کے آئینے میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ تاریخ بے جوڑ واقعات، صاحب اقتدار یا سربرآوردہ افراد کی زندگی کے اتفاقات اور حوادث کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ تاریخ قوموں کے واقعات اور مادی حالات کے ہمراہ آگے بڑھنے اور نتائج تک پہنچنے اور لوگوں کو معنی و مفہوم سے روشناس کرانے کا بہترین ذریعہ اور اجتماعی حیثیت سے قومی روح کو اجاگر کرنے کا سلیقہ بھی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جب تک تاریخ اور تاریخ کے پیغام میں گہری بصیرت اور ماہرانہ واقفیت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ایسی کوئی بنیاد فراہم نہیں ہوسکتی جس پر آگے چل کر ایک عالیشان عمارت کھڑی کی جاسکے۔

گو کہ آج بھی ہم تسلسل سے یہ دعویٰ کرتے چلے آرہے ہیں کہ ہم نے چنگیزیوں سے لیکر انگریزوں تک کو بار بار شکست دی، اور ہم ہر محاذ سے سرخرو ہو کر نکلے۔ لیکن اس کے برعکس یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ بحیثیت قوم ہم باہمی جنگوں، عداوتوں اور قبائلی تنازعات اور ترجیحات میں الجھ کر، سب کچھ گنوا بیٹھے اور اسی کے باعث نظم و ضبط اور تعلیم سے عاری رہے۔

اور پھر مطلق العنان حکمرانوں کے باعث ملکی معاملات میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے سیاست، معیشت اور سماجی مسائل حل کرنے میں ہماری حیثیت خاموش تماشائیوں جیسے رہی۔ گو کہ پشتون روز اول ہی سے اسلام کے علمبردار رہے، لیکن اسکے باوجود عصری علوم سے کٹ کر نظریاتی، فکری اور سائنسی اصولوں کے مطابق قوم کو متحد کرنے میں ناکام رہے۔ شاید اسی لیے صدیوں پہلے خوشحال خان خٹک نے کف افسوس ملتے ہوئے پشتونوں کے بارے میں کہا تھا:

اوښ د باره سره کورته ورغلی
په اولجه د اوښ د غاړې د جرس دي

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کہ اونٹ لدے ہوئے سامان سمیت گھر پہنچا ہے، مگر وہ اونٹ کے گلے میں لٹکی ہوئی گھنٹی پھر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں۔

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ شکست خوردہ قوم کے افراد کو نہ تو یاد رکھتی ہے اور نہ اسے ہیرو کا درجہ دیتی ہے۔ کیونکہ فاتح زیر دست قوم ،اس کی شخصیت اور کردار کو مسخ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ایک مرتبہ تاریخ کھو جائے تو اسکے نام ونشان کو مٹا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں تاریخ کی دریافت ایک مشکل مرحلہ سے گزرتی ہے، جہاں تک برٹش بلوچستان سے منسلک پشتون علاقوں کا تعلق ہے اسکے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا جسکا میں اوپر تذکرہ کر چکا ہوں۔

بد قسمتی سے اس علاقے کی تاریخی ہئیت کو دانستہ طور پر مسخ کرنے کو شش کی گئی ہے۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ یہ کیونکر ہوا البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ ماضی کی تشکیل کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے محترم عزیز لونی نے ان دشواریوں پر قابو پانے اور ماضی کے ٹوٹے ہوئے حصوں کو جوڑنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ انہوں نے یہاں کے تاریخی شواہد کو ناقابل تردید حوالوں ، فاتحین کی تحریروں ، ڈائریوں اور برٹش دور کے ارکائیوز میں موجود فائلوں اور دیگر تاریخی اسناد سے مدد لیکر اہم اور دلچسپ مواد پر مبنی اس تاریخی دستاویز کو "برٹش بلوچستان" کے نام سے موسوم کیا۔ اور اس طرح تاریخ کے بعض گمشدہ کڑیوں اور حقائق کو آنے والی نسلوں کیلئے محفوظ کر گئے جس سے یقیناً تاریخ کے اساتذہ اور طلبا بھرپور انداز میں استفادہ کر سکیں گے۔

چونکہ محترم عزیز لونی کی "برٹش بلوچستان" نامی کتاب انگریزی میں لکھی گئی تھی، لہذا بعض حلقوں اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے مسلسل اصرار پر پشتو اکیڈمی کوئٹہ نے اس کتاب کو انگریزی سے اردو میں منتقل کرنے کیلئے جدید شاعر اور لکھاری عارف تبسم کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے انتہائی قلیل مدت میں اس اہم تاریخی دستاویز کو اردو میں ترجمہ کر کے پشتو اکیڈمی کے حوالے کیا۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ترجمے سے اصل متن کا تاثر اور تاثیر زائل ہو جاتا ہے، میرے خیال میں عارف تبسم نے انتہائی خوبصورت ترجمے سے اس بات کو غلط ثابت کیا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

آخر میں ایک بار پھر محترم عزیز لونی کا شکریہ کرتا ہوں جنہوں نے "برٹش بلوچستان" نامی کتاب کا ہمیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنیکی اجازت دی۔ ساتھ ہی ساتھ جناب عارف تبسم کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے انتہائی کم وقت میں ہمیں بہترین ترجمہ سے نوازا۔

سید خیر محمد عارف

صدر پشتو اکیڈمی کوئٹہ

۳۰ مئی ۲۰۱۶ء

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

برٹش بلوچستان کا یہ اردو ترجمہ

جنوبی ایشیا میں بلوچستان کی جغرافیائی موقعیت انتہائی اہمیت کی حامل رہی ہے، ملت افاغنہ، جو ہندوکش کے دامن سے لے کر بحیرہ عرب کے ساحلوں تک آباد ہے، کی ایک اہم اماجگاہ بلوچستان بھی ہے۔ یہاں پشتون ہزارہا سالوں سے آباد ہیں اور اس خطے کی سیاسی مستقبل میں پشتونوں کی اہمیت مسلمہ ہے۔

بلوچستان کے حوالے سے کئی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں، مستشرقین سے لیکر تا حال مختلف لوگوں نے وقتاً فوقتاً مختلف زبانوں میں بلوچستان کے حوالے سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ راورٹی کی یادداشتوں سے لیکر لالہ ہتورام اور میر گل خان نصیر سے ہوتے ہوئے فاضل مؤرخ محترم عزیز لونی کی "برٹش بلوچستان" تک اس طویل علمی سفر میں بلوچستان کے تاریخ کے حوالے سے کئی اہم نکات محققین کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں۔

عزیز لونی کا تعلق پشتونوں کے تاریخی شہر سیوئی (سبی) سے ہے آپ اگرچہ پیشے کے اعتبار سے سول سرونٹ تھے لیکن قدرت نے آپ کو علمی بصیرت اور بصارت بھی عطا کی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے تصنیف و تالیف کے علاوہ کئی علمی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں جن کا یہاں مختصر ذکر بے جانہ ہوگا۔

مشہور و معروف مستشرق میجر جارج ہنری راورٹی کی مشہور کتاب Notes on Afghanistan and Balochistan آپ نے شائع کرائی، اسی طرح بلوچستان کے ارکائیو ڈپارٹمنٹ سے افغان تاریخ سے متعلق نہایت اہم فائل اور دستاویزی ریکارڈ علمی انداز سے مرتب کرکے The Letters of Kandahar کے نام سے دس جلدوں میں شائع کرایا جو خطے کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہے جس کی اشاعت علمی و تحقیقی اداروں کے لئے خزانے کی حثیت رکھتی ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس کے علاوہ برٹش راج کے خفیہ انتظامی معلومات کے رپورٹس بھی آپ نے شائع کرائے۔ آپ کے یہ مستند آثار علمی، تحقیقی افراد اور اداروں کے لئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کتاب ہذا "برٹش بلوچستان" عزیز لونی کی وہ علمی و تاریخی کاوش ہے جس میں برطانوی راج کے دوران دوسری افغان اینگلو جنگ سے لیکر قیام پاکستان تک بلوچستان کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے اس دوران اس صوبے کی انتظامی، تاریخی، ثقافتی، قبائلی اور دیگر امور پر جدید سائنسی تحقیقی انداز سے کام کیا گیا ہے۔

عارف تبسم پشتو اردو کے نوجوان شاعر اور ادیب ہیں آپ نے اگرچہ زیادہ تر توجہ تخلیق پر مرکوز کی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید میں بھی اپنی مشق جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خصوصاً اس سلسلے میں سماجی موضوعات آپ کے زیر تحریر رہیں۔ عارف تبسم نے اب تک کئی اہم موضوعات پر ادبی دنیا کو بیش بہا عنایات پیش کئے ہیں۔

"پشتو ادب او نړیوال کلی" (پشتو ادب اور گلوبل ویلج)، پشتو ادب او امن، دلمرپل (پشتو شعری مجموعہ)، مات گامونہ (پشتو شعری مجموعہ) گلوبلائزیشن اور مادری زبانیں عارف تبسم کی مطبوعہ اثار ہیں. غیر مطبوعہ میں "جب کارپوریشنوں کی حکومت ہو گی" شامل ہیں۔ تخلیق و تنقید کے ساتھ ساتھ عارف تبسم ترجمہ سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ افغانستان میں ہوتکی دور سے متعلق مرحوم امان اللہ خان ہوتک کی پشتو تاریخی کتاب "دخپلواکی لمر سرک" کا اردو ترجمہ "آزادی کی پہلی کرن" کے نام سے شائع کرایا، اسی طرح جناب عزیز لونی کی انگریزی کتاب "برٹش بلوچسان" کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر کے انہوں نے یہ گراں قدر کام سر انجام دیا ہے۔ "برٹش بلوچستان" کتاب بذات خود اس خطے کی علمی و تاریخی اعتبار سے اہم دستاویز گردانا جاتا ہے اس بنیاد پر پشتو اکیڈمی کوئٹہ نے یہ ضرورت محسوس کی کہ اس کا اردو ترجمہ کیا جائے تاکہ اس اہم دستاویز تک عمومی لوگوں کی رسائی کو ممکن بنا سکیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس کیلئے اکیڈمی نے نوجوان ادیب، شاعر او ر مترجم جناب عارف تبسم کی خدمات حاصل کیں اور انہوں نے بھی نہایت فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے بڑی فراخ دلی سے اس بار گراں کو قبول کیا۔

ترجمہ اگرچہ آسان کام نہیں ہے لیکن عارف تبسم نے حتیٰ المقدور اس اہم کام کی انجام دہی میں جان فشانی سے کام لیا ہے اور اپنی سطح پر یہ کوشش کی ہے کہ اس ترجمے کا کما حقہ حق ادا ہو سکے، اور اپنے اس کوشش میں ایک حد تک کامیاب بھی دکھائی دیتے ہیں۔

پشتو اکیڈمی کوئٹہ انتہائی مسرت کے ساتھ اس اہم تاریخی دستاویز کا اردو ترجمہ شائع کر رہا ہے امید واثق ہے کہ اس علمی کاوش کا فیض عام ہو گا۔

و من اللہ توفیق

ڈاکٹر عبدالرؤف رفیقی

کاسی روڈ کوئٹہ

۲۷ مئی ۲۰۱۶ء

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

عرضِ مترجم

ترجمہ ایک مشکل کام ہے، ہر مترجم اپنی بات کا آغاز اسی جملے سے کرتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس میں حق بجانب ہوتا ہے۔ اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے میں یہ کہوں گا کہ وہ ترجمہ اور بھی مشکل ہوتا ہے جو تاریخ سے متعلق ہو اور جس میں زیادہ تر مواد کے حوالے تاریخی دستاویزات سے لئے گئے ہوں۔ اس عمل میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ ان حوالوں میں سیکڑوں سال پہلے کی جو زبان، الفاظ و تراکیب استعمال کی ہوئی ہوتی ہیں بعض اوقات ان کو اس وقت کے پیش منظر میں سمجھے بغیر کسی اور زبان میں منتقل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ مشکل سہ چند ہو جاتی ہے جب نو آبادیاتی دور کے سرکاری دستاویزات سے لئے گئے براہ راست حوالوں اور اقتباسات کو ترجمہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان حوالوں کے لکھنے والے مختلف ہوتے ہیں اور ہر کسی کا اندازِ تحریر مختلف ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی کتاب کو ترجمہ کرتے وقت ایک ہی اسلوب سے آشنائی کے سبب ترجمہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ لیکن تاریخی کتابوں، جس میں لکھنے والے کا اپنا اسلوب محدود اور تاریخی اقتباسات کی براہ راست شمولیت زیادہ ہوتی ہے، کے ترجمے کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔

اس تاریخی دستاویز کو ترجمہ کرتے وقت میں ان مشکلات سے گزرا ہوں اور میری مشکلات اس لئے بھی بڑھیں کہ مصنف محترم اے۔ عزیز لونی نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "قاری کو شاید یہ محسوس ہو کہ اس بیانیہ میں تسلسل نہیں ہے اور شاید ان کو یہ غیر متعلق معلومات لگے۔ یہ جزوی طور پر سچ ہے کیونکہ وقت اور توانائی کی کمی نے مجھے اس میں تسلسل اور روانی لانے سے روکا"۔ اس لئے اگر اس ترجمے میں بھی کہیں تسلسل، روانی اور متن میں ارتباط کی کمی نظر آئے تو اسے درگزر کر دیجئے گا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے تو یہ یقیناً ایک تاریخی دستاویز ہے جسے انگریزی میں مرتب کرنے کے لئے اے۔ عزیز لونی نے بے شمار کتابوں، سرکاری فائلوں اور لوگوں کے پاس موجود خاندانی دستاویزات کو پڑھنے، ان سے متعلقہ اقتباسات نقل کرنے اور پھر کتابی صورت میں ترتیب دینے کے دشوار گزار مراحل طے کئے ہیں۔ بلاشبہ یہ کتاب برٹش بلوچستان، جسے غیر سرکاری سطح پر جنوبی پشتونخوا کہا جاتا ہے، کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں ۱۸۷۹ء میں اس خطے پر برطانوی قبضے سے لے کر ۱۹۴۷ء میں ان کے انخلا تک کے واقعات، شخصیات اور سیاسی حالات پر مستند حوالوں کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان تاریخی حقائق سے آگاہ ہونا نہ صرف اس خطے میں رہنے والوں کے لئے ضروری ہے بلکہ تاریخ کے ان تمام طالب علموں کے لئے بھی اہم ہے جو اپنی تاریخی تحقیق کے ذریعے مستقبل کے منصوبہ سازوں کو مستند مواد فراہم کرنے کے لئے تحقیق کرتے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ان سیاستدانوں اور سیاسی کارکنوں کے لئے بھی اہم ہے جو اس خطے اور اس کے رہنے والے باشندوں کے اتحاد اور بہتر مستقبل کے لئے سیاسی جدوجہد کر رہے ہیں۔ یہ کتاب یقیناً کچھ ایسے تاریخی مغالطوں کی حقیقت بھی ثابت کرنے میں مددگار ثابت ہوگی جو بلوچستان کے موجودہ صوبے کی حدود، اس میں آباد قبائل کی تاریخی بنیاد اور نوآبادیاتی القابات اور خدمات کے حوالے سے عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

یہ کتاب چونکہ انگریزی میں مرتب کی گئی تھی اور عام لوگوں کی رسائی اور مطالعے سے قدرے باہر تھی اس لئے اسے اردو میں ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ زیادہ قارئین تک پہنچ سکے۔ یہاں میں شعر وادب میں اپنے استاد، انتہائی محترم دوست اور پشتو اکیڈمی کوئٹہ کے موجودہ صدر سید خیر محمد عارف صاحب کو اس ترجمے کا کریڈٹ دوں گا کیونکہ انہی کی رہنمائی اور ترغیب پر میں نے اس مشکل کام کو سرانجام دینے کی ذمہ داری اٹھائی اور ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصے میں اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کو مکمل کرنے کے قابل بنا۔ میں محترم سید خیر محمد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

عارف صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کام کے قابل سمجھا اور مسلسل میری حوصلہ افزائی کے لئے مجھے فون کرتے رہیں۔ میں پشتو اکیڈمی کوئٹہ کا بھی انتہائی شکر گزار ہوں جس نے اس کتاب کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے شائع کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ میں اپنے ساتھی اور دوست محمد اشفاق خان مومند کا بھی مشکور ہوں جو میرا حوصلہ بڑھانے میں پیش پیش رہے۔ میں اپنے دوست ملک احسان علیزئی کا کڑ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کا اخلاقی تعاون میرے ساتھ رہا۔

میں اپنی بیٹیوں فریال عارف، ثانیہ عارف، ماریہ عارف اور ملالہ عارف اور اپنی زوجہ رخسانہ عارف کا خصوصی طور پر مشکور ہوں جنہوں نے اس دوران مجھے ترجمہ کے کام کو جاری رکھنے کا موقع دیا کیونکہ اس پر صرف ہونے والا وقت ان کا تھا۔

آخر میں میں امید کرتا ہوں کہ قارئین اس کتاب کو مفید پائیں گے۔ اس میں لازماً میرے حصے کی کوتاہیاں بھی ہوں گیں جسے درگزر کیا جاسکتا ہے۔ میں مستقبل میں اسے مزید بہتر بنانے کے لئے قارئین کی رائے کا احترام کروں گا۔

عارف تبسم

۲۲۰۰ فروری ۲۰۱۶ء

اسلام آباد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اظہارِ تشکر

"دروں کے افغان" کی پہلی جلد ۱۹۹۲ء اور دوسری جلد ۱۹۹۴ء میں منظر عام پر آئی۔ اس دوران کئی لوگوں نے میری معاونت کی جن کا شکریہ میں ادا کر چکا ہوں۔

جہاں تک اس تیسری جلد کا تعلق ہے، اس کو مرتب کرنے کے دوران بھی مجھے کئی کرم فرماؤں کا تعاون میسر رہا جن کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں:

۱۔ محمد فاروق جو گیزئی جب ریونیو بورڈ کے ممبر تھے، انہوں نے مجھے اپنی دسترس میں موجود ہر ذریعے تک رسائی دینے میں میری مدد کی۔ ان کے والد نوبزادہ احمد یار خان نے سرکاری دستاویزات کی مزید وضاحت کرنے میں میری معاونت کی۔

۲۔ حبیب احمد خان جب حکومت بلوچستان کے محکمہ آرکائیوز کے ڈائریکٹر تھے، انہوں نے تمام حوالہ جاتی دستاویزات تک مجھے رسائی دی۔

۳۔ فضل احمد غازی نے مجھے ان واقعات کے بارے میں زبانی معلومات دیں جن میں خصوصاً وہ ۱۹۳۸ء کے بعد سے بذات خود ایک اہم کردار کے طور پر شامل رہے تھے۔

۴۔ ڈاکٹر محمد حیات عثمانی ان تینوں جلدوں کی تیاری میں میرے ساتھ شامل رہے ہیں۔ انہوں نے پہلی دو جلدوں کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

۵۔ کینٹربری یونیورسٹی، کریسٹ چرچ نیوزی لینڈ کے شعبہ عمرانیات کے فیلو پروفیسر ڈاکٹر پاول ٹائٹس نے اپنے سوالوں، خطوط اور کتابچوں (۲۰۰۰) Knights Not Pawns اور Liguistic Contact in the Baloch-Pashtun Boundary Zone (۲۰۰۱) کے ذریعے اس موجودہ جلد میں میری دلچسپی برقرار رکھی۔

۶۔ خالد خان ایڈووکیٹ نے کچھ اہم دستاویزات کے نقول مجھے فراہم کئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۷۔ میرے دونوں بیٹوں، محکمہ داخلہ کے سیکشن افسر سید ال خان لونی اور انفارمیشن سروسز اکیڈمی میں زیر تربیت اسد خان لونی، نے میری ہر طرح سے معاونت کی۔

۸۔ میں عبدالرحیم مندوخیل، عبدالرحیم زیارتوال اور محمد جان مندوخیل کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے مختلف تاریخی واقعات اور "شورش کے سال" سے متعلق مقامی حالات کے حوالے سے معلومات دینے کے لئے وقت دیا۔

۹۔ میں ڈاکٹر شیر شاہ سید اور ڈاکٹر اللہ داد لونی کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے مشترکہ طور پر اس کتاب کی نشرواشاعت میں میری معاونت کی۔

۱۰۔ اور آخر میں حکومت بلوچستان کے محکمہ آبپاشی کے سیکرٹری سلام خان کا بھی نہایت مشکور ہوں جن کے اخلاقی اور فراخدلانہ تعاون نے برٹش بلوچستان کی اس موجودہ جلد کی اشاعت کو یقینی بنایا۔

اے۔ عزیز لونی

سیٹلائٹ ٹاؤن۔ کوئٹہ

مارچ ۲۰۰۳ء

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تعارف

میں نے دروں کے افغان" کی پہلی دو جلدوں میں یہاں کے لوگوں کے سیاسی اور تاریخی بیانیہ کو ۲۶ مئی ۱۸۷۹ء کی اس تاریخ تک بیان کیا ہے جب ان پر افغانستان کی حکمرانی ختم ہوئی اور گنڈمک کا معاہدہ ہوا۔ اس موجودہ جلد میں ۶۸ سالہ برطانوی دور (۱۸۷۹ء تا ۱۹۴۷ء) کے بارے میں مستند سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ اس جلد میں بھی دیگر جلدوں کی طرح کچھ شخصیات اور متعدد واقعات سے متعلق پائی جانے والی خیالی داستانوں پر کھل کر بات کی گئی ہے۔ یہ خیالی قصے کچھ یوں ہیں کہ 'انگریزوں کو باروزئی لے کے آئیں' یا یہ کہ 'انگریزوں کو رئیسانی لے کے آئیں' یا پھر یہ کہ 'افغانوں کے وافر قدرتی وسائل انگریزوں کو ان علاقوں میں کھینچ لائے'۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان عوامل میں سے کوئی بھی انگریزوں کی اس پیش رفت کی وجہ نہیں تھی۔ میں نے اس کتاب کے متن میں اس حوالے سے درست وجوہات کی وضاحت کی ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کتاب میں بہت سے واقعات کا پہلی بار ذکر کیا گیا ہے۔ اب تک نسلی قوم پرستانہ یا نام نہاد مذہبی وجوہات کی بنیاد پر لکھنے والوں نے اس موضوع کو مکمل طور پر نظر انداز کیا ہے اور میں نے 'برطانوی راج کی عنایتیں' میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان کی ان عنایتوں سے برٹش بلوچستان میں ہمارے اباء واجداد کی زندگیوں کے کئی پہلوؤں میں بہتری پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح کا ایک اہم واقعہ "شورش کا سال "۱۹۱۹ء ہے جسے میں نے یہاں بیان کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ صوبے کی سیاسی تاریخ پر لکھنے والوں نے اس اہم دور کو نظر انداز کیا ہے۔ اسی طرح ہندوستان، افغانستان اور برٹش بلوچستان میں تعلیمی اداروں کی تاریخ پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ میں نے اس حوالے سے باب: ۹ میں پوری تفصیل دی ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تاہم مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس جلد میں کئی کمزوریاں بھی ہیں جسے میں بے لاگ انداز میں ذیل میں پیش کر رہا ہوں:

۱)۔ قاری کو شاید یہ محسوس ہو کہ اس بیانیہ میں تسلسل نہیں ہے اور شاید ان کو یہ غیر متعلق معلومات لگے۔ یہ جزوی طور پر سچ ہے کیونکہ وقت اور توانائی کی کمی نے مجھے اس میں تسلسل اور روانی لانے سے روکا۔

۲)۔ اس جلد میں اور بھی بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ اس میں خاص طور پر برٹش بلوچستان کے غیر مقامی باشندوں کے حوالے سے مفصل معلومات نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ننانوے فیصد لکھنے والوں نے بلوچ اور براہوی کہانی لکھتے ہوئے اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے۔

۳)۔ میں نے حاشیہ لکھنے کا عمومی طریقہ اپنایا ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ قاری پڑھتے ہوئے مسلسل ان حوالوں پر نظر رکھیں اور ان کے پڑھنے میں کوئی خلل پیدا ہو۔

۴)۔ کیونکہ اس جلد میں ۱۹۴۷ء کے بعد کے دور کا ذکر نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کا ذکر اپنی آپ بیتی "داستان حیات" میں کروں۔

۵)۔ اس متن میں ایک اور خامی یہ ہے کہ اس میں سبی، ہرنائی، تھل چٹیالی اور ژوب کا زیادہ ذکر ہوا ہے جبکہ چاغی ایجنسی اور چمن کے حوالے سے اس میں معلومات کم ہیں۔ ایسا اس لئے ہوا کہ میں نے یہ کتاب سبی۔ ڈھاڈر کے علاقوں کے تاریخی اور سیاسی حالات پر تحقیق کی غرض سے شروع کی لیکن بالآخر اس کا موضوع برٹش بلوچستان بن گیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔ ۱

پشین۔ سیوی ریجن پر برطانوی قبضہ گیری کی وجوہات

ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں نے افغان علاقوں ، جسے بعد میں برٹش بلوچستان (برطانوی بلوچستان) کا ناموزوں نام دیا گیا، پر غلبہ حاصل کرنا اور قبضہ کرنے کے لئے متضاد وجوہات پیش کیں۔ ان میں سے کچھ وجوہات درج ذیل تھیں:

i. اعلیٰ برطانوی حکام نے اس قبضے کو برصغیر میں اپنی سامراجی پالیسی کا حصہ گردانا۔

ii. رابرٹ سنڈیمن نے دلیل دی (اگرچہ غلط دلیل ہے) کہ یہ علاقے چونکہ خان آف قلات کی ریاست کا باقاعدہ حصہ رہے ہیں لہٰذا ان کو آئندہ بھی اپنی گرفت میں رکھنا ریاست کے مفاد میں ہے۔

iii. کیونکہ یہ علاقے اپنے ملک افغانستان سے کافی دور واقع ہیں لہٰذا یہ بادشاہتِ افغانستان کا حصہ نہیں ہے۔

iv. ان علاقوں پر قبضہ نے ان مری اور کاکڑ قبائل کو قابو کرنے میں مدد دی ہے جو بصورتِ دیگر کافی مشکل سے قابو میں آتے۔

v. وسطی ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت کے لئے یہ قبضہ ضروری تھا۔

vi. ان علاقوں پر قبضہ کئے بغیر برطانوی، کوئٹہ شہر کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔

یہ دلیل یوں پیش کی گئی:

"تذویری (Strategic) اعتبار سے ان ضلعوں کو گرفت میں رکھنا نہایت اہم ہے۔ یہ ہمیں کوئٹہ اور شمال کے ساتھ ان (افغان) علاقوں کے ذریعے مواصلات فراہم کرتے ہیں جو درہ بولان کی نسبت زیادہ زرخیز، قابل رسائی اور مفید ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

یہ بمشکل ہی برطانویوں کے اصل سیاسی محرکات کی توضیح مانی جاسکتی ہے۔ میں نے اس کتاب میں آگے کہیں ان علاقوں پر برطانوی قبضے کی اصل وجوہات بیان کی ہیں۔

قلات افیئرز (Khelat Affairs – Balochistan No. ۱) میں صفحہ نمبر ۳۴ پر درجِ ذیل پیرایہ ہے:

"رپورٹ نمبر ۱۹۔ بمورخہ ۴ جنوری ۱۸۶۴ء۔ گذشتہ ماہ کندھار کے سربراہ کا ایک ایلچی قلات آیا اور انہوں نے خان کو مشروط مدد کی پیشکش کی کہ انہیں وادی شال (کوئٹہ)، مستونگ اور ڈھاڈر کا قصبہ افغان قوم کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اس طرح وہ درہ بولان پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیتے۔ براہوی سرداروں نے اس تجویز کو یکسر مسترد کر دیا اور افغان واپس کندھار چلا گیا"۔

تھورنٹن کے "Life of Sir Robert Sandeman" کے صفحہ ۱۶۲ اور ۱۶۳ پر ان کی سرگرمیوں کی تفصیل یوں درج ہے:

"انگلستان پہنچنے پر ایک اہم سوال ان کا منتظر تھا، جس نے ملکہ عالیہ کی حکومت کی توجہ بھی حاصل کر رکھی تھی۔ وہ سوال یہ تھا کہ پشین اور سبی کے اضلاع جو معاہدہ گندمک کے ذریعے ہمیں دیئے گئے ہیں آیا انہیں افغانوں کو واپس کیا جانا چاہیے یا برطانوی انتظامیہ کو انہیں اپنے پاس رکھنا چاہیے؟ ان علاقوں کو کندھار کے خطے سمیت واپس کرنے کی پرزور حمایت کرنے والوں میں جنرل سر ہنری نورمن، سر ایویلین بیرنگ (اب لارڈ کرومر) اور جنرل لارڈ وولسلی جیسے اہم حکام شامل تھے جبکہ کندھار کو اپنے تسلط میں رکھنے کے حمایتی سر ہنری راولنسن اور سر ولیم میریویدر کو کندھار کی واپسی کی صورت میں پشین اور سبی کو اپنے ساتھ رکھنے پہ اعتراض تھا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سر رابرٹ اپنا آرام چھوڑ کر چھ مہینے تک حکام کو یہ علاقے اپنے تسلط میں رکھنے اور ریلوے لائن (پہلے سے آدھی تعمیر شدہ) کو وادیٔ ہرنائی کے ذریعے پشین تک مکمل کرنے کی اہمیت پر قائل کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے رہیں۔ انہوں نے خطوط لکھے، یادداشتیں تیار کیں، فیصلہ سازی میں شامل ہر شخص سے ملاقاتیں کیں، انڈیا آفس کے پولیٹیکل سیکرٹری کے دفتر کے متعدد چکر لگائے۔ وہ وزارت خارجہ اور ہاؤس آف کامن میں بھی ناآشنا نہیں تھے۔ ان کی ان کوششوں نے اس مقصد کو ٹھوس وجوہات فراہم کیں جس کے لئے انہوں نے وکالت کی"۔

اسی رپورٹ کے صفحہ نمبر ۱۶۸، ۱۷۱ پر رابرٹ سنڈیمن کا یہ اہم اعتراف موجود ہے کہ سبی۔ ہرنائی۔ پشین کے یہ خطے برطانوی قبضہ گیری سے پہلے کس کی قانونی ملکیت تھے:

"دراصل یہ اضلاع ہر طرح سے افغانستان کے تھے جو ۱۸۳۹ء کی افغان جنگ کے بعد اپنے اصل جاگیر کے طور پر بحال نہیں کئے جاسکے اور برطانوی حکومت کی طرف سے خانِ قلات کو عنایت کئے گئے۔ خانِ قلات ان علاقوں کو پہلے قبضہ کرنے سے اس لئے باز رہیں کہ یہ لوٹ مار کرنے والے قبائل کے تابع تھے۔ اس وقت سے افغان جنگ (۱۸۴۰۔۱۸۷۸ء) کی شورش تک یہ علاقے اسی صورت میں رہے اور اس کے بعد امیر کابل کی جاگیر میں شامل ہوئے لیکن عملاً کسی حکومت کے تابع نہیں"۔

"۱۸۸۰ء میں ریلوے کا معطل شدہ کام ۱۸۸۴ء میں دوبارہ آگے بڑھایا گیا اور ۱۸۸۷ء میں حکومتِ ہند کی قرارداد کے ذریعے ان تفویض شدہ اضلاع اور ان سے مربوط تھل چٹیالی کی وادیوں اور میدانوں کو بھی باقاعدہ طور پر برطانوی خطے میں "برٹش بلوچستان" کے غیر موزوں نام سے شامل کیا گیا"۔

"ایچی سنز معاہدات۔ جلد ۱۱ (Aitchisons Treaties – Volume-XI) کے صفحہ نمبر ۳۴۷ پر ایک اور انداز سے یوں کہا گیا ہے: "پشین، سبی کے اضلاع اپنے ماتحت

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

علاقوں تھل چٹیالی اور ہرنائی، دکی اور شورارد (Shorarud) کے ساتھ ایجنٹ ٹو گورنر جنرل کے زیرِ انتظام بحیثیت چیف کمشنر برٹش بلوچستان رہیں گے۔ ۱۸۷۸ء تک یہ علاقے امیر افغانستان کی ریاست کا حصہ تھے۔ اسی سال جب افغانستان کے ساتھ جنگ چھڑی تو برطانوی افواج نے ان پر فوراً قبضہ کر لیا اور ۲۶ مئی ۱۸۷۹ء کو معاہدہ گندمک کے اطلاق کے بعد ان کا انتظام برطانوی حکومت کے سپرد ہوا اور اس کا اضافی آمدن امیر کو دیا جاتا رہا۔ اگرچہ ستمبر ۱۸۷۹ء میں دوبارہ جنگ چھڑی جو یعقوب خان کی دستبرداری اور امیر عبدالرحمٰن خان کی تخت نشینی کے ساتھ ختم ہوئی۔ اسے بتایا گیا کہ اب یہ اضلاع افغانستان کا حصہ نہیں رہے ہیں۔ تب سے یہ برطانوی حکومت کی مملکت ہیں۔ ان کو ۱۸۸۷ء میں برطانوی ہند میں شامل کیا گیا اور سرکاری طور پر صوبہ برٹش بلوچستان کے نام سے جانا گیا"۔

مندرجہ بالا عبارت مندرجہ ذیل نکات کے حوالے سے دلچسپ معلومات رکھتا ہے:

أ. برطانویوں نے تھل چٹیالی، ہرنائی، دکی اور شورارد اس لئے اپنے تسلط میں لئے کہ وہ ان کو محض پشین اور سبی کے مضافاتی علاقے خیال کرتے تھے۔

ب. اور یہ کہ انھوں نے مذکورہ علاقوں کے باضابطہ اور قانونی مالک کو صرف خبر کرنے کی ضرورت محسوس کی کہ یہ علاقے اب افغانستان کا حصہ نہیں رہے۔

یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ جب انگریز آقا تاریخی افغانستان کو غیر مستحکم بنیادوں پر تقسیم کرنے کے عزم پر عمل پیرا تھے اس وقت کچھ بلوچ تاریخ دان اس ریجن کی تاریخ کے حوالے سے گمراہ کن توضیحات کرنے میں مصروف تھے۔ میر خدا بخش مری اپنی کتاب Search Lights on Baloches کے صفحہ ۲۴۵ پر کہتے ہیں "اپنی نیک نیتی ثابت کرنے کے لئے خان کو وادیٔ پشین کو بھی برطانویوں کے سپرد کرنا پڑا جس نے کوئٹہ میں ایک مکمل چھاؤنی قائم کرنے میں مدد دی"۔ اس طرح کی دیگر بے بنیاد توضیحات پر میں آگے مناسب حوالے کے ساتھ بات کروں گا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲

براہوی۔برطانوی اشتراک

یہ کوئٹہ ۔ قلات ریجن کی ایک دلچسپ مگر فراموش کردہ حقیقت ہے کہ براہوی سرداروں اور خان کے مابین، انیسویں صدی کے برطانوی سیاسی افسروں کے طفیل، تنازعات کا حل دراصل افغانستان میں برطانوی مداخلت کے عمل میں سہولت فراہم کرتے تھے۔اس 'کامیابی' نے دو طرح سے سامراجی طاقت کی مدد کی ۔ اس نے درہ بولان میں خلل کا خاتمہ کیا جو فوجی مداخلت کا راستہ تھا اور آگے چل کر اس نے خانِ قلات اور براہوی سرداروں کو اس قابل بنایا کہ وہ شمال کی طرف پیش قدمی کرتی ہوئی برطانوی فوج کو بدلے میں اہم معاونت فراہم کریں۔ قلات آفیئرز (لاہور۔ ۱۸۷۲ء) کے صفحہ نمبر ۳۵۱ پر ہم سردار اللہ ڈینہ کرد کا اعتراف دیکھ سکتے ہیں جو انہوں نے کمشنر سندھ کے نام ۱۲مارچ ۱۸۷۲ء کے ایک خط میں کیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ اس نے اس راستے کی حفاظت اور درہ بولان کے ذریعے شمال مغرب پر چڑھائی کرنے کے لئے آگے بڑھتی فوج کو رسد پہنچانے کے عوض میجر اوترام (اس وقت کے اپر سندھ کے لئے سیاسی افسر، مسٹر روس بیل کا جانشین) سے خاصی رقم وصول کی ہے۔اس ناپاک اتحاد میں کچھ اور پشتون اور بلوچ معتبرین بھی شریکِ کار بنیں جن میں رحمت اللہ کاکڑ، برخوردار کاکڑ اور درامری شامل تھے ۔ سردار اللہ ڈینہ کرد نے کہا:

"میجر اوترام نے مجھے پہلے ڈھاڈر سے شالکوٹ تک افسروں اور ان کے سامان کی حفاظت کے لئے تعینات کیا۔ مجھے اپنی خدمات کے عوض کبھی ۳۶۰ اور کبھی ۴۰۰ روپیہ ملتا رہا۔ ایک دفعہ جب میں رحمت اللہ اور برخوردار کاکڑ کو سلامی کے لئے برطانوی حکام کے پاس لایا تو مجھے میری ان خدمات کے صلے میں ۱۰۰۰ روپیہ انعام دیا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایک ایسے وقت میں جب افغانستان کے امیر اور خانِ قلات کی غیر ملکیوں کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تھے اس وقت کچھ پشتون اور زیادہ تر براہویوں نے برطانوی حکام کے لئے اس طرح کی خدمات سرانجام دیں۔

The Afghans of Passes کے آٹھویں باب کے صفحہ نمبر ۲۷۲، ۲۷۴ پر بیان کئے گئے واقعات (جو بظاہر ایک دوسرے سے غیر متعلق ہیں) انیسویں صدی کے آخر میں ہونے والی پیش رفت پر روشنی ڈالتے ہیں جو بعد میں "برٹش بلوچستان" کہلایا گیا۔ اس وقت کا سیاسی انتشار قلات اور افغانستان کے حکمرانوں کے ریاستی امور چلانے میں نااہلی کا نتیجہ تھا جس نے متصل افغان علاقوں کوئٹہ اور سبی میں برطانوی اور اس کے اتحادیوں کو قدم جمانے کا موقع دیا۔ اس اشتراک نے بتدریج مورچہ بند بادشاہتِ افغانستان کے خلاف اینگلو۔ براہوی فوجی اتحاد کی شکل اختیار کی۔

سابق ایجنٹ ٹو گورنر جنرل کے دفتر کی دستاویزات میں ایک فائل نمبر Refugees LIII ۱۹۳۶/۲/Z/۲ بعنوان "نئے آئین کی رو سے ملکی اور سیاسی پنشن کے اخراجات کا تناسب" موجود ہے۔ ان فائلوں میں ذیل میں دیئے گئے ان براہوی سرداروں کے نام محفوظ ہیں جو خود اور ان کے بعد ان کی اولاد ۱۸۷۸ء کی اینگلو افغان جنگ کے دوران اور اس سے پہلے برطانوی ہند کی حکومت کو خدمات فراہم کرنے کے بدلے میں سیاسی پنشن لیتی رہیں:

۱۔ سردار اسد اللہ خان رئیسانی ۴۰۰ روپیہ ماہوار (افغان جنگ کے دوران فوجی خدمات کے عوض)

۲۔ وڈیرہ نور محمد خان بنگلزئی ۳۰۰ روپیہ ماہوار (ان کے دادا وڈیرہ شادی خان کی خدمات کے عوض)

۳۔ سردار محمد بہرام خان لہڑی ۳۰۰ روپیہ ماہوار (ان کے والد چیف آف لہڑی مرحوم میر دوست محمد خان کی خدمات کے عوض)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۴۔ میر سمندر خان محمد شہی ۳۰۰ روپیہ ماہوار (ان کے دادا سردار سید خان محمد شہی کی خدمات کے عوض)

۵۔ کے۔بی سردار میاں خان کرد ۳۰۰ روپیہ ماہوار

۲۴ فروری ۱۸۸۰ء کو کمانڈنٹ بلوچ گائیڈز کیپٹن شاورز کے قتل اور پانیزئی کاکڑ افغانوں کی طرف سے مئی ۱۸۸۰ء میں شاہرگ کے درگئی (زیارت) کے علاقے میں کیپٹن فولر کے کیمپ پر حملے کا ذکر کرتے ہوئے رابرٹ سنڈیمن برطانوی۔ براہوی اشتراک کو سراہتے ہوئے کہتا ہے:

"دربار میں میری تقریر میں اس بات پر زور دیا جائے گا کہ میں نے ان براہوی سرداروں کی تعریف کی جنہوں نے خود اور اپنے لوگوں کے ساتھ مل کر ہماری خدمت کی۔ پشین کے تحصیلدار سردار اللہ داد، جو کہ ساراوان کے سردار ملا محمد کے برادر نسبتی ہیں، نے انتہائی اہم کام کیا۔ میں آپ سے ان براہوی سرداروں کے بارے میں الگ سے لکھوں گا جنہوں نے جنگ کے دوران ہمارا ساتھ دیا۔ یہ عمل حالیہ شورش کے دوران انتہائی قابل تحسین اور نمایاں رہا ہے"۔

یہ باتیں حکومت انڈیا کے سیکرٹری خارجہ اے۔ سی لوئلی کو کوئٹہ سے ۲۳ مئی ۱۸۸۰ء کو لکھے گئے اس کے خط نمبر ۳۱۰۷ میں موجود ہیں۔

۱۹۳۵ء کے برطانوی دور کی ایک اور فائل (بعنوان: لیویز) میں ہم پڑھ سکتے ہیں کہ ساراوان اور جھالاوان کے براہوی سردار اس بات پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہ لیویز کے اہل کار میر منو نے برطانوی مفادات کو اس طرح سے آگے بڑھایا ہے جیسے بنگال کے میر جعفر نے آگے بڑھایا تھا۔ اسی طرح پھر جمعدار گوہر خان محمد شہی کا ذکر آتا ہے جس نے اٹھارہ سال تک ژوب ملیشیا میں قابل تعریف خدمات سرانجام دیں۔ ان کی ۱۹۱۹ء کی مزاحمت کے دوران شاندار کارکردگی رہی۔ ۱۹۲۱ء میں ان کی موت کے بعد ان کے چھوٹے بیٹے خان محمد کو سیاسی پنشن کے طور پر ۲۰۰ روپیہ ماہوار دیا گیا۔ اسی موضوع سے متعلق 'فارورڈ پالیسی' کے صفحہ ۹۲ پر مسٹر بروس مزید لکھتے ہیں:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"بولان کی حفاظت ،معلومات کی فراہمی اور ان کی وفاداری کے عوض براہوی سرداروں کو' اضافی خدمات الاؤنس' بھی دیا گیا"۔

یہ براہوی معاونت اس وقت کے برطانوی حکام کی طرف سے شاباشی حاصل کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس لئے بلوچستان ایجنسی کی پہلی سالانہ انتظامی رپورٹ (۱۸۸۶ء)میں مندرجہ ذیل عبارات موجود ہیں:

اَ. "بریگیڈیئر جنرل فائرے کو سکھر اور کوئٹہ کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ برقرار رکھنے اور وہ فرائض نبھانے، جن کے لئے بریگیڈیئر جنرل کو آپ کے خطے میں تعینات کیا گیا ہے، کے حوالے سے عزت مآب کی فراہم کردہ معاونت کی رپورٹ پاکر خوشی ہوئی"۔

ب. "عزت مآب، خط کے شکریے میں یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ اپنا ملک اور اپنا سارا اثر و رسوخ ملکہ عالیہ کی سپردگی میں دے چکے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ ہمیشہ سے اپنی جان اور مال و دولت حکومت کی سپردگی میں دینے کے لئے تیار تھے"۔

ج. "ہماری قلات پالیسی کے نتیجے میں اب ہم کوئٹہ میں آسانی سے اسی طرح فوجیں رکھ سکتے ہیں جیسے اندرونی ہندوستان میں کہیں بھی ہم نے رکھی ہیں۔ ہمیں براہویوں میں وہ فائدہ مند معاون ڈھونڈنے چاہیے جنہوں نے پہلے ہی امیر کے خلاف ہمارے ساتھ شامل ہونے کی پیشکشیں کر رکھی ہیں"۔(یادداشت تحریر کردہ لارڈ لٹن وائسرائے ہند، بتاریخ ۴ ستمبر ۱۸۷۸ء)

کچھ اسی طرح کا طرزِ عمل برطانویوں نے درہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل کے ساتھ بھی روا رکھا۔ میر محمد صدیق فرہنگ کی کتاب "افغانستان در پنج قرن آخر" (جلد۔ا، صفحہ ۳۵۲) کے مطابق شنواری اور آفریدی قبائل کے افغان ملکوں کو برطانویوں نے ۸۷۰۰۰ روپیہ رشوت دی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تا کہ وہ جنرل سام براون کی فوج کو درہ سے آزادانہ گزرنے کی اجازت دیں۔ اسی کے نتیجے میں قلعہ علی مسجد پر معین ۴۰۰ مضبوط افغانوں پر مشتمل فورس کو جلال آباد کی طرف دھکیلا گیا۔

اسی طرح کی ایک اور افغان مخالف اور براہوی حامی مثال اس وقت کے بلوچستان کے لئے گورنر جنرل کے ایجنٹ میجر جنرل جیمز براون کے ۱۷ اپریل ۱۸۹۵ء کو جاری کردہ باقاعدہ سرکاری فرمان(Executive Order) میں موجود ہے۔ پنڑی۔ رئیسانی یا سبی۔ مٹھڑی کے سرحدی تنازعے پر اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

"یہ حقیقت ہے کہ معاہدہ گندمک سے پہلے پنڑی اصولی اور عملی طور پر افغان معاملات اور انگلینڈ کے گویا مخالف تھے جبکہ رئیسانی اصولی اور عملی طور پر قلات معاملات اور انگلینڈ کے گویا اتحادی تھے اس لحاظ سے یہ ضروری عمل ہے کہ دشمنوں کی طرف سے نقصان پہنچانے والی معمولی سے معمولی حرکت سے ہم اپنے اتحادیوں کی حفاظت کریں"۔

اس اہم موڑ پر ایک حقیقت دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ افغانستان کی بادشاہت کے خلاف برسرپیکار برطانوی قوت کا ساتھ دینے والے یہ براہوی سردار بذاتِ خود افغان نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ فریڈرک بارتھ نے اپنی کتاب Pathan Identity and its Maintenance میں اس نکتے پر روشنی ڈالی ہے کہ بیشتر افغان، بلوچ براہوی گروہوں میں جذب ہو چکے ہیں اور ابھی تک جذب ہو رہے ہیں۔ اس کی بنیادی طور پر دو وجوہات ہیں، اول "پٹھان روایات اور سیاسی حالات کے درمیان تصادم"، اور دویم "سخت گیر اخلاقی دستور جسے "پشتونولی' کہا جاتا ہے"۔ اسی لئے گذشتہ کئی سالوں میں اس عمل کی وجہ سے افغان اپنی آبادی کھونے کے ساتھ ساتھ اپنا اچھا خاصا افغان خطہ بھی کھو چکے ہیں۔ یہ برطانیہ کی کامیابی تھی کہ اس نے براہویوں کو اپنے اصل افغان بنیاد سے الگ کیا اور یہی افغان حکمرانوں کی ناکامی تھی کہ وہ ان کو اپنے ساتھ پیوست نہ رکھ سکے۔ حتیٰ کہ کم و بیش آج بھی حکومت پاکستان اور حکومت افغانستان کی طرف سے پالیسیاں عمل میں لانے کے دوران اسی حکمت عملی کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۳

افغان اثرورسوخ ختم کرنے کے لئے برطانوی کوششیں

یہ وسط ایشیا میں روس کی توسیعی پسندی پر نظر رکھنے کی برطانوی پالیسی اور کندھار کے حکمرانوں کی سبی۔پشین ریجن میں قانونی عملداری قائم رکھنے سے دستبرداری کا نتیجہ تھا جس نے ان علاقوں پر برطانوی قبضہ کے لئے راہ ہموار کی ۔ افغان علاقے کے باشندوں کو حکمران کی ضرورت تھی جبکہ خانِ قلات کی ریاست کو ایک ایسے ثالث کی ضرورت تھی جو براہوی سرداروں اور میر خدائیداد خان کے مابین پائی جانے والی برسوں پرانی چپقلش کا خاتمہ کر سکے ۔ اپنے عزائم پانے کے لئے برطانویوں کی طرف سے افغان باشندوں کو حکمران اور قلات ریاست کو ثالث فراہم کرنے کی دیر تھی۔اس کو عملی جامہ پہنانے کا سنہری موقع ۲۱ نومبر ۱۸۷۸ء کو دوسری اینگلو۔افغان جنگ کے برطانوی اعلان نے دیا۔ تین جنرلوں (براونے، رابرٹس اور بڈلف) نے افغانستان پر حملہ کیا، ۶۴۰۰ نفوس پر مشتمل فوج اور ۱۶ توپوں کے ہمراہ سنڈیمن نے پشین میں سرحد پار کی۔ عین اسی وقت جیکب آباد سے سندہارس اور سکھوں نے بولان کے شمال میں افغان ضلع سبی پر قبضہ جما لیا۔ انہیں پشین یا سبی میں کہیں بھی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اپرسندھ کے سرحدی ضلع جیکب آباد اور بعد میں برٹش بلوچستان کے برطانوی افسروں کی کوئٹہ۔قلات ریجن سے افغان اثرورسوخ ختم کرنے کی کوششیں ان دنوں کی ایک اہم حقیقت ہے جسے دیگر ذرائع اور سرکاری دستاویزات سے ثابت کیا جا سکتا ہے ۔ فائل نمبر ۱۹۲۴/۱/۶/C/Miscellaneous/A.G.G بعنوان: "حافظ سید احمد امام جامعہ مسجد کوئٹہ کی برطرفی" رابرٹ سنڈیمن کی ایسی کاروائیوں کا ایک دلچسپ ریکارڈ ہے۔۱۸۷۶ء۔۱۸۷۷ء

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں اس نے ایک جالندھری ملا (حافظ سید احمد ولد حاجی نوراحمد راجپوت سکنہ جالندھر پنجاب) کو سیوی جامعہ مسجد کی بنیاد رکھنے کی خاطر تعینات کیا۔ اسے خفیہ طور پر یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ لوگوں کے ذہنوں سے مقدس فرض جہاد کا عقیدہ مٹائے اور اسی طرح نمازِ جمعہ کے خطبات میں افغانستان کے بادشاہ کی حیثیت بطورِ بادشاہِ اسلام کے پوری طرح سے مٹادیں۔ اس ملا کو سیوی میں اسلام اور افغان مخالف مشن مکمل کرنے کے بعد ڈھاڈر میں واقع رندلی مسجد میں اسی مشن کو آگے بڑھانے کی مزید ذمہ داری دی گئی ۔ بعد میں ۱۸۸۰ء میں اسی شخص نے حکومتی احکامات اور برطانوی منصوبے کے تحت جامعہ مسجد افغانان اور جامعہ مسجد کوئٹہ بھی بنائی۔

مذکورہ علاقوں سے افغان اثرورسوخ ختم کرنے کے ساتھ ساتھ افغان حکمرانوں کی کردارکشی کی کوششیں بھی کی گئیں۔ سبی میں برطانوی افسروں نے انہی علاقوں کے افغانوں پر مشتمل "بلوچ گائیڈز" کے نام سے ایک نئی فورس تشکیل دی۔ محمد خان باروزئی اور ان کے بیٹے مصطفیٰ خان کو "میر" کا لقب دیا گیا جو آج بھی بلوچ لقب کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سبی میں شاہی جرگہ کے سالانہ اجلاسوں میں جب بھی کسی مقدمے کو حل کیا جاتا تو عدالتی فائلوں میں جرگے کے افغان قبائلی سربراہوں کے نام "بلوچ سردار" کے سرنامے کے نیچے لکھے جاتے تھے۔

۱۳ فروری ۱۹۲۶ء کو اس وقت کے اے۔جی۔جی[1] جونسٹن نے سبی دربار میں کھلے عام اعلان کیا کہ جس طرح ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہیں اسی طرح برطانویوں کے لئے بلوچ، پٹھان اور براہوی سردار ایک برابر نہیں ہیں۔ اسی لئے لورالائی کے سرداروں کو حکومت سے اسی طرح کی مراعات کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے جو مراعات قلات کے سرداروں، مری اور بگٹی قبائل کے تومنداروں کو حاصل ہیں۔ اور کوئی بھی چیز اس معاملے میں برطانوی پالیسی کا اس سے زیادہ واضح ثبوت نہیں ہوسکتی۔

[1] A.G.G = Agent to Governor General

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

برطانوی حکام کے خلاف اس افغان مخالف پالیسی کے الزامات کو انیسویں صدی میں پہلے انہی کے چند نمایاں برطانوی لکھاریوں نے اٹھایا جن میں میجر راورٹی اور کیپٹن ایسٹوک شامل تھے۔ اس کے برعکس برٹش بلوچستان کی تاریخ اور اس کی سیاست کے حوالے سے افغان لکھاری برطانوی حکام کی ان افغان مخالف اور بلوچ حامی پالیسیوں کو آشکار کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ضلع کچھی کے گزیٹیر میں ڈھاڈر اور کچھی کے میدانوں کے اس وقت کے پنڑی افغان حکمرانوں کے دور کا ذکر نہ ہونا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اس دور میں داراشکوہ نے ڈھاڈر کے افغان حکمران یعنی جنید خان۔بختیار خان کے ہاں پناہ لی تھی۔ اس میں ان سولہ جنگوں کا بھی کوئی تذکرہ نہیں جو قلات کے خان میر احمد یار خان نے پنڑی افغانوں کے خلاف اور ڈھاڈر اور سیوی کے باغیوں نے کاہوڑا حکومت کے خلاف لڑیں۔ یہ تمام واقعات راورٹی، ٹیٹ، اخوند محمد صدیق اور منشی عبدالرؤف شکارپوری گزیٹیر مرتب ہونے سے بہت پہلے قلمبند کر چکے تھے۔ سر ہیو بولر، ڈینس بری اور ان کے عملے کے لئے کوئی مشکل نہیں ہونی چاہیے تھی کہ وہ ان واقعات کو بھی گزیٹیر میں شامل کرتے۔

اس پالیسی کو برٹش بلوچستان کی حکومت نے کوئی ۶۶ سال (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۴۶ء) تک جاری رکھا اور یہی پالیسی بلوچ اور براہوی سربراہوں کی نسبت برٹش بلوچستان کے افغان سرداروں کی پسماندگی کی ذمہ دار ہے۔ برطانوی سرکار نے بلوچ اور براہوی سرداروں کو برطانوی ہند کی بہترین درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع دیئے جبکہ افغانوں کے لئے دیہی سکولوں اور مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ افغان مورخوں نے ان مذکورہ علاقوں کے افراد، جگہوں اور حقائق کے حوالے سے فاش غلطیاں کی ہیں۔ محمد ابراہیم عطائی نے اپنی پشتو کتاب "بلوچ کی آزادی کی تحریک پر ایک نظر" (کابل ۱۹۸۶) کے صفحہ ۳۲ پر ذیل میں دیا گیا نامعقول بیان لکھا ہے:

"کوئٹہ مشرقی بلوچستان میں واقع ہے۔ اس کی تذویری اہمیت کی وجہ سے ۱۸۷۹ء میں گندمک معاہدے کے تحت اسے افغانستان سے الگ کیا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بد قسمتی سے دونوں بیان غلط ہیں۔ کوئٹہ اور درہ بولان دونوں افغانستان کے شاہ شجاع کے ملکیتی صوبے کی مرکز شمال مغرب میں واقع تھے۔ ۱۸۳۹ سے ۱۸۴۲ء کی پہلی اینگلو۔افغان جنگ کے نتیجے میں برطانوی انخلا کے وقت تب کے برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ جیمزاوترام نے غیر قانونی طور پر یہ علاقے خانِ قلات کے حوالے کئے۔ بعد میں ۱۸۸۳ء میں برطانوی حکومت نے ان علاقوں کو ۲۵۰۰۰ روپیہ کے عوض اجارے پر حاصل کیا اور اس شرط کو معاہدے میں درج کرایا۔ اس لئے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ کوئٹہ قلات ریجن کو ۱۸۷۹ء کے معاہدہِ گندمک کے ذریعے برطانوی راج کو منتقل کیا گیا۔ معاہدہ گندمک صرف سیوی اور پشین سے متعلق تھا۔ موصوف عطائی اپنے ایک اور اثر Pashtun and Baloch Chronology (کابل ۱۹۹۰) میں صفحہ ۷۲ اور ۷۳ پر معاہدہِ گندمک کے مندرجات بیان کرتے ہوئے اس کنفیوژن کا شکار ہوئے ہیں کہ آیا اس وقت سبی کا علاقہ سندھ کا حصہ تھا یا افغانستان کا۔ مزید بر آں افسوس ہے کہ ۱۸۴۶ء میں کرنل ولسن کے خلاف سیوی کے ججکوں کی مزاحمت اور اسی دوران بریگیڈیئر انگلینڈ کے خلاف ہیکلزئی کے مقام پر ترین اور اچکزئیوں کی مزاحمت کا اس وقائع نگاری میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ اسی طرح عبدالحئ حبیبی کے اثر A Chronology of Afghanistan (کابل ۱۹۷۶ء) میں ان دو تاریخی واقعات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ کسی اور جگہ میں نے کابل ٹایمز کے دسمبر ۱۹۱۸ء کے شمارے میں ایک مضمون کے متن کا حوالہ دیا تھا اس مضمون کے مصنف نے ۱۸۷۹ء کے معاہدہِ گندمک کی شق ۹ کے متن کے حوالے سے بہت بڑی غلطی کی تھی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۴

بلوچ اور افغان نسلی گروہوں کا ایک دوسرے کے خلاف امتیازی رویے کا مظاہرہ

افغان اور بلوچ قبائل کا ایک دوسرے کے خلاف خصلتوں کا حوالہ دیتے ہوئے لکھنے والوں نے ذیل میں دیئے گئے پیرایوں میں کچھ دلچسپ حقائق بیان کی ہیں:

"مریوں کی نسبت ،اس رپورٹ میں مذکورہ ضلعوں میں پٹھانوں کی معصوم عدم جارحیت گزشتہ صفحے پر دیئے گئے اعداد و شمار سے موثر طریقے سے عیاں ہے"۔

یہ مشاہدہ اے۔جی۔جی کے چوتھے معاون او۔ٹی ڈیوک نے ۲۰ مارچ سے ۲ اپریل ۱۸۸۱ء تک کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ڈائری میں لکھا ہے۔ اس سے ملتا جلتا مشاہدہ ضلع کوئٹہ کے کمانڈنٹ بریگیڈیئر جنرل ایس۔ایڈورڈس جی۔بی نے اپنے ایک خط میں درج کیا ہے جو انہوں نے ۲۳ فروری ۱۸۸۲ء کو کمانڈر ان چیف کے ملٹری سیکرٹری کو لکھا ہے:

"مزید بر آں یہ مریوں میں ایک افشاں راز ہے کہ وہ ہماری فوجوں کے انخلا کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ پٹھانوں کی کی ہوئی بچت تک پہنچ سکیں۔ پٹھانوں کو وہ اپنا موروثی دشمن مانتے ہیں۔ وہاں ہمارے افواج کی موجودگی ان ڈاکوؤں کو اپنے ہمسایوں پر چڑھائی کرنے سے دور رکھتی ہیں"۔

بلوچستان بلیو بک نمبر ۲ میں درہ مولا، درہ بولان، کوئٹہ اور ہرنائی کے علاقوں میں براہویوں اور مریوں کے ہاتھوں پٹھانوں کے لٹنے کے کئی واقعات رپورٹ ہوئے ہیں۔ یہ واقعات زیادہ تر ۱۸۷۵ء میں اس وقت وقوع پذیر ہوئے ہیں جب سنڈیمن قلات کے پہلے دورے پر تھا۔ بڑی آسانی اور تواتر کے ساتھ لوٹ مار کے ان واقعات کا ہونا حیرت کی بات ہے۔اسی طرح ان ڈاکوؤں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے خلاف افغانوں کا مزاحمت نہ کرنا بھی حیرت کی بات ہے۔ جنوری ۱۸۷۵ء میں درہ مولا میں صرف سردار گوہر خان زرکزئی نے کندھار اور شکارپور آنے جانے والے ۲۰۰ افغان تاجروں کو قتل کیا اور ان کے لاکھوں روپیہ مالیت کا سامان لوٹا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۴ پر حیدر خان مسوری بگٹی کے قتل کی پاداش میں ۱۸۷۶ء میں کوہلو میں بگٹیوں کے ہاتھوں ۹۰ زرکونوں کے قتل کی تفصیلات دی گئی ہیں۔

رائے بہادر ہیتو رام نے اپنی کتاب "تاریخ بلوچستان" کے صفحہ ۹۵ پر لکھا ہے کہ مری ناڑی گورج، سپین تنگی، ہرنائی، چھپر رفٹ، اور بوستان سے منسلک سندھ۔ پشین ریلوے لائن کی تعمیر سے خوش نہیں تھے۔ اس کی وجہ ان کا یہ اندیشہ تھا کہ یہ ترقی کہیں مستقبل میں ژوب، بوری اور ہرنائی کے پٹھانوں کو لوٹنے کی ان کی مہم جوئی کو ختم نہ کر دیں۔ ہیتو رام نے صفحہ ۷۰۶ پر یہ حقیقت بھی بیان کی ہے کہ جب برطانوی مارچ ۱۸۷۹ء میں لورالائی پر قابض ہوئے تو انہوں نے بھی لورالائی کے علاقوں چینالی سے کچھ عمقزئی سے سنجاوی تک اس لوٹ مار کی کہانیاں سنیں۔

اے۔ جی۔ جی بلوچستان میجر سنڈیمن نے اپنے جنوری ۱۸۸۱ء کے خط میں سیکرٹری خارجہ مسٹر لایل کو اس طرح مطلع کیا:

"اپنے توسیعی پسندانہ عمل میں وہ (مری) کچھ چھوٹے پٹھان قبائل جیسے زرخان (زرکون)، باروزئی اور چھلگری کو اپنے اندر ضم کر چکے ہیں۔ اور اس طرح وہ سابق افغان ضلع سبی کے کواٹ منڈائی اور بدرہ وادیوں کے زرخیز علاقوں کو اپنی ملکیت میں لے چکے ہیں۔ دراصل کچھ ہی عرصہ پہلے وہ خود سبی کے میدانوں میں پھیل گئے ان کا ضلع تلی کو مال گاؤں سمیت بزورِ اسلحہ قبضہ کرنے کا بظاہر کوئی خفیہ منصوبہ نہیں تھا۔ چونکہ سبی کو پہلے ہی برطانیہ نے امیر افغانستان سے خود چھین لیا تھا اس لئے انہیں (مریوں کو) اس علاقے کو خالی کرنا پڑا"۔

انیسویں صدی میں مریوں کے اس جارحانہ رویے کے سامنے بارکھان، کوہلو، تھل چٹیالی، ہرنائی اور سبی کے افغانوں کی اس بے بسی پر مفصل بحث پہلے ہی ہو چکی ہے۔ بروس، ڈیوک،

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ایڈورڈس، ہیتو رام اس وقت کے صرف وہ چند حکومتی اہلکار ہیں جنہوں نے اپنی تصانیف میں ان کا حوالہ دیا ہے۔ ان حوالوں کے مطابق افغانوں کی اس کمزوری کی وجہ یہ نام نہاد حقیقت ہے کہ افغان پرامن طور پر زراعت کے پیشے سے منسلک ہو کر آباد ہو چکے تھے جبکہ مری خانہ بدوش تھے۔ یہ مشاہدہ کسی حد تک صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہ مکمل سچ نہیں ہے۔ اس وقت نہ سارے افغان زراعت سے منسلک ہو کر پرامن زندگی بسر کر رہے تھے اور نہ ہی سارے مری جارح قسم کے خانہ بدوش تھے۔ فریڈرک بارتھ پہلے ہی اپنے بشریاتی تجزیے میں اس صورت کی وجہ کو واضح کر چکا ہے۔ بہر حال افغانوں کی کمزوری اور بلوچوں اور براہویوں کی جارحیت کی اس وقت جو بھی وجوہات رہی ہوں، تاریخ اور بشریات کے طالب علموں کو اس نمایاں حقیقت کو بھولنا نہیں چاہیے۔ میرے خیال میں اس صورتحال اور بلوچوں اور براہویوں کے خلاف افغانوں کی کمزوری کی ایک وجہ ان کے راہنماؤں کی ان سے دغا تھی۔ جبکہ بلوچوں اور براہویوں کے راہنما اپنے لوگوں کے ساتھ کھڑے رہیں اور مزید برآں ان کو برطانوی حکمرانوں کی مدد کا فائدہ بھی حاصل تھا۔

اے۔ جی۔ جی بلوچستان نے انتظامی رپورٹ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء کے صفحہ ۲۴ پر ایک دلچسپ مشاہدہ بیان کیا ہے:

"اس صوبہ (برٹش بلوچستان) کے افغان قبائل شمال مغربی سرحد کے شمالی علاقوں کے قبائل سے یکسر مختلف ہیں۔ یہ لمبے بال رکھتے ہیں، شیریں جنوبی پشتو بولتے ہیں، جنگجو نظر نہیں آتے، البتہ ان میں کچھ افراد لڑنے میں اچھے ہیں۔ یہ انفرادیت پسند ہیں، ایک طرف بلوچوں اور دوسری طرف شمالی پٹھانوں کی نسبت ان میں قبائلی اتصال (Cohesion) کم ہے"۔

"بلوچ اپنے افغان ہمسائے کی نسبت زیادہ مضبوط ہیں۔ وہ پستہ قد، پتلے لیکن سخت ہیں۔ وہ دلیر، کھرے اور بالکل راست گو ہیں۔ وہ شجاعت کو اعلیٰ جوہر کے طور پر دیکھتے ہیں اور مہمان نوازی کو مقدس فریضہ سمجھتے ہیں۔ وہ ماہر گھڑ سوار ہیں۔ وہ افغانوں کی نسبت شاذ ہی مذہبی ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اسی طرح کے خیالات کا اظہار بلوچستان کے ایک وزیرِ اعلیٰ (۵ فروری ۱۹۸۹ سے ۷ اگست ۱۹۹۰ء) نے صوبائی وزیروں اور سیکرٹریوں کو عید کی مبارک باد کے لئے بھیجے گئے کارڈ میں کیا تھا۔ اس کارڈ کے آخر میں درج ذیل الفاظ سنہری حروف میں لکھے گئے تھے:

"بلوچ اپنے دشمن کو سامنے سے قتل کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ ان کے لڑنے کا انداز انوکھا اور اپنے ہمسایوں کی نسبت زیادہ مہلک ہے۔ ایک بلوچ اپنے قبیلے کے تمام باہمت لوگوں کو اکھٹا کر کے پوری قوت سے دشمن پر وار کرتا ہے۔ پھر وہ سواری سے اتر کر اپنی گھوڑی کو کھونٹی سے باندھتا ہے، تلوار ہاتھ میں لے کر دست بدست لڑتا ہے اور عام طور پر مشکل سے ہی ہارتا ہے۔ ان کی جرات بے رحم قسم کی ہے"۔

دراصل مندرجہ بالا متن ایڈورڈ ای اولیور کی کتاب Across the Border– Pathan and Baloch کے صفحہ ۲۵ سے لیا گیا ہے جس کا صحیح ورژن کچھ یوں ہے:

"سر چارلس میگگر یگر، جو ان کو اچھی طرح سے جانتا تھا، نے ان کی اقدار کی بڑی پزیرائی کی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ وہ سخت جان، اور جنگجو قبیلہ ہے۔ اپنے ہمسائے پٹھانوں کی نسبت ان کے لڑنے کا انداز انوکھا اور زیادہ مہلک ہے۔ بلوچ اپنی سواری سے اترتا ہے، اپنی گھوڑی کو کھونٹی سے باندھتا ہے۔ تلوار اور ڈھال ہاتھ میں لے کر دست بدست لڑائی میں داخل ہوتا ہے جبکہ پٹھان اپنی بندوق کے ساتھ فاصلے سے لڑتا ہے اور اگر ممکن ہوا تو چھپ کر لیکن شاذ ہی اپنے حریف کے قریب جاتا ہے۔ ان کی جرات بے رحم قسم کی ہے لیکن ہم سے مڈبھیڑ میں ان کی یہ خصوصیات کم ہی نظر آئی ہیں پھر بھی وہ ہمارے خلاف اچھا لڑے ہیں اور پٹھان ہم سے اس طرح کبھی بھی نہیں لڑے ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۵

انیسویں صدی میں اس ریجن کے افغانوں کی مخدوش حالت

انیسویں صدی کے عمومی سیاسی منظر نامے میں افغانوں کی جس طرح تصویر پیش کی گئی ہے وہ انتہائی ہیبت ناک ہے۔ مریوں نے تلی، مال اور ہنبی کے لوگوں کو محکوم بنایا، انہوں نے سبی تحصیل میں عبداللہ خیلی اور دیگر بستیوں کو مکمل تباہ کیا۔ اسی طرح مزریوں، مرغزانیوں، دہپال، لونی اور حسنی پٹھانوں کو اپنے آبائی علاقے چھوڑ کر سبی قلعہ، کڑک قصبہ اور بدرا میں پناہ لینے پر مجبور کیا گیا۔ ۱۸۷۸ء کی گرمیوں میں ۱۲۵ گھڑ سوار اور پیادہ مریوں کی فوج کا گلو شہر گاؤں پر پُر تشدد حملے کے نتیجے میں سبی کے حسنی نو دھانی قبیلے کے لوگوں کو اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا۔ تاہم چھ مہینے بعد جب ۱۸۷۹ء برطانوی آئے تو انہوں نے گلو شہر کو پھر سے تعمیر کر کے بحال کیا۔

۵ فروری ۱۸۷۶ء کو لکھے گئے سنڈیمن کی معائنہ رپورٹ (جو انہوں نے اپنے قلات کے پہلے دورے کے اختتام پر حکومت ہند کو ارسال کی) سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بھی اس علاقے سیوی، سنگان اور تھل چٹیالی کے افغانوں کے کسی کردار کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ ۱۰۰ پیرایوں پر مشتمل اس رپورٹ کے آخر میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ درہ بولان اور کچھی خطہ میں امن رکھنے کی ذمہ داری مریوں (نہ افغانیوں اور نہ ہی براہویوں) کو دی جانی چاہیے۔ ڈبلیو۔جی واٹر فیلڈ شملہ سے ۱۱ مئی ۱۸۸۲ء کو لکھے گئے خط میں چیپمین کو لکھتے ہیں:

"افغان (برٹش بلوچستان کے) اس تسلط کو اس لئے زیادہ ناپسند نہیں کرتے کہ اس کی وجہ سے ان کی سڑکیں عوام کے لئے کھلیں اور رہزنی سے محفوظ ہیں اور انہیں اپنے ذاتی دشمنوں کے حملے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سے بچاتی ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے بچاو ہماری طرف سے ان کے لئے اعانت ہے جو یہاں سے عوام کے سفر اور تجارت کو محفوظ بنانے کے بدلے میں ان کو حاصل ہے"۔

یہی وہ اخلاقی اور سیاسی حالت تھی جس نے بے رہبر افغانوں کو انیسویں صدی کے آخر تک ایساڈ بویا کہ وہ بیسویں صدی کے نصف تک بھی اس گھمبیر صورتحال سے نہ نکل سکیں۔

سبی، ہرنائی اور دکی کے علاقوں میں بسنے والے افغانوں کی اس بدبختی کی کئی وجوہات تھیں:

أ. کندھار کے نالائق حکمران ان سے مکمل طور پر دستبردار ہو چکے تھے۔

ب. ان کے پڑوسی بھائی یا تو آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے یا پھر مریوں کی وجہ سے خود مصیبت میں تھے اس لئے ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔

ج. سبی کے پنڑی افغانوں کی طاقتور شاخ حجک سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے ان بھائی بندوں کو بچانے کی بجائے انہی کو تنگ کر رہے تھے۔

د. سبی ہی کے دو باروزئی سربراہ سردار محمد خان اور سربلند خان باروزئی سیوی میں پنڑی افغانوں کی سرداری پر آپس میں لڑ رہے تھے اس لئے اس لڑائی کی وجہ سے وہ تقسیم تھے اور اس مصیبت کے وقت کمزور حالت میں تھے۔

ہ. دوسرے افغانوں کی طرح سبی اور سنگان کے باروزئی حکمرانوں کا وقت بھی اپنے دشمنوں کا سامنا کرنے کی بجائے آپسی لڑائیوں میں گزرتا تھا۔

اوپر بیان کردہ نکات کی وضاحت کیلئے کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ کندھاری حکمرانوں کی طرف سے سبی کے جاگیرداروں کے منصب پر متعین کردہ کوئٹہ اور پشین کے معتبرین کا عمل بذات خود سبی کے افغانوں کے لئے مضر تھا (جیسا کہ کندھار کے حکمرانوں کی جانب سے سبی کے لئے مقرر کردہ گورنر حاجی خان کاکڑ) یا پھر دوسرے نسلی گروہوں کے ان کے انتہائی برے برتاؤ اور ان کے اس احمقانہ عمل کے نتیجے میں سیوی کے افغان تنہا رہ گئے، اپنے ان نااہل

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

حکمرانوں کے اس ناروا عمل کا خمیازہ سیوی کے افغانوں کو آنے والے وقتوں میں بھگتنا پڑا۔ ہیتورام کی "سنڈیمن بلوچستان میں" کے صفحہ ۳ پر ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۸۶۶ء میں امیر کابل کے سبی اور زوارستان کے گورنر سردار محمد سعید خان درانی نے تھینگیانی مری کے سرداروں کو سبی اور زوارستان کے ملکی معاملات طے کرنے کے لئے بلایا اور پھر سنگان میں ان سب کا سر قلم کر دیا۔ سبی کے درانی جاگیرداروں کی اس احمقانہ حرکت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ضلع سبی کے انتظامی امور کو چلانے کی بجائے قتل و غارت میں مصروف رہے۔ محمد سعید خان کوئٹہ میں ۲۲ جنوری ۱۸۷۷ء کو فوت ہوئے۔ وہ پہلی اور دوسری اینگلو افغان جنگوں کے درمیانی عرصے میں تقریباً چالیس سال تک تادمِ مرگ سبی کے جاگیردار رہے۔ ان کے عہد میں ان کی نامعقول حرکات اور بڑی حد تک ان کے حکمرانوں کی، جن کے وہ نمائندے تھے، لالچ اور کوتاہ اندیش پالیسیوں کی وجہ سے سبی میں کافی لاقانونیت رہی۔ جب میں ریوینو بورڈ کا ممبر تھا تو ان کی اولاد میں سے ایک شخص خان عبدالغفور خان درانی ایک مرتبہ میرے دفتر آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ان کے پاس سبی کے حوالے سے افغانستان کے حکمرانوں کے کئی تاریخی مراسلے موجود ہیں۔ یہ اصلی تاریخی مواد اس کام میں دلچسپی لینے والوں کے لئے دستیاب ہونا چاہیے۔

اگر اس نازک موڑ پر برطانوی اس علاقے کو اپنی تحویل میں نہ لیتے تو ممکن تھا کہ سیوی اور اس سے ملحقہ علاقوں کے افغانوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو انیسویں صدی میں کوہلو اور کاہان کے حسنی اور زرکون افغانوں کے ساتھ ہوا اور جو ۱۷۰۲ء اور ۱۸۴۰ء میں ڈھاڈر، بدرا اور کواٹ منڈائی کے باروزئی اور دوسرے افغانوں کے ساتھ ہوا۔

۱۸۶۴ء تک اور اس کے بعد بھی افغان حکمران ڈھاڈر، مستونگ اور کوئٹہ کو دوبارہ اپنی ملکیت میں لینے کی کوششیں کرتے رہے لیکن برطانوی، خانِ قلات کے دربار اور اس سے ملحقہ افغان علاقوں سبی، سنگان، ہرنائی، تھل چٹیالی، کوئٹہ اور پشین میں سیاسی طور پر حاصل اثر و رسوخ اور طاقت کے ذریعے ان کوششوں کی مزاحمت کرتے رہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

لیکن ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۸ء اور خصوصاً ۱۸۷۷ء میں کوئٹہ پر برطانوی قبضے کے بعد ان کا دل جیسے ٹوٹ گیا اور وہ برطانویوں کی بڑھتی ہوئی مخالفت سے خائف ہو گئے۔ ۲۶، ۳۰ جون، ۲۳ اکتوبر ۱۸۷۷ء اور ۲۰ فروری ۱۸۷۸ء کے ذیل میں دیے گئے اطلاع ناموں سے یہ صاف ظاہر ہے:

"اپنے عزیز درانی سرداروں سے ملنے اور سردار میر افضل خان کی سلامی کے بعد سردار عبدالواحد کا چچازاد فیض محمد درانی آج کندھار سے واپس آیا۔ وہ اپنے سفر کی ذیل میں دی گئی تفصیل دیتا ہے:

"کندھار میں داخل ہونے کے چند میل بعد راستے میں اسے سردار میر افضل خان ملا جو پشین جا رہا تھا۔ اس نے اسے اپنے ساتھ واپس پشین جانے کو کہا جو اس نے مان لیا اور کچلاک تک سردار کے ہمراہ گیا"۔

"راستے میں بات چیت کے دوران سردار میر افضل خان نے فیض محمد سے کہا کہ وہ اسے سب بتائے جو کوئٹہ میں ہوا۔ سردار نے کہا کہ وہ کندھار اور پشین اس لئے آیا ہے تاکہ معلوم کر سکیں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے اور پشین کی سرحد کو مضبوط بنانے کے انتظامات کر سکیں۔ اس نے بتایا کہ امیر چاہتے ہیں کہ پشین میں گیریژن کے لئے قلعہ اور کوارٹر بنائے جائیں اور اس تعمیر کے لئے سردار کو بھیجا گیا ہے۔

"سردار اپنے ساتھ کئی کاریگر لایا تھا اور اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے وادی میں کئی مقامات کا دورہ کیا۔ اس نے مجوزہ قلعہ کا نقشہ بھی بنایا۔ لیکن جب لوگوں کو پتہ چلا کہ سردار کس مقصد سے آیا ہے تو انہوں نے احتراز کیا کہ اگر امیر نے یہاں فوجی بھیجے تو وہ وادی کو چھوڑ دیں گے کیونکہ فوجی کسی چیز کی قیمت نہیں چکاتے الٹا انہیں نقصان پہنچائیں گے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کوئٹہ پر برطانوی قبضے کے بارے میں سردار افضل خان نے فیض محمد سے کئی سوالات کئے، وہاں اب کیا حالات ہیں، کتنے برطانوی فوجی ہیں وہاں۔ فیض محمد نے اسے بتایا کہ کوئٹہ میں ۱۲۰۰ سے ۱۵۰۰ تک فوجی اور چار توپیں ہیں۔ میجر سنڈیمن نے اسے بتایا کہ کوئٹہ پر قبضہ کرنے کا ان کا مقصد صرف بلوچستان میں امن قائم کرنا اور درہ بولان سے تجارت کو محفوظ بنانا ہے۔ ساتھ ساتھ اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ خان اور اس کے سردار اس نئے معاہدے کی پاسداری کریں جو حکومتِ برطانیہ کی اجازت سے کیا گیا ہے اور اب وہ اس کو عمل میں لانے اور ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہے۔ اتنا جاننے کے بعد سردار نے فیض محمد سے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ کوئٹہ کے درانی سرداروں نے اپنی زمینیں برطانویوں کو چھاؤنی بنانے کے لئے بیچیں؟ اس سے پہلے کہ فیض محمد کوئی جواب دیتا، سردار وہاں اکھٹے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہوا: کسی بھی شخص کو کوئٹہ پر برطانوی قبضے کا قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا، اگر کسی کو قصوروار ٹھہرایا جا سکتا ہے تو وہ خود امیر ہے۔ اعلیحضرت جانتے تھے کہ ہمارا ملک بلوچستان طوائف الملوکی کی حالت میں ہے، درہ بولان بند ہے، تجارت رکی ہوئی ہے۔ اور یہ کہ سارا وان کے سردار ملا محمد نے کابل کا بذاتِ خود دورہ کیا اور اس ساری صورتحال پر گزارشات پیش کیں اور اس کی عدالت میں دادرسی کا انتظار کرتا رہا لیکن امیر نے کچھ بھی نہیں کیا۔ امیر اور برطانویوں کے مفاد میں یہ ضروری تھا کہ بلوچستان اور درہ بولان میں امن قائم ہو۔ اور یہ بھی کہ درہ بولان کو کھلا اور حملوں سے آزاد رکھنا برطانوی حکومت کا اپنا مفاد تھا۔ برطانویوں کی مدد کے بغیر خانِ قلات ملک میں امن قائم نہیں رکھ سکتا تھا، اس لئے وہ فوجوں کو کوئٹہ میں رکھنے پر راضی ہوا۔ اس صورتحال میں امیر کی کسی بھی طرح کی مداخلت کرنے کی نہ کوئی خواہش ہے اور نہ کوئی کام۔

"پھر سردار نے فیض محمد سے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ کہ درانیوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ قلعہ شالکوٹ ان کی جائیداد ہے میر خدائیداد خان کی نہیں؟ فیض محمد نے جواب میں بتایا کہ جس زمین پر قلعہ تعمیر کیا گیا ہے وہ درانیوں کی ملکیت تھی، خانِ قلات کی نہیں۔ جب اس سے پوچھا گیا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کہ کس شے سے، تو جواب دیا کہ انگریزوں نے ہمیشہ ہر چیز کی قیمت ادا کی ہے۔ اگر انہوں نے قلعہ قبضہ کیا ہوتا تو اس کی قیمت ادا کرتے۔ اس نے سوچا کہ چونکہ زمین واقعی درانیوں کی ہے تو وہ اس زرِ خرید میں اپنے حصے کا مستحق ہے۔ اس جواب پر سردار نے دل کھول کے قہقہہ لگایا"۔

"اس سازش کے افشا ہونے کے بعد سے کندھار کے درانی سرداروں کے بارے میں امیر شکی ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ برطانوی حکومت میں شمولیت نہ کر لیں، اسی لئے وہ انہیں کوئٹہ جانے نہیں دیتے۔ اخوندزادہ (عزیز خان یوسفزئی) کے حوالے سے ہونے والی انکشافات کی وجہ سے امیر نے سردار میر افضل خان کو سرحد اور درانیوں کی برطانوی حکومت سے طرزِ عمل کا جائزہ لینے کے لئے کندھار بھیجا"۔

"کوئی دس دن پہلے سردار میر افضل خان پشین کے نومنتخب گورنر سید پائند شاہ کے ہمراہ کندھار سے نکلا۔ ایک جگہ، جسے چمن کہا جاتا ہے، پہنچ کر سردار نے قیام کیا جبکہ سید نے پشین جا کر پہلے گورنر سے چارج لیا اور پھر واپس سردار کے کیمپ آیا۔

"سید پائند شاہ، وزیر اعظم مرحوم سید نور محمد شاہ کے قریبی رشتہ دار ہیں اور کئی سالوں سے سارا وان کے سردار ملا محمد کے جگری دوست ہیں۔

"جب سردار ملا محمد کو سید کی پشین آمد کا پتہ چلا تو اس نے ایک قاصد بھیجا تاکہ نور محمد شاہ کی موت اور کندھار میں معاملات کے بارے خبریں پتہ کر سکیں۔ وہ یہ بھی پتہ کرنا چاہتا تھا کہ امیر کیا کرنا چاہتے ہیں اور انہوں نے کس مقصد کے لئے میر افضل خان کو ملک کے اس حصے میں بھیجا ہے۔ ان کی اجازت سے ایک خصوصی قاصد کو سردار کی طرف سے سید کے نام خط دے کر بھیجا گیا"۔

"کچھ دن بعد قاصد سردار کے نام سید کا خط لے کر واپس آیا۔ خط میں لکھا تھا:

"آپ کا قاصد صوبا خان یہاں آیا اور آپ کا پیغام مجھے دیا۔ میں امیر کے حکم پر پشین آیا ہوں۔ اعلیحضرت نے مجھ پر مہربانی اور اعتماد کیا ہے۔ جہاں تک صوبا خان کہتا ہے کہ آپ نے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اسے ایک خفیہ ایجنٹ کے طور پر میرے پاس بھیجا ہے تو جواب میں میں یہی کہوں گا کہ آپ اپنے کسی اعتمادی اور ذہین ایجنٹ کو میرے پاس بھیجیں تو میں اس کا اچھا استقبال کروں گا اور اس سے معاملات کے بارے میں جانوں گا۔ میں اس کے ذریعے آپ کو بھی اپنے معاملات کی سچی تفصیلات بھیجوں گا۔ یہاں کے معاملات کے بارے میں بے فکر رہیے اور میری دوستی پر بھروسہ رکھیں"۔

"اس درخواست کے جواب میں سردار ملا محمد نے اپنے برادر نسبتی اللہ داد خان کو سید کے پاس پشین بھیجا تاکہ وہ اسے قلات کے معاملات کے بارے میں صحیح وضاحت دے سکیں"۔

"۲۲ کو اللہ داد خان واپس کوئٹہ آیا اور اس نے کہا کہ سید پائند شاہ سے دوستانہ ماحول میں ملاقات ہوئی اور انہوں نے اس کا عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اس نے کہا کہ جس وقت وہ سید سے ملا اسی وقت وہ میر افضل خان کے کیمپ چمن سے لوٹا تھا۔ سید نے بتایا کہ سید نور محمد شاہ کی موت پر تعزیت کے بعد ہم نے دوستانہ ماحول میں ریاستی امور پر طویل بات چیت کی۔ اللہ داد خان نے سید کو بتایا کہ سردار ملا محمد کی بڑی خواہش تھی کہ کابل میں دوستوں کو پتہ چلے کہ بلوچستان میں موجودہ امن برطانوی حکومت کی مداخلت سے ہی قائم ہوا ہے۔ یہ مداخلت امیر کی مہربانی کے طفیل ہوئی ہے۔ اور یہ کہ سردار خود اس معاملے پر بات کرنے امیر سے ملنے کابل جا چکے ہیں۔ اعلیحضرت بڑے پرتپاک انداز سے ان سے ملے اور انہوں نے برطانوی حکومت سے کہا کہ سرداروں اور خان کے درمیان تصفیہ کرائیں۔ برطانوی حکومت نے امیر کی درخواست پر غور کیا اور پچھلے سال انہوں نے سرداروں اور خان کو مستونگ میں ملنے اور تنازعہ کو حل کرنے کی ہدایت کی۔ پوری تحقیقات کے بعد سب ایک حل پر متفق ہوئے اور سب نے قرآن پر حلف لے کر عہد کیا کہ وہ ان وضع کردہ شرائط کی پاسداری کریں گے۔ لیکن ملک میں کئی سالوں پر محیط خانہ جنگی کی وجہ سے برطانوی فوجوں کی کمک کے بغیر امن قائم کرنا ممکن نہیں تھا۔ سب اس صورتحال سے واقف تھے اس لئے خان اور اس کے سرداروں نے وائسرائے ہند کو درخواست کی (تحریری طور پر بھی) کہ وہ ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے فوج بھیجیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"ایک سوال کے جواب میں اللہ داد خان نے کہا کہ سب یہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کی سردار میر افضل خان پشین یا اس سے ملحقہ علاقے میں چھاؤنی بنانے کی غرض سے آئے ہیں لیکن لوگوں نے جب اس پر سخت اعتراض کیا تو انہوں نے اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اللہ داد خان کے خیال میں امیر فکر مند ہیں اور چاہتے ہیں کی ان کے اہلکاروں کو برطانویوں سے لین دین میں دوستانہ رویہ اپنانا چاہیے۔ سید پائند شاہ نے ان کی اس بات کو اچھی طرح سے سمجھا۔ پائند شاہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس بات کو عملی شکل دے"۔

"کوئٹہ کے محمد اسلم خان بامیزئی کابل میں امیر سے ملنے کے کچھ دن بعد واپس لوٹے اور عید کے دوسرے روز سردار میر افضل خان سے ملے۔ اس نے سردار کو بتایا کہ اس نے امیر کو کوئٹہ پر برطانوی قبضے کے بارے میں اپنے خیالات سے آگاہ کیا۔ برطانوی کوئٹہ کو تباہ کر کے کندھار جیسا بڑا شہر بنانا چاہتے تھے۔ اور یہ کہ اے۔ جی۔ جی سنڈیمن درہ بولان پر ایک تھانہ بھی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تاکہ درہ اور کاکڑ پہاڑیوں کی طرف جانے والی سڑک کو اپنی کمان میں رکھ سکے۔ اس نے کہا کہ اس نے امیر سے یہ سب روکنے کو کہا۔ امیر کے اس جواب نے اسے مطمئن کیا کہ وہ کوئٹہ کے سربراہ ہیں۔ اگر وہ اسے وہاں بھیجے گا تو اس مقصد کے لئے سب لوگ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے لیکن فی الحال اسے ضلع کندھار کے گاؤں صالحان میں بس جانا چاہیے"۔

"امیر نے اپنے بھتیجے غلام محی الدین ولد سردار کوندل خان کو لکھا کہ ان کی خواہش ہے کہ اس سال کسی کو بھی سبی کی آمدن اکھٹی کرنے کے لئے نہ بھیجیں۔ کندھار کے وزیر اعظم اس کے مساوی رقم ان کو ادا کریں گے۔ غلام محی الدین خان نے اس کی اجازت نہیں دی اور امیر کو لکھا کہ سبی کی جاگیر ان کے اباء واجداد کی جائیداد ہیں اگر وہ اس سے اپنی آمدن اکھٹی نہیں کریں گے تو اس طرح ان کی بے عزتی ہو گی۔ جواب میں امیر نے اسے لکھا کہ یہ ان کا کام نہیں ہے کہ وہ اس اقدام کی وجوہات کے بارے میں جانیں۔ وہ وزیر اعظم سے اس کی مساوی رقم لیں جیسا کہ حکم دیا گیا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

او۔ٹی ڈیوک ہرنائی اور تھل چٹیالی کے حوالے سے اپنی رپورٹ کے صفحہ ۷۷ اور ۱۳۰ پر لکھتے ہیں:

"خانِ قلات نے اس مشکل ریجن کو کنٹرول کرنا چھوڑ دیا تھا۔ امیر کابل نے ان ضلعوں کو محصول ادا کرنے والے علاقوں میں بدلنے کی اپنے سرداروں کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں یہ بیان سردار اسد خان رئیسانی کی استناد پر دے رہا ہوں جن کے والد اس وقت کابل میں موجود تھے جب وزیر نور محمد شاہ نے یہ تجاویز امیر کابل کو پیش کیں۔ ۸ جنوری ۱۸۸۲ء کو لکھے ایک خط میں سردار اسد خان (اس نکتے کے حوالے سے میرے خط کے جواب میں) لکھتے ہیں کہ امیر شیر علی خان ژوب اور ہرنائی کے راستے کھولنے کی موزونیت پر راضی ہوئے تھے لیکن انہوں نے نور محمد شاہ کی تجاویز کو ٹال دیا۔ اسد خان کے والد ملا محمد ۱۸۷۰ء اور ۱۸۷۱ء میں کابل میں تھے"۔

"جس وقت دوست محمد خان اقتدار میں آئے تو برطانوی سندھ کو قبضہ کر چکے تھے۔ سندھ کے قریب افغان فوجوں کی نقل و حرکت سے برطانوی حکومت میں تشویش پیدا ہوئی۔ اس کا محرک کندھار حکام کا وہ بظاہر اطمنیان تھا جس میں امیر شیر علی خان نے سنگان، زوار اور سبی میں مریوں کا تخت تاراج ہوتے دیکھا"۔

"اس مرتبہ پنڑی پٹھان کمزور اور ناتواں تھے اور کابل کے سربراہ کے کسی کام کے نہیں تھے، ان سے آنے والی آمدن بھی بہت کم تھی۔ اسے شاید یہ امید بھی نہیں تھی کہ وہ مریوں کے مقبوضہ علاقوں اور ہند کی سرحد کے اس اہم جگہ پر موجود اس طاقتور قبیلے سے مستقبل میں تعاون کی توقع کریں گے اور یہ کہ ان میں دوسرے بلوچ قبیلوں کی نسبت پٹھانوں کو اپنے اندر مدغم کرنے کا جنونی رجحان موجود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دلیل نے امیر شیر علی خان کو بہت متاثر کیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

Brief Biographical Account of the Leading Sardars"

(کلکتہ ۱۸۷۸ء) میں انہوں نے ایک مثال تحریر کی ہے کہ ۱۸۷۷ء کے موسمِ سرما میں امیر افغانستان کے تین مجاز کارندے سرکاری کام سے سبی آئے۔ انہوں نے برطانوی حکام کو کھلی طور پر دعوت دی کہ وہ افغان ضلع کے انتظامی امور میں مداخلت کریں۔ لیکن اے۔ جی۔ جی کے معاونِ اول مسٹر بروس نے انہیں دھتکار دیا اور اس نے انہیں بتایا کہ وہ تب تک ایسا نہیں کر سکتے جب تک برطانوی حکومت اور امیر اس پر راضی نہ ہوں۔

۴ ستمبر ۱۸۷۸ء کو ابھی سر ویلے چیمبرلین کا مشن کابل روانہ نہیں ہوا تھا جب وائسرائے ہند لارڈ لٹن نے ایک اجلاس کی کاروائی میں کہا تھا:

"ہماری قلات پالیسی کے نتیجے میں اب ہم کوئٹہ میں آسانی سے اسی طرح فوجیں رکھ سکتے ہیں جیسے اندرونی ہندوستان میں کہیں بھی ہم نے رکھی ہیں۔ ہمیں براہویوں میں وہ فائدہ مند معاون ڈھونڈنے چاہیے جنہوں نے پہلے ہی امیر کے خلاف ہمارے ساتھ شامل ہونے کی پیشکشیں کر رکھی ہیں "۔

۷۵۔ "اگر امیر کوئٹہ اور بلوچستان میں ہمارے کسی عمل پر بات کرتا ہے تو اسے واضح طور پر بتادو کہ ہم اس ملک کے معاملات میں ان کے کسی حق کو نہیں مانتے۔ اسے بتادینا چاہیے کہ کوئٹہ میں ہماری فوجیں قلات کے حکمران کے ساتھ بیس سال پرانے اس معاہدے کے تحت موجود ہیں جس کی دو سال پہلے تجدید بھی کی گئی۔ خانِ قلات اور اس کے سرداروں کی رضا کے مطابق اس پالیسی کو ملک کی مصالحت اور درہ بولان کی حفاظت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ ہمارے سفیر، امیر کی طرف سے بلوچستان کے معاملات کے حوالے سے اس طرح کے کسی بھی دعوے پر بحث کو فوری طور پر رد کریں"۔

مذکورہ بالا ثبوت کو محض اس بنیاد پر یکسر مسترد نہیں کیا جاسکتا کہ اس کا مآخذ برطانوی ہے۔ اس طرح کے حوالے افغان مصنفین نے بھی دیئے ہیں جن میں غلام محمد غبار (افغانستان در معاصری تاریخ) اور سید قاسم رشتیا (افغانستان در قرن نزدا) شامل ہیں۔ انہوں نے بھی امیر شیر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

علی کے کردار کو اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا ہے کہ وہ ایک چڑھائی کرنے والے دشمن کو نظر انداز کرتے رہے، وہ بیرونی امداد ملنے کی جھوٹی امیدوں میں زندہ رہے، اور اخر میں انہوں نے کابل سے عالمی برادری سے اپیل کرنے کی خاطر مزار شریف کے راستے پیٹسبرگ فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے افغان، علاقوں سبی، تھل چٹیالی، بولان اور کوئٹہ کے (سفارتی اور فوجی سطح پر) قبضہ ہونے پر کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ تو ان سب واقعات کے ہونے پر قائل تھے۔ کچھ مواقعوں پر تو وہ ان لوگوں سے بڑی سختی سے پیش آئے جو اس بیرونی جارحیت کو روکنے کے لئے ان سے مزاحمت کا کہہ رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ کابل کا دفاع تک نہ کر سکے۔ میرے خیال میں امیر شیر علی کی اسی پالیسی کا نتیجہ تھا جس نے سبی کے باروزئی اور ہجک معتبرین، مٹھڑی کے رئیسانی سرداروں اور کوئٹہ کے درانی سرداروں کے افغان حامی رویے کو برطانوی حمایت میں بدل دیا۔ ۱۸۳۰ء میں سردار اسد خان رئیسانی (اول) کندھار گئے اور واپسی پر راستے میں اس کے ساتھ قبضہ گر فوج شال اور مستونگ آئی، ۱۸۷۱ء میں سردار ملا محمد کندھار اور کابل گئے، ۱۸۷۵ء میں ہجک قبیلے کے دو معتبرین (محمد خان اور آزاد خان) کندھار گئے، ۱۸۷۷ء میں سردار محمد خان باروزئی، پھر کوئٹہ کے سردار محمد اسلم خان بامیزئی کندھار گئے، مارچ ۱۸۷۸ء میں سربلند خان باروزئی کندھار گئے اور جنوری ۱۸۷۹ء تک وہاں رہے۔ یہ سب اس وجہ سے دارالخلافہ گئے تاکہ وہ سبی، بولان اور کوئٹہ کے امور کے لئے افغان حکمرانوں کے ساتھ شامل ہو کر ان کی مدد حاصل کر سکیں۔ لیکن افغان حکمرانوں کی بذاتِ خود ملک کے جنوبی حصوں میں دلچسپی کم سے کم ہوتی گئی خصوصاً پہلی اینگلو افغان جنگ سے کچھ پہلے اور اس کے فوراً بعد کے عرصے میں۔ تاہم میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ کندھار کے درانی سردار کیوں افغان مخالف اور انگریزوں کے حامی بن گئے۔ ان میں سے اکثر نے کوئٹہ ہجرت کی۔

جو لوگ سبی، بولان اور کوئٹہ میں برطانوی پیش قدمی کے دوران امیر شیر علی کی حیثیت کی حمایت کرتے ہیں، ان کے پاس اپنی حمایت میں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ جن پر وہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تکیہ کرتے ہیں وہ یا تو ان کی قیاس آرائیاں ہیں اور یا پھر ان کے ضمنی حوالے بہت کمزور ہیں۔ مثال کے طور پر اولف کیرو اپنی کتاب "دی پٹھانز" کے صفحہ ۳۷۴ پر اس حوالے سے کہتے ہیں:

"۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء میں مقبوضہ قلات کے ساتھ مذاکرات اور سنڈیمن کا اپنا انداز تھا۔ ان کے کئے گئے معاہدات کی رو سے کوئٹہ اور اس کے مضافات، اس کی طرف سے آتا ہوا درہ بولان ہمیشہ کے لئے بغیر کرایہ برطانوی حکومت کو پٹے / ٹھیکے پر دیا گیا تاکہ یہ برائے نام قلات کی حاکمیت میں رہے لیکن مقامی رسم کے مطابق کلکتہ کے زیرِ انتظام رہے۔ ایک برطانوی ہندی فوج کوئٹہ کے ایک حصے میں بسائی گئی اور سنڈیمن اس کے پہلے رہائشی بنے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ احمد شاہ کے دور سے قلات اور کوئٹہ پر کابل کی حکومت تھی۔ شیر علی کو اس پر شدید غصہ تھا اور وہ شال تک ہندوستان کی سرحد کے آنے سے خائف تھے۔ اس عمل نے، سیمتان کے فیصلے سے زیادہ، ان کو روسیوں سے پینگیں بڑھانے کے فیصلے کے لئے اکسایا اور اس طرح وہ دوسری افغان جنگ کی وجہ بنے"۔

سید قاسم رشتیا اپنی کتاب "افغانستان در قرن نزدا" صفحہ ۲۲۴ پر درجِ ذیل بیان دیا ہے:

"کابل میں برطانوی نمائندے عطا محمد خان وائسرائے لارڈ لٹن کے بلانے پر ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۶ء کو شملہ پہنچے۔ انہوں نے رپورٹ دی کہ جہاں تک وہ سمجھ چکے ہیں، امیر کو ان باتوں پر غصہ تھا (۱) سیمتان کا فیصلہ (۲) بلوچستان پر چڑھائی اور کوئٹہ پر برطانوی قبضہ (۳) پرنس یعقوب خان سے برطانوی دوستی (۴) میرواخان سے برطانویوں کے براہ راست معاملات (۵) شملہ کانفرنس میں امیر کے نمائندہ کی بے عزتی (۶) ڈپٹی کمشنر کوئٹہ کے پچھلے خط کی نازیبا زبان (۷) انبالہ کانفرنس کے دوران لارڈ میو کی طرف سے (دفاع کے حوالے سے) امیر کے منصوبے کا مسترد ہونا (۸) برطانوی حفاظت پانے کے لئے امیر کو خود غرض گردانا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اولس یار مند وخیل نے اپنی پشتو کتاب "انگریز استعمار او افغانستان" کے صفحہ ۲۲۷ پر سینیگال کی کتاب "India and Afghanistan" سے حوالہ دیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ ترکی کی سفارت خانے کی درخواست کے جواب میں امیر شیر علی نے کوئٹہ پر برطانوی قبضے پر احتجاج کیا تھا۔

اگر ایک لمحے کے لئے مان بھی لیا جائے کہ عطا محمد خان اور اولف کیرو نے برطانویوں سے امیر شیر علی خان کی سخت ناراضگی کی وجوہات صحیح لکھی ہیں پھر بھی یہ اہم تاریخی حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ امیر نے کبھی بھی برطانوی مداخلت یا ریاستِ قلات، سبی، کوئٹہ اور پشین پر قبضے کے خلاف باقاعدہ کوئی احتجاج نہیں کیا اور نہ کبھی وہ ان افغان علاقوں کی حفاظت کے لئے فوجی طاقت کے ساتھ آگے آئے۔ محض افغانستان کی سالمیت میں خلل اندازی کرنے کی شکایتیں کرنا (وہ بھی بالواسطہ)، وہ بحیثیت ریاست کے سربراہ کے کسی بھی حال میں اپنے خطے کی حفاظت کی بنیادی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہیں۔ دراصل انیسویں صدی میں کندھار سے برٹش بلوچستان پر حکومت کرنے والے محمد زئی سردار محب وطن تھے ہی نہیں، بلکہ وہ افغانستان سے زیادہ ایران اور برطانویوں کے حامی رجحانات کا مظاہرہ کرتے تھے۔

سید قاسم رشتیا (صفحہ ۱۴۴، ۱۴۵) ۱۸۵۵ء کے ایک معاہدے کا حوالہ دیتے ہیں جو افغانستان کے شہزادہ غلام حیدر خان اور سر جون لارنس کے مابین جمرود پشاور میں ہوا تھا۔ اس معاہدے سے ایسا لگتا ہے کہ امیر دوست محمد خان مستقبل میں سبی اور کوئٹہ پر کسی بھی برطانوی قبضے کے لئے راضی تھے۔ اس طرح کرنے سے وہ کندھار حاصل کرنا چاہتے تھے جو اس وقت سرداروں کے زیرِ تسلط تھا۔ درحقیقت سبی، کوئٹہ اور پشین کو کھونے کی کہانی اس وقت کے افغانستان کے محمد زئی امیروں اور ان کے اقرباء کی قومی ذمہ داری سے دستبرداری کا عمل افشاں کرتی ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آج کے افغان سیاستدانوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ برائے مہربانی افغانستان کے محمد زئی طرز کے حکمرانوں کی تاریخی فریب کا شکار نہ ہوں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جنہوں نے احمد شاہ ابدالی کے بعد شمالی علاقوں کو اپنی تحویل میں رکھنے کے سودا میں مادرِ وطن کے جنوبی حصے کو اپنے سے الگ کر دیا۔ اس عمل میں وہ ایک ایسے کٹے ہوئے افغانستان پر حکمرانی کرتے رہیں جس کی مادر وطن کا اہم حصہ اصل میں ڈیورنڈ لائن کے اس پار ہماری طرف رہ گیا۔ جہاں تک افغان عوام کا تعلق ہیں تو وہ سب کچھ تھے لیکن بزدل تھے ۔ اپر سندھ سرحد کے پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ میجر جون جیکب اپنی ۲۲ ستمبر ۱۸۵۴ء کی رپورٹ میں کہتے ہیں:

"ٹخک افغان قبیلہ ہے اس کے لوگ ضلع سبی کے ٹخک قصبہ اور اس سے ملحقہ علاقوں میں رہتے ہیں۔ یہ دونوں قبیلے آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ دونوں پر مری اکثر حملہ کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کے مویشی چُرانے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ سبی کے یہ قبیلے افراد کے لحاظ سے مضبوط ہیں اور ان کو ہستانوں کے حملوں سے موثر طریقے سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں"۔

یہی سندھ کے کمشنر سر میریویدر کی بھی رائے تھی۔ اس نے ستمبر ۱۸۷۶ء میں لکھا:

"ڈومکی کے علاوہ پٹھان قبائل باروزئی اور ٹخک ضلع سبی پر قابض ہیں اور امیر کابل کے تابع ہیں۔ یہ دونوں ہمیشہ آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں اور مریوں سے مسلسل لڑتے ہیں جو سبی پر دھاوا بولنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ سبی والے بڑی بہادری سے ان کا سامنا کرتے ہیں اور اپنی حفاظت جانتے ہیں"۔

بہر حال میرے خیال میں برٹش بلوچستان کے لوگوں نے وقت کی جو ستم ظریفی اُس وقت دیکھی، مستقبل قریب میں اس سے بدتر وقت ان پر نہیں آئے گا۔ روس کے انخلا اور طالبان کے مراکز پر امریکی اور برطانوی بمباری (اکتوبر ۲۰۰۱ء) کے بعد ایک متفقہ حکومتی نظام بنانے میں افغانستان کی سیاسی اور دانشورانہ ناکامی ایک اور ایسی حقیقت ہے جس کے نتیجے میں ان کو اپنی کوتاہ اندیش پالیسیوں کا جائزہ لینے پر زور دینا چاہیے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۶

خوانینِ قلات کی بادشاہِ افغانستان کی تاریخی ماتحتی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خوانینِ قلات تقریباً ہمیشہ سے اور ۱۷۰۷ء سے بادشاہتِ افغانستان کی ماتحتی میں رہے ہیں۔ پھر کیسے اور کب حکومتِ افغانستان نے اس براہوی اتحاد پر سے اپنی سیاسی گرفت کھو دی اور وہ اس قابل ہوئے کہ وہ اپنے اس صدیوں پرانے حاکم کے خلاف غیر ملکی طاقتوں سے جا ملے؟ ۵ محرم ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) کو خانِ قلات کے ایک اہلکار (شاغاسی ولی محمد) نے برطانوی افسروں کو بیان دیا کہ خانِ قلات کی ریاست کا افغانستان سے علیحدگی کا عمل سدوزیوں کی حکومت کے خاتمے اور محمدزیوں کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں شروع ہوا۔ یہ ۱۸۰۰ء کا اوائل ہے۔ یہ بیان ایک خط میں "قلات افیئرز" (بلوچستان نمبر ا) کے صفحات ۱۹۸ سے ۲۰۳ پر موجود ہے۔ یہ خط ۹ مارچ ۱۸۷۲ء کو سردار ملا محمد رئیسانی، وڈیرہ شادی خان بنگلزئی، جندو خان شاہوانی، اللہ ڈینہ کرد اور سمندر خان لہڑی کے خط کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ ان تمام چھ سرداروں نے تسلیم کیا ہے کہ خوانینِ قلات کی تعیناتی اور برطرفی افغانستان کے بادشاہ کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

"جب بھی ہمارا کوئی حکمران ہمیں ستاتا یا ہمارا صلح مشورہ نہ مانتا تو ہم احمد شاہ کو شکایت کیا کرتے تھے اور وہ پھر دونوں فریقوں سے تفتیش کرتے تھے۔ اگر ثابت ہو جاتا کہ حکمران نے غلط کیا ہے اور اس نے ہمارے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے تو وہ فوراً برطرف ہو جاتا اور اس کی جگہ نیا حکمران تعینات ہو جاتا تھا۔ ہم سرداروں نے ایک بار اتفاقِ رائے سے میر احمد کو خانِ قلات منتخب کیا لیکن ہماری مرضی کے خلاف جانے پر احمد شاہی (کندھار کے حکمران) نے ہماری شکایت پر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انہیں معزول کر دیا اور میر عبد اللہ خان محمد زئی کو ان کی جگہ تعینات کیا۔ جب وہ بقضائے الٰہی سے انتقال کر گئے تو ہم نے ایک دوسرے کے مشورے سے محبت خان کو اپنا حکمران بنایا۔ وہ ایک نہایت سخت اور خود پسند حاکم ثابت ہوا، اس لئے اسے یہ عہدہ خالی کرنا پڑا اور پھر ہمارے عظیم نصیر خان اس عہدے پر تعینات ہوئے۔ ہم نے ان کا اختیار قبول کیا اور ہماری صلاح سے ہی وہ حکمران بنا۔ اس کے بعد ان کا بیٹا میر محمود خان ان کا جانشین بنا۔ محمود خان کی موت کے بعد ہم نے محراب خان کو اپنا خان چُنا، اُس نے سردار مہراللہ رئیسانی اور کچھ دیگر سرداروں کو ذبح کیا۔ اس پر سردار اسد خان اور محمود خان شاہوانی کندھار گئے، وہاں انہوں نے احمد شاہی کے سامنے اپنی شکایت رکھی۔ محراب خان نے اپنی والدہ صاحیتی بی بی کو کندھار بھیجا تاکہ وہ ان کے اور سرداروں کے درمیان مصالحت کرائے۔ میر محراب خان نے برطانویوں سے جنگ کی جنہوں نے پھر خانیت شاہ نواز خان کو دی۔ مسٹر رُوس (بیل) نے سردار آزاد خان اور دیگر سرداروں کو بلایا کہ وہ اسے اپنا حاکم تسلیم کریں۔ ہم سب نے جواب دیا کہ نصیر خان ہی ہمارے حکمران تھے اور وہ ہماری خواہشات کے مطابق تھے۔ پھر ہم نے، مسٹر بیل کی مرضی کے ساتھ، نصیر خان کو ایک سوار بھیجا۔ اس سے پہلے کہ وہ پہنچتے انگریز (روس بیل) نے سیلکوٹے (کوئٹہ) میں آخری سانس لی۔ میجر اوترام اُن کا جانشین بنا وہ ہمارے ساتھ قلات آیا جہاں نصیر خان بحیثیت خان اعلان ہوئے۔ وہ بھی فوت ہو گئے۔ اب میر خداداد خان ہمارے حکمران ہیں اور وہ ہم پر جو مہربانیاں کرتے ہیں وہ برطانویوں سے چھپی ہوئی نہیں ہیں"۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ براہوی خان اور براہوی سرداروں کی لڑائی اس بات پر شروع ہوئی کہ خان نے جھالاوان کے سردار تاج محمد کی بیٹی کو طلاق دی اور پھر فوراً اسی سردار کی بہن سے شادی کی۔ سردار نے اس عمل کو اخلاقی طور پر غلط قرار دیا۔ پہلے سے بگڑے ہوئے حالات اس وقت بدتر ہو گئے جب خان نے سردار تاج محمد کو جیل میں ڈال دیا اور سردار ملا محمد رئیسانی کو بھی گرفتار کرنے کی کوشش کی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ائے بہادر ہتورام اپنی "تاریخِ بلوچستان" کے صفحہ ۵۶ے پر لکھتے ہیں کہ احمد شاہ ابدالی کو بلوچستان پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ یہاں تک کہ وہ کسی بھی خانِ قلات کو تعینات، برطرف اور معزول کر سکتے تھے۔

مہناز اصفہانی اپنی کتاب "Roads & Rivals" (کارنل یونیورسٹی پریس لندن) کے صفحہ ۳۶ پر اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں:

"تاہم نصیر خان کبھی بھی مکمل طور پر بااختیار نہیں رہا۔ مختلف اوقات میں انہوں نے کبھی ایران کے نادر شاہ کی اطاعت کی اور کبھی وہ احمد شاہ درانی کو اپنے فرمانرواں کے طور پر تسلیم کرتا رہا"۔

جی۔ پی۔ ٹیٹ کی تصنیف "Memoire on Kalat" (۱۸۹۶ء) کے صفحہ ۴۵ پر ہمیں درجِ ذیل پیرایہ ملتا ہے:

"بی بی زینت (زینب) مرحوم میر مصطفٰی کے بیٹے سرفراز خان، احمد یار خان کے ہمراہ دو لاکھ روپیہ لے کر شاہ کے دربار کے لئے کندھار روانہ ہوئی۔ شاہ نے خان کو فرمان جاری کیا کہ وہ ساراباں (ساراوان) اور جھالاباں (جھالاوان) اور دوسرے بلوچ قبائل پر مشتمل فوج تیار کر کے کچھی پہنچ جائیں اور اپنے آپ کو تیار رکھیں جب تک شاہ سندھ کی مہم پر پہنچ نہیں جاتا۔ جب خان نے سنا کہ بی بی زینت مرحوم میر مصطفٰی کے بیٹوں کے ساتھ کندھار روانہ ہوئی ہے تو اس نے اپنے بیٹے میر محراب کو، جو اس وقت محض ایک بچہ تھا، اپنے مفادات اور معاملات کی حل کے لئے شاہ کی دربار کے انچارج اخوند کے پاس کندھار بھیجا۔ ملا عبدالرحمٰن بھی ان کے ساتھ تھے۔ شاہ کے درباریوں کو رشوت دینے کے باوجود دربار میں بی بی زینت کے حواری ناکام ہوئے اور میر محراب خان کا مشن کامیاب ہوا اور خان کے معاملات خوش اسلوبی سے بحال ہوئے اور اس کے بعد اخوند بھی شاہ کے ہمراہ کچھی روانہ ہوئے جہاں خانِ قلات پہلے سے فوج کے ساتھ موجود تھے۔ خانِ قلات، ان کا بیٹا محراب خان، اخوند اور وہاں جمع ساراباں اور جھالاباں کے سردار سب شاہ کے ہمراہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ڈیرہ جات اور ملتان روانہ ہوئے۔ اور جب کاروائی ختم ہوئی تو شاہ نے عزت و احترام کے ساتھ خان اور ان کے سرداروں کو رخصت کیا"۔

اسی ذریعے کے مطابق ۱۸۱۶ء میں کندھار کے ایک نامور محمد زئی سردار وزیر فتح خان کی ہدایت پر اخوند کے بڑے بیٹے میر مبارک کے قتل کا بدلہ لینے گنجبہ آئے۔ وہ قتل کا تصفیہ ہونے اور محراب خان کی طرف سے ۹۰۰۰ روپیہ ملنے کے معاہدے کے بعد کندھار واپس آئے۔

میجر راورٹی اپنی تصنیف "Notes on Afghanistan and Balochistan" کے صفحہ ۶۳۸ پر لکھتے ہیں:

"جب سدوزئی خاندان کے کسی بھی فرد کا افغان ریاست میں ذرا سا بھی اختیار ہوتا تو اگرچہ سیوی اور اس کے اضلاع ان کی رحم و کرم پر ہوتے لیکن قلات۔ نیچارہ کے براہوی سردار ان کی فرماں روائی کرتے"۔

بلوچستان ایجنسی کی ۱۸۸۶ء کی سالانہ انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۶۵ پر مزید ثبوت موجود ہیں:

"خان کی دربار سے میجر ہریسن کی انخلا کے بعد خان نے مدد کے لئے امیر کابل سے مسلسل درخواست کی اور اس کے بدلے افغان حکومت کی ماتحتی کی پیشکش کی۔ بعد میں میجر سنڈیمن کو بتایا گیا کہ امیر نے خانِ قلات کے پاس اپنا خصوصی قاصد بھیجا ہے۔ جواب میں خان مصطفی فقیر محمد کو کابل بھیج رہے تھے۔ اس پر سر رابرٹ نے خان کو یاد دلایا کہ برطانوی حکومت کی مرضی کے خلاف مصطفی کو کابل بھیجنا ۱۸۵۴ء کے معاہدے کی شق ۳ کے خلاف ہے۔ اس پر خان معاملے کو برطانوی حکومت کو بھیجنے پر راضی ہوئے۔ ایسا ہونے کے بعد رابرٹ سنڈیمن کو کو ہدایت کی گئی کہ وہ کابل اور قلات کے حکمرانوں کے درمیان اس نوعیت کے رابطوں کو نہ ہونے دیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ایچی سن معاہدات (Aitchison Treaties) کی جلد گیارہ کے صفحہ ۳۵۰ اور ۳۵۱ پر ۲۸ مارچ ۱۸۳۹ء اور ۱۶ اکتوبر ۱۸۴۱ء کو برطانوی حکومت اور دو خوانینِ قلات، میر محراب خان اور نصیر خان دویم، کے درمیان ہونے والے دونوں معاہدے موجود ہیں۔ ان دستاویزات کے مطابق قلات کے دونوں خوانین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ اور ان کے اباءواجداد بھی ہمیشہ سے افغانستان کے سدوزئی حکمرانوں کے شاہی گھرانے کے مطیع رہے ہیں۔ اور دوسرے واقعے میں "میر نصیر خان خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اور ان کی اولاد کابل کے بادشاہوں کے رعیت میں رہے ہیں"۔ اے۔ڈبلیو ہیوز (۱۸۷۷ء) نے اپنی کتاب "The Country of Balochistan" میں صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷ اور ۲۱۸ پر اسی بات کی تصدیق کی ہے۔

عنایت اللہ بلوچ اپنی کتاب "The Problem of Greater Balochistan" میں صفحہ ۱۲۹ اور ۱۳۰ پر "Kalat & the First Afgan War" کے عنوان تلے جان بوجھ کر اوپر بیان کردہ تاریخی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے الٹا یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خوانینِ قلات نے افغانستان کے بادشاہ کی رعیت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

قلات کے خان اور افغانستان کے درمیان پائی جانے والی کشیدگی کو اُن عیار برطانویوں نے اپنے فائدے کے لئے استعمال کیا جو اپریل ۱۸۴۲ء میں پہلی اینگلو افغان جنگ میں کابل میں اپنی فوج کی المناک شکست کے نتائج کی تکلیف سے گزر رہے تھے۔ اس کا ذکر ایچی سنز معاہدات کی گیارویں جلد کے صفحہ ۳۲۷ پر درجِ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے:

"شاہ نواز خان کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد محراب خان کے بیٹے حسین خان، جس نے نصیر خان کا نام اختیار کیا تھا، کی قیادت میں انقلاب برپا ہوا۔ شاہ نواز خان معزول ہوا، قلات کے لئے برطانوی نمائندہ قتل ہوا اور نصیر خان اور برطانوی حکومت کے درمیان کھلی جنگ شروع ہوئی۔ ملک کو استراحت میں رکھنے کے واحد حل کے طور پر اور بدقسمت نصیر خان کی یاد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے ساتھ تاخیر سے انصاف کرتے ہوئے برطانوی حکومت نے اپنی پالیسی تبدیل کی۔ انہوں نے نصیر خان کے اقتدار کو قائم کیا، کابل سے ملحقہ اضلاع بحال کر کے اس کی تحویل میں دیئے۔ اس کے ساتھ ۱۸۴۱ء میں ایک معاہدہ (نمبر ۱۱) کیا گیا اس معاہدے کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس کی رو سے قلات کو کابل کی تابعیت میں تسلیم کیا گیا تھا۔ ۱۸۴۲ء میں کابل سے برطانوی فوج کے انخلا کے بعد یہ معاہدہ منسوخ ٹھہرا"۔

مذکورہ حقائق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ کابل میں شکست کے بعد برطانوی ہندی حکمرانوں نے خان کو افغانستان کے ماتحت تسلیم کرنے کی پہلی پالیسی ترک کر دی اور اپنی تمام توانیاں افغان قوم کے خلاف برطانوی براہوی اتحاد تشکیل دینے میں لگائیں۔ پہلی اور دوسری اینگلو افغان جنگ کے درمیان پورے ۴۰ سالہ عرصہ کے دوران وہ سفارتی اور فوجی سطح پر اس مقصد کو پانے کی تگ ودو کرتے رہے۔ آخرکار سنڈیمن اور خانِ قلات اور ان کے براہوی سرداروں کے مابین دستخط ہونے والے معاہدہِ مستونگ کے ذریعے وہ اس مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح دوسری اینگلو افغان جنگ ۱۸۷۸ء کے دوران ان دو فریقوں کے مابین باقاعدہ تعاون کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ ان سالوں کے دوران افغان حکمران آپس کی جنگوں میں مصروف رہے اور انہوں نے ان برطانوی سفارتی کوششوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا۔

انڈیا کی برطانوی حکومت کی طرف سے بلوچستان کے گورنر جنرل کے پہلے ایجنٹ کی تعیناتی (۲۱ فروری ۱۸۷۶ء) کے بعد خانِ قلات کی بادشاہِ افغانستان کی ماتحتی کی حیثیت میں تبدیلی کسی بہتری کی خاطر نہیں کی گئی بلکہ انہیں اس کی جگہ وائسرائے ہند کے ماتحت کر دیا گیا۔ درحقیقت ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء تک خان کے علاقے کو ریاست کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اسی تاریخ کو سیکرٹریِ خارجہ سر اولف کیرو نے اس وقت کے بلوچستان کے اے۔جی۔جی اوبرے میٹکیلف کے نام خط میں لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"میرے خیال میں خانِ قلات کو ان دیگر اول درجہ کے ہندی ریاستوں کے حکمرانوں سے حکومت کے زیادہ انتظامی تعاون کی ضرورت ہے کیونکہ ان کی کوئی منظم پولیس اور مسلح افواج نہیں ہیں۔ ابھی تھوڑے عرصے پہلے تک ان کا وزیر حکومت کا ملازم تھا اس لئے وہاں کوئی فوج نہیں رکھی گئی۔ اس صورتحال میں خان کی خاران اور لسبیلہ پر بالادستی بہت واجبی سی ہے (ان کے سردار اس سے انکاری ہیں)۔ اصولی طور پر لسبیلہ کے جام اور خاران کے سردار قلات کی ریاست کے رکن ہونے چاہیے۔ لیکن عملاً وہ برائے نام آزاد ہیں۔ اس لئے ایسا لگ رہا ہے کہ خان کی طرف سے ان پر اپنا تسلط رکھنے کی کسی بھی کوشش کے نتیجے میں ریاستوں کے درمیان جنگ چھڑ سکتی ہے۔ تاہم اب تک ایسی کوئی مشکل صورتحال پیش نہیں آئی۔ ترمیمی آئین کے جاری ہونے کے بعد یہ جہاں پناہ کو اختیار ہو گا کہ وہ قلات کو، خاران یا لسبیلہ اس میں شامل کئے بغیر، ریاست کے طور پر تسلیم کریں"۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی میں ریاستِ قلات اور بعد میں "برٹش بلوچستان" کہلائے جانے والے علاقوں پر بادشاہتِ افغانستان کی حاکمیت ختم کی گئی۔ یہ سب سالوں پر محیط برطانویوں کی سفارتی اور فوجی عملیات کے نتیجے میں ہوا۔ افغان حکمرانوں کی براہوی سرداروں اور خانِ قلات کے درمیان اختلافات کو دور نہ کرنے (اور برطانویوں کو ایسا کرنے دینے) کی نااہلی ان عوامل میں سب سے بڑی تھی جو اس علیحدگی کی وجہ بنی۔ ان کی یہ نااہلی ان کے آپسی جھگڑوں اور کردار کی کمزوری کی وجہ سے تھی۔ ان میں اور کوئی ایسی خوبی نہیں تھی کہ وہ تخت نشین ہوں سوائے اس کے کہ وہ ایک وقت کے بادشاہ کی ملکہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ میرویس اور احمد شاہ ابدالی اس لئے کچھ بہتر حکمرانی کر سکیں کہ وہ کسی بادشاہ اور ملکہ کے بیٹوں کے طور پر نہیں چنے گئے تھے۔ بہتر خوبیوں اور دور اندیشی کی بنیاد پر چنے گئے حکمرانوں نے موروثی بادشاہوں (جو افغانوں میں عام طور پر ہوتے ہیں) کی نسبت کئی گنا بہتر کام کیا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۷

قدرتی آفات

انیسویں صدی کے آغاز کے سالوں میں قحط، ہیضہ، طاعون اور چیچک جیسی قدرتی آفات نے کوئٹہ اور سبی کے لوگوں کی زندگی اجیرن کر دی تھی۔ ان آفات کے نتیجے میں اذیتیں اتنی شدید تھیں کہ نصف صدی بعد بھی، جب ہم لڑکے تھے، ہم سے پہلے کی نسل کے مرد اور عورتیں اس قدیم وقت کی اذیتناک امراض اور اموات کا ذکر کرتے ہوئے کپکپی کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس وقت کے ان غمگین واقعات کو اتنی تاریخی اہمیت حاصل ہوئی کہ لوگ روزمرہ کے واقعات کی تاریخوں کو ان آفات کی تاریخوں کے حوالے سے یاد کرتے تھے۔

بوڑھے لوگ اکثر ماضی کے کسی واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے ایسا کہتے تھے کہ 'یہ اس وقت ہوا جب ایک ٹوپہ گندم دو روپے میں فروخت ہوتی تھی' ٹوپہ لکڑی سے بنی ہوتی تھی اور جب اس کو گندم سے بھر دیا جاتا تھا تو دو کلو گندم بنتی تھی۔ اس وقت گندم کی ایک تھیلی میں ڈھائی من گندم ہوتی تھی جس کی قیمت ان دنوں پچیس روپے بنتی تھی اور یہ بہت مہنگا مانا جاتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پھر کئی سالوں بعد اسی طرح کے ایک تھیلے کی قیمت بائیس روپے ہوا کرتی تھی۔ آج کل اتنا ہی تھیلا آٹھ سو روپے میں ملتا ہے جو کہ کئی گنا زیادہ مہنگا ہے۔ اس وقت کے اے۔ جی۔ جی جناب ایچ۔ ایس بارنیس نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے:

"پچھلے سال (۱۸۹۸اور ۱۸۹۹ء) کی خاص بات ناکافی بارشوں کی وجہ سے مکران کے ساحل اور لسبیلہ سے گومل کی دریا تک قلت کی تھی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"لیکن ،ایجنسی بننے کے بعد سے، پہلے کبھی بھی بلوچستان کے عوام قحط کے اتنے قریب نہیں ہوئے ہیں جتنے پچھلے بارہ مہینوں میں ہوئے ہیں۔ پچھلے تین سالوں سے پوری ایجنسی میں معمول کی بارشیں نہیں ہوئیں"۔

"اس لئے ہر جگہ یہ قلت قحط کی طرف بڑھ رہی ہے سوائے ضلع سبی کے چند دیہاتوں کے جہاں بلامعاوضہ مدد ضروری تھی، اور ان مری اور بگٹی کے ان علاقوں کے جہاں اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے سرداروں کے ذریعے گندم تقسیم کی گئیں"۔

۱۸۸۰ء کے موسمِ سرما میں کندھار کی کی طرف سے آنے والی چیچک کی مہلک وباء پشین، کوئٹہ اور سبی کے اضلاع میں پھیل گئی۔ ۱۸۸۵ء کے موسمِ سرما میں اس صوبہ کے کچھ اضلاع میں پھر ہیضہ پیدا ہوا۔ اس سے پہلے جولائی ۱۸۸۵ء میں کندھار میں ہیضے کی ایسی شدید وباء پھوٹی کہ پریشانی میں لوگ کندھار سے نقلِ مکانی پر مجبور ہوئے۔ اگست ۱۸۸۵ء میں یہ وباء ہرات اور کابل تک پھیل گئی۔

"سال کے دوران ضلع میں ہیضہ آیا۔ ہیضے کی یہ وباء جون ۱۸۹۲ء میں پہلے سبی میں پھوٹی، ضروری پیش بندی کے باوجود یہ پورے ضلعے میں پھیل گئی۔ ۱۹۰ افراد اس کا شکار ہوئے جن میں سے ۱۲۴ فوت ہوگئے اور ۶۶ بچا لئے گئے۔ ضمیمہ (پ) میں ہیضہ پھیلنے والے علاقوں اور اس سے ہونے والی اموات کی تفصیل موجود ہے۔

علاقوں اور اموات کی فہرست

سبی	۲۱
کڑک	۴

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مال	۲
گولی	۲
حجک	۱
دہپال	۳۳
بوستان	۴
چاندیہ	۳
ہمبی	۱
شاہرگ	۳۱
دکی	۱۰
سنجاوی	۶
ٹوٹل	۱۲۴

(Admin Report of Balochistan Agency ۱۸۹۲-۹۳)

جولائی ۱۹۰۰ میں ہرنائی کے گاؤں پیر شاہ اور چھپ میں چیچک کی بیماری موجود تھی جبکہ تحصیل سبی کے حجک علاقے میں خسرے کی وباء پھوٹی۔

بلوچستان ایجنسی کے سالانہ انتظامی رپورٹ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۱ء میں درجِ ذیل حقائق ریکارڈ کئے گئے ہیں:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"جون ۱۹۰۰ء میں ضلع ژوب میں ہیضہ کی وباء پھوٹی، یہ وباء پھر جولائی اور اگست ۱۹۰۰ء میں تھل چٹیالی میں پھیلی اور ستمبر ۱۹۰۰ء میں سبی پہنچی"۔

اس کے نتیجے میں دکی میں کل ۱۳۲ افراد لقمہء اجل بن گئے جبکہ سبی اور مضافات میں ۳۲ افراد ہیضہ کی وجہ سے مارے گئے۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء تک بلوچستان ڈائری میں سبی میں ہیضے کے کسی حادثے کا ذکر نہیں ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۰ء کے آخر تک شہر اور اس کے ساتھ کندھار سے بھی اس وباء کا خاتمہ ہوا۔ اپریل ۱۹۰۱ء میں پورے سبی تحصیل میں طوفانی ہواؤں نے فصلوں کو نقصان پہنچایا۔ اس المیہ کے ساتھ ساتھ مئی ۱۹۰۱ء میں ٹڈیوں نے فصلوں پر دور دور تک حملے کئے۔ ان واقعات کا ذکر بلوچستان ایجنسی کی ڈائری مئی، جون ۱۹۰۱ء اور جولائی ۱۹۰۲ء میں کیا گیا ہے۔

أ. "یہ آفت پچھلے کئی سالوں میں ہونے والے واقعات کی نسبت زیادہ ہمہ گیر اور پھیلا ہوا ہے۔ ان کی تعداد ابھی تک بڑھتی جارہی ہے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سبی نے رپورٹ دی ہے کہ ان ٹڈیوں کے خاتمے کے لئے ہر قسم کی کوشش کی جارہی ہے۔ اب ان کے پر نکال آئے ہیں اور وہ ضلع سے نکل رہے ہیں۔ بخرا، کوہِ مچی اور تلی کے علاقے ان ٹڈیوں سے پاک ہو چکے ہیں"۔

ب. "تحصیل سبی کے علاقے حجک میں ۳۰ بھیڑیں اور ۲ گائے ژالہ باری کی وجہ سے مارے گئے ہیں"۔

اس صدی کا آغاز سبی۔ کوئٹہ ریجن کے لئے کئی برے سال لے کے آیا۔ یہ ریجن یکے بعد دیگرے ہیضہ، ٹڈیوں، طوفانی ہواوں، ژالہ باری، خشک سالی اور چیچک جیسی آفتوں کے نرغے میں رہا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۰۹ءاور ۱۹۱۰ء کے بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹ (صفحہ ۵۳، ۵۴) میں مندرجہ ذیل تفصیلات بیان کی گئی ہیں:

"۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء کی صبح ۵:۱۲ بجے زلزلے کا ایک شدید جھٹکا آیا جو کوئٹہ سے جیکب آباد تک پورے ملک میں محسوس ہوا۔ لگتا ہے کہ اس کی شدت ۴۰ میل کے اطراف میں شمال مغربی ریلوے کے علاقے، جو سبی اور جیکب آباد کو ملاتا ہے، تک محدود رہی ہے۔ یہ علاقہ خشک اور بنجر صحرا 'پٹ' پر مشتمل ہے۔ سبی ایجنسی میں واقع بیل پٹ اور شاہ پور اور قلات ایجنسی کا بھاگ علاقہ پوری طرح سے تباہ ہوا ہے جبکہ دیگر قصبوں اور دیہاتوں میں کافی نقصانات ہوئے ہیں۔ بیل پٹ کے دورے پر گئے ہوئے ای۔اے۔سی نصیر آباد آر۔بی اُتم مارے گئے ہیں۔ خوش قسمتی سے اے۔پی۔اے سبی میجر اے۔ایل جیکب بیل پٹ کے اس سانحے کے وقت سبی میں تھے، وہ کچھ آدمی اکھٹے کر کے خصوصی ٹرین سے موقع پر پہنچے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۹ء کی صبح تمام مردوں اور زخمیوں کو نکالا گیا"۔

"ای۔اے۔سی دیوان گنپت رائے، جو ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء کی رات بیل پٹ پہنچے تھے، کو میجر جیکب نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۹ء کی صبح اسسٹنٹ سرجن کے ہمراہ بھاگ روانہ کیا جبکہ نصیر آباد کے تحصیلدار کو اسی شام شاہ پور بھیجا گیا۔ بھاگ کے لوگوں نے پہلے ہی ملبوں سے زخمیوں اور مردوں کو نکال لیا تھا۔ زخمیوں کا علاج مقامی حکیم کر رہے تھے"۔

"شاہ پور میں ۴۰۰ گھروں پر مشتمل پورا قصبہ زمین بوس ہو چکا تھا۔ ۱۰۲ افراد زخمی اور جاں بحق ہو چکے تھے۔ بے شمار مویشی اور بھیڑیں غائب ہو چکے تھے۔ شاہ پور قریباً ۱۱۰۰ نفوس پر مشتمل تھا جن میں سے آدھے ہندو تھے۔ ہندو شاہ پور میں کئی نسلوں سے آباد تھے اور اس علاقے میں معزز سید خاندان کی وجہ سے قائم امنیت سے محظوظ ہو رہے تھے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۸

برٹش بلوچستان کے برطانوی حکمرانوں کے رویے کے خلاف افغانستان ہجرت اور واپسی

اس دور میں برٹش بلوچستان کے براہوی، بلوچ اور افغان باشندوں میں اپنے آبائی گھر چھوڑ کر افغانستان ہجرت کرنے کا رجحان بڑھ گیا تھا۔ اُن دنوں ان علاقوں کے معتبرین غیر ملکی قبضے کے بعد انتظامی اور قانونی سطح پر زبردستی لائی جانے والی تبدیلیوں اور زندگی کی ان نئی حقیقتوں کے ساتھ اپنے آپ کو موافق نہیں کر پا رہے تھے۔ دوسرا اس وقت مختلف مذہبی تحریکوں نے بھی جنم لے لیا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ ایک کافر سرزمین سے افغانستان ہجرت کر رہے ہیں جو ایک اسلامی ملک ہے۔ اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ برٹش بلوچستان کے ملاوں نے بھی انگریزوں کے خلاف لوگوں کے جذبات ابھارنے میں کردار ادا کیا تھا۔ دسمبر ۱۸۹۹ء میں برشور کے ایک ترغری کاکڑ (افغان) ملا نے مینگل براہویوں کو کوئٹہ کے قریب مُری شراب خانے (Murry Brewery) پر حملے کے لئے اُکسایا تھا۔ اس حملے کے بعد وہ ملا اور اس کے مینگل شاگرد ناصر سمالانی اور مہر دل سمالانی کی قیادت میں کندھار روپوش ہو گئے۔ اس دور کی تاریخی دستاویزات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس وقت کے اے۔ جی۔ جی اور مختلف ضلعوں میں متعین اس کے پولیٹیکل ایجنٹوں نے اپنی رودادوں میں اس طرح کے واقعات کو بہت کم بیان کیا ہے۔ جبکہ کندھار میں برطانوی خبر نگار نے برٹش بلوچستان سے افغانستان ہجرت کرنے والوں کی صحیح تعداد لکھی ہے۔ ۱۸۹۸ء اور ۱۸۹۹ء (قدرتی آفات کے سالوں) میں افغانستان ہجرت کرنے والوں کی تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ ایک وقت تو وہ سب چمن سے کندھار تک ۷۰ میل پر محیط سڑک پر پھیلے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہوئے تھے۔ ان میں پشین کے تیس نمایاں سید خاندان بھی تھے جن کا کندھار پہنچنے پر تمام لوگوں بشمول وہاں کے سپاہیوں نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اور ان سب نے بڑی فراخدلی سے ان کی فلاح میں اپنا حصہ ڈالا۔ لیکن جب وہ کابل گئے تو امیر نے ان کے ساتھ سخت برتاو کیا اور کچھ معاملوں میں تو ان کو کندھار واپسی پر گرفتار بھی کیا گیا۔

۱۸۹۲ء میں پیدا ہونے والے سردار خیر بخش مری ۱۹۰۲ء میں اپنے والد سردار مہراللہ خان کے جانشین بنے اور ۱۹۲۵ء تک اس منصب پر رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے قبیلے کی سربراہی اپنے بیٹے کو دی جن کا نام بھی مہراللہ خان تھا ۔ " The List of Leading Personages in Balochistan" (۱۹۲۱ء) کے صفحہ ۳۵ پر ان کے بارے میں کچھ یوں بتایا گیا ہے:

"۱۸۹۸ء میں اپنے والد کے ساتھ اختلافات کے بعد وہ اپنے قبیلے کے کچھ چھوٹے سرداروں کے ساتھ کابل چلے گئے، تین مہینے کے بعد وہ اپنے معاہدے کے بعد واپس آئے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ ۱۹۱۸ء میں اپنے قبیلے میں بغاوت کے کتنے ذمہ دار تھے۔ اس کے چار بیٹے تھے؛ میر اللہ داد (ایک جاٹنی بیوی سے) جو ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے، میر قیصر خان ۱۸۹۷ء میں اور میر مہراللہ خان ۱۹۰۱ء میں (غلام بولک بیوی سے) پیدا ہوئے۔ اور دودا خان اس کی ایک کھیتران بیوی سے ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے (اور ۱۹۶۴ء میں مارے گئے)۔"

فروری ۱۹۲۸ء میں اس وقت کے مری قبیلے کے سربراہ سردار مہراللہ خان کے ہاں ان کی زرکون افغان بیوی کے بطن سے اس کے بیٹے خیر بخش مری (موجودہ نواب) پیدا ہوئے۔ سردار مہراللہ خان نے خانِ قلات کے خاندان میں میر اعظم جان احمد زئی کی بیٹی سے بھی غالباً ۱۹۲۵ء میں شادی کی تھی۔ اس بیوی سے ان کے بیٹے احمد شاہ فروری ۱۹۲۸ء میں اور اس کے بعد ایک اور بیٹے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

علی احمد پیدا ہوئے، دونوں اب وفات پا چکے ہیں۔ اس حساب سے موجودہ نواب خیر بخش مری[2] فروری ۲۰۰۳ء میں ۷۵ سال کے ہو جائیں گے۔ اس سے لگتا ہے کہ سردار مہراللہ خان دویم ۱۹۳۳ء میں فوت ہوئے اور ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی دوداخان مری، قبیلے کے سربراہ بنے۔ تاہم انہوں نے ۱۹۵۱ء میں جوان خیر بخش مری کو قبیلے کی سربراہی سونپی۔ اس لئے موجودہ نواب نصف صدی سے مریوں کے سربراہ ہیں۔ نواب محمد خان جوگیزئی ۶۷ سال (۱۹۱۱ سے ۱۹۷۸ء تک) تک سربراہ رہ چکے ہیں۔ نواب اکبر بگٹی نے ۱۹۴۵ء میں بگٹی قبیلے کی سربراہی سنبھالی اور ۵۷ سالوں سے سربراہ ہیں اور اب تک زندہ ہیں[3]۔ سردار محمد خان باروزئی ۱۹۵۵ء میں سبی کے افغانوں کے سربراہ بنے اور اب تک زندہ ہیں[4]۔

افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن کی حکومت نے سرحد پار سے آنے والے ان مہاجرین کو اورزگان کے ہزارہ علاقے میں بسانے کی کوششیں کیں۔ امیر نے کندھار کے گورنر کو ہدایت کی کہ وہ اس وقت کے اے۔ جی۔ جی برٹش بلوچستان سے ان مہاجرین کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا معاوضہ دینے یا ان کی واپسی کا معاملہ اُٹھائیں۔ انہوں نے خود بھی ۱۶ نومبر ۱۸۹۸ء کو وائسرائے ہند کو خط لکھا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

"میں آپ جناب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بلوچستان میں حکومت کے انچارج کو ایک فرمان جاری کریں کہ کوئی بھی درجِ بالا درخواست گزاروں کے نمائندوں کے لئے رکاوٹ کھڑی نہ کریں جب وہ وہاں آکر ان لوگوں کی زمینیں اور جائیداد کی خرید و فروخت یا کسی اور کو سپردگی کے معاملات نمٹائیں، ان کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ باقی خدا کے فضل سے سب ٹھیک ہیں"۔

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ ہونے سے پہلے نواب خیر بخش مری ۱۰ جون ۲۰۱۴ء کو وفات پا چکے ہیں۔ مترجم

[1] اس کتاب کا ترجمہ ہونے سے پہلے نواب اکبر بگٹی ۲۶ اگست ۲۰۰۶ء کو شہید ہو چکے ہیں۔ مترجم

[1] سردار محمد خان باروزئی ۵ مئی ۲۰۰۴ کو ۸۰ برس کی عمر میں سبی میں انتقال کر چکے ہیں۔ مترجم

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تاہم کچھ سالوں کے بعد ان میں سے بہت سے ناراض قبائلی خصوصاً امیر افغانستان کے برے برتاو کی وجہ سے برطانوی ہند میں اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے فرار ہونے کی کوشش کی، وہ فوراً پکڑے گئے اور جیلوں میں ڈالے گئے۔ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ کچھ لوگوں نے گرفتاری سے بچنے کے لئے خرقہ شریف میں پناہ لی۔ اس دوران (۱۹۰۱ء) میں بہت سی ہزارہ خواتین افغانستان اور بلوچستان میں غلاموں کی طرح فروخت کی گئیں۔ میرے خیال میں امیر کے اس سلوک کے نتیجے میں برطانوی حکام نے ہزارہ مہاجرین کو لورالائی کے سب ڈویژن دکی کی لونی علاقے یٹ آباد میں بسانے کی کوشش کی۔ یٹ آباد میں اب لائیو اسٹاک کے محکمے کا ملٹی پرپزشیپ ریسرچ سٹیشن ہے۔

نواب محمد خان جوگیزئی کے بیٹے احمد یار خان نے ۲۳ اگست ۱۹۹۷ء کو کوئٹہ کے سیٹلائٹ ٹاؤن میں مجھے بتایا کہ برطانوی حکام اور امیر افغانستان نے نواب کو سرحد پار کر افغانستان نہ جانے دینے کے لئے مشترکہ کوششیں کیں۔ نواب خود بھی دور کسی ایسے علاقے میں آباد نہیں ہونا چاہتے تھے جہاں انہیں اپنی قبائلی شناخت کھودنے کا اندیشہ ہوتا۔

نواب جوگیزئی کو امیر افغانستان کی طرف سے لکھے گئے ایک خط کے متن اور اس کی زبان سے یہ عیاں تھا کہ اس میں دھمکی اور شفقت دونوں طرح کے الفاظ کے امتزاج سے لکھنے والے کو اپنی سفارتی کامیابی مقصود تھی۔ یہ شک بھی کیا جاتا ہے کہ امیر دوہرا کھیل کھیل رہے تھے۔ وہ ایک طرف اسلام اور افغان قوم پرستی کے نام پر اپنے ملک میں ہجرت کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور دوسری طرف مہاجرین کے وہاں قیام کو مشکل بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ اس کا مقصد شاید ڈیورنڈ لائن کے اس پار موجود برطانوی حکام کو دباو میں رکھنا تھا۔ اسی طرح کا دباو حکومتِ افغانستان نے بعد کے سالوں میں پشتونستان کے مسئلے کے ذریعے حکومتِ پاکستان پر بھی رکھا۔ محمد زئی بادشاہوں اور برٹش بلوچستان میں محمد زئی مہاجرین کا اس ریجن میں اسلام اور پشتون قوم پرستی کے نام پر لوگوں کے جذبات کا استحصال تاریخ کا ایک غمگین لیکن قابلِ تحقیق باب ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

یہ عجیب بات ہے کہ ان تحریکوں کی قیادت نے اپنے ماضی کے تجربات سے نہیں سیکھا اور انہوں نے افغانستان کے حکمرانوں کی جھوٹی امیدوں کو پورا کرنے کا عمل جاری رکھا۔

یہاں یہ امر دلچسپ ہو سکتا ہے کہ ۲۴ فروری ۱۹۰۶ء کو ہونے والی سبی کے دربار میں اے۔جی۔جی جناب اے۔ایل۔پی ٹکر نے سردار بہادر بنگل خان جوگیزئی کو وائسرائے ہند کی جانب سے 'نواب' کا خطاب دیا۔ لیکن بدقسمتی سے وہ یکم مئی ۱۹۰۶ء کو رشتہ داروں کے درمیان لڑائی میں قلعہ سیف اللہ میں مارے گئے۔ اس کے بعد ان کے بیٹے ظریف خان سردار بنے لیکن کچھ سالوں بعد وہ بھی فوت ہو گئے۔ اس کے بعد حکومت نے ایک اعلیٰ سطح کا جرگہ تشکیل دیا جس نے محمد خان کو سردار بنایا۔ ضلع ژوب کی نامور شخصیات کی فہرست میں اُن کے بارے میں لکھا گیا ہے:

"۱۹۱۹ء کے اذیت ناک دنوں میں وہ خاموشی سے ایک طرف سے بیٹھ گئے بعد میں حکومت سے اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے بعد وہ دوبارہ منظرِ عام پر آئے اور پاکستان دستور ساز اسمبلی کے رکن بنے۔ سردار بہادر زرغون خان کے بیٹے سردار محمد عثمان جوگیزئی ان کے داماد ہیں"۔

"محمد خان جوگیزئی نواب ولد بنگل خان مندرجہ ذیل وظیفہ وصول کرتے ہیں:

اَ. ۱۵۱۱ من گندم

ب. مانکی کاریز سے ہونے والی حکومتی پیداوار میں حصہ

ج. پانی پر معافی اور ۲۷۳ ایکڑ کا علاقے کے لئے ساڑھے سات شوار وزپانی، دو سڑکیں اور کشمیر ویالہ کے ۷ کھمبے، اور ۴۰۰ روپیہ ماہوار انفرادی وظیفہ۔

"وہ سنزر خیل قبیلہ کے سربراہ ہیں۔ وہ ۱۹۲۴ء میں سردار بہادر اور ۱۹۲۸ء میں نواب بنائے گئے۔ شاہی جگہ کے رکن ہیں۔ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ قلعہ سیف اللہ کے قریب نواب

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

محمد خان کلی میں رہتے ہیں۔ اس کے کئی بچے ہیں، ان کے وارث تیمور شاہ ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے اور اب ژوب ملیشیا میں لیفٹیننٹ ہیں۔ ۱۹۰۸ء اپنے بھائی ظریف خان کی موت کے بعد سنزر خیل کے سردار بنے۔ ۱۹۳۷ء میں لیویز سروس کی تنظیم نو پر ناراض ہوئے اور جرگہ میں شرکت کرنے سے انکار کیا۔ اب تک اسے "پارسن اسکیم" میں تبدیل کرنے کے لئے پر امید ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ جنگ کے بعد تک اس معاملے کو اٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ وہ پورے کاکڑ خراسان اور ژوب اور لورالائی کے کاکڑوں میں اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ سلیمان خیل اور وزیر قبائل پر ان کا کوئی اثر و رسوخ نہیں ہے۔ خان صاحب مرزا خان جلالزئی سے ان کی دشمنی ہے جو اپنے آپ کو خراسان کے کاکڑوں کا قائد سمجھتا ہے۔ بابو چینہ کے خان صاحبزادہ خان میرزئی سنزر خیل سے بھی دشمنی ہے۔ یہ دونوں اپنے علاقوں میں نواب کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔ اس کے خلاف انہوں نے اپنے بھائی عظیم خان کو کاکڑ خراسان میں تبلی لیویز کا جمعدار تعینات کیا ہے۔ اس کے اور بھائی کے اب آپس میں اختلافات ہیں۔ وہ ژوب کے زیریں علاقوں اور اگر موقع ملے تو لورالائی ضلع میں بھی اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لئے بیقرار ہیں۔ لیکن خان بہادر مراد خان کبزئی اور لورالائی کے خان بہادر باز محمد خان جوگیزئی اس کے خلاف ہیں۔ کافی معقول شخصیت ہیں"۔

انیسویں صدی کے آخری حصے کے دوران اور دوسری اینگلو افغان جنگ کے بعد برٹش بلوچستان میں افغان مہاجرین کی آبادکاری ایک اہم واقعہ ہے جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس وقت کے دوران محمدزئی خواتین اور حضرات ان دیہاتی علاقوں کے مقامی رہائشیوں کی اخلاقیات اور سیاسی رویے پر اثرانداز ہونے کے لئے آئیں۔ انہیں اینگلو افغان جنگ ۱۸۷۸ء کے خاتمے کے بعد کندھار چھوڑتے وقت برطانوی فوجیں اپنے ساتھ لائیں۔ ۱۸۸۱ء میں کندھار میں برطانوی پولیٹیکل آفیسر سینٹ جون نے بھانپ لیا تھا کہ محمدزئی کے اس طبقے کے لوگوں کی جان، مال اور عزت کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جنہوں نے اینگلو افغان جنگوں میں اپنے ہم وطنوں کے خلاف ان پر چڑھائی کرنے والوں کا ساتھ دیا تھا۔ اسی لئے اس نے ان لوگوں کو کندھار سے برطانوی ہند

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی سفارش کی تھی۔ میں نے اپنی کتاب The Afgans of the Passes کی دوسری جلد کے صفحہ ۲۲۹ پر اس حوالے سے حقائق اور ان لوگوں کے ناموں کی تفصیل دی ہے۔ اس طرح کے کیس کی ایک اور سرکاری فائل ہے No. A.G.G. Year ۱۹۱۸۔ بعنوان: مہاجرین اور پنشن خوار / ۱۹۲۰ء کی مہنگائی کے سبب بعض مخصوص مہاجروں کے وظیفے میں اضافہ۔ اس فائل میں ہمیں ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو شاہ نواز خان ولد سردار شیر علی خان۔ والیِ کندھار کی درخواست اور ۲۱ جون ۱۹۱۹ء کو سردار گل محمد خان ولد سردار محمد عالم خان کی اے۔جی۔جی بلوچستان کے نام بڑھتی ہوئی مہنگائی کی پیش نظر سیاسی پنشن ر خیراتی عطیات میں اضافے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ ان درخواستوں میں اچھی معلومات موجود ہیں۔ ہم اول لذکر درخواست کو یہاں پیش کرتے ہیں:

"آنجہانی ملکہ میرے والد کی اچھی خدمات اور دیانتداری کی بڑی معترف تھیں، جو لارڈ لٹن کے الفاظ میں، برطانوی حکومت ہمیشہ یاد رکھے گی، یہ سب انگلینڈ اور درانی قوم دونوں کے لئے مبارکباد کا مقام ہے۔ ملکہ نے بعد میں اپنے وائسرائے لارڈ ریپون کے ذریعے وعدہ کیا تھا کہ مرے والد اور ان کے خاندان کے مرتبے اور منزلت کے مطابق ہر قسم کی سہولیات فراہم کی جائیں گی اور ہمارے آرام اور سلامتی کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ یہاں ان میں سے چند مصیبتوں کا ذکر بے جا نہیں ہو گا جن کا برطانوی حکومت سے ہماری دوستی نے سامنا کیا:

"میرے والد نے ۱۸۸۰ء کے میوند کی جنگ میں بذاتِ خود برطانوی فوج کی قیادت کی"۔

"جب کندھار میں برطانوی فوجوں کا معاصرہ ہو تو اس وقت ہم نے ان کی حفاظت کی اور کابل سے لارڈ کے آنے تک ہم نے ان کے ہر آرام کا خیال رکھا"۔

"ہمارے مطیع اور درانی قبیلے کے لوگ برطانوی حکومت کے ساتھ ہماری دوستی پر سخت ناراض تھے اور وہ ہمیں قبیلے اور علاقے سے خارج کرنے کے قریب تھے۔ ان کا خیال تھا کہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہم عیسائی ہو گئے ہیں۔ میرے اس بیان کے کچھ گواہ ابھی بھی موجود ہیں۔ ان میں سے چند لارڈ رابرٹ، اے۔جی۔جی سینٹ جون اور جنرل پرِ مروز بھی تھے"۔

"برطانوی ہند آنے سے پہلے ہم نے کندھار میں اپنی لاکھوں کی قیمتی جائیداد برطانوی حکومت کے سپرد کر دی تھی۔ امیر عبدالرحمٰن نے ہمارے کندھار آنے پر ہماری املاک اور جائیداد کو مسمار کرنے اور افغان حکومت کے حق میں ضبط کرنے کے احکامات دیئے اور ہمیں کبھی ان کا معاوضہ نہیں دیا گیا"۔

"اوپر بیان کی گئی صورتحال کے پیش نظر اب میں کتنا صحیح ہوں کہ آپ سے اپنے مرتبے اور شان کے مطابق اپنے وظیفے میں مناسب اضافے کی درخواست کروں۔ یہ بے جا نہیں ہو گا اگر میں اپنے وظیفے کو ۶۰۰ روپیہ تک بڑھانے کی استدعا کروں"۔

"اگر افغانستان میں کوئی بھی گڑبڑ کرنے کے لئے میری خدمات درکار ہیں تو آپ اب بھی مجھے اس کے لئے پہلے جیسا تیار پائیں گے"۔

"لارڈ لٹن اور ریپون کے خطوط کی کاپیاں بھی اس خط کے ساتھ آپ کے حضور میں پیش کی جارہی ہیں

امید ہے آنجناب اس زحمت کے لئے معاف فرمائیں گے۔

آپ کا تابعدار خادم

سردار شاہنواز خان

کوئٹہ۔۲۷ فروری ۱۹۱۹ء"

اس درخواست کے ساتھ منسلک سندوں میں سے وائسرائے اور گورنر جنرل ہند لٹن کا خط ہے جو انہوں نے فورٹ ولیم سے ۱۸۸۰ء کو لکھا ہے۔ یہ خط والیِ کندھار سردار شیر علی کو لکھا گیا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جو اس درخواست گزار مہاجر کے والد ہیں۔ یہ خط اس خطے کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے اتنا اہم ہے کہ کوئی بھی اسے حرف بہ حرف یہاں نقل کرنے سے اپنے آپ کو نہیں روک سکتا:

"عزت مآب سردار شیر علی خان
والیِ کندھار وما تحتی علاقہ جات
میرے محترم اور قابلِ قدر دوست

آپ کے خط میں ہماری دوستی کے بارے میں آپ کے خیالات پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی ۔ میں آپ جناب کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ آپ کی باوقار اور ایماندارانہ سلوک کی ہم مکمل قدر کرتے ہیں اور پائندہ خان کی نسل ان کو ہمیشہ یاد رکھے گی جو ہمیشہ ایمانداری کی سیدھی راہ پر چلتی رہی اور کبھی رسوائی اور بددیانتی کی صحرا میں نہیں بھٹکی۔

اچھی خدمات اور ایماندارانہ سلوک کے لئے انعام واجب ہے۔ یہ ان پر بھی فرض ہے جنہیں خدا نے حکومت کرنے کی استطاعت دی ہے تاکہ وہ اس فرضِ منصبی سے پیچھے نہ ہٹیں ۔ اس لئے میں یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ عظیم ملکہ آپ جناب کو کندھار کے صوبے اور اس کے متعین حدود کا آزاد حکمران تسلیم کرنے میں خوش ہیں۔ آپ کی طاقت کو مجتمع کرنے اور ملکہ کے سلطنت کی سرحد کی مناسب حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شاہی فوجیں کندھار شہر یا اس کے نزدیک چھاؤنی میں رہے۔ باہمی رضامندی سے یہ بھی طے کرنا مناسب ہو گا کہ اناج کی آمدنی کا ایک حصہ سالانہ ان فوجوں کو فراہم کرنا ہو گا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے خطے کی سرحدوں پر رہنے کے لئے ہند کا ایک خصوصی افسر تعینات کیا جائے۔ اس ترتیب سے حکومتِ انگلستان کی حفاظت میں حکومت پوری طرح سے آپ جناب کے ہاتھوں میں رہے گی۔

جن شرائط کی بدولت آپ کو اس ملک کی ملکیت حاصل ہوئی ہے ان کو مستقبل میں باقاعدہ طریقے سے تحریر کیا جائے گا۔ لیکن ان کو اس وقت تک ملتوی کرنا پڑے گا جب تک

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

افغانستان کے دیگر علاقوں کے معاملات حل نہیں ہو جاتے اور افغانستان میں برطانوی ہند کے مفادات مکمل طور سے پہچانے نہیں جاتے۔

آپ جناب کے علم میں ہے کہ عظیم ملکہ کی حکومت نے سبی تک ریلوے لائن تعمیر کی ہے جو کندھار تک بچھائی جائے گی۔ اس سے بڑا فائدہ ملک کو عنایت نہیں کیا جاسکتا جو تجارتی مواقعوں اور عمومی سہولیات کے ملاپ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی جائے گی۔ درانیوں کی خوشحالی اور ان کا عظیم اور طاقتور برطانوی حکومت سے تعلق، خدا نے چاہا تو، مضبوطی سے قائم ہو گا۔

آپ کے لئے نیک تمناؤں کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص دوست

فورٹ ولیم　　لٹن

۱۲ مارچ ۱۸۸۰ء　　وائسرائے اور گورنر جنرل ہندوستان"

سردار گل محمد خان محمد زئی نے ۲۱ جنوری ۱۹۱۹ء لکھے گئے درخواست میں دعویٰ کیا کہ "میرے اور میرے والد کی خدمات کے حوالے سے گذشتہ ریکارڈ اے۔جی۔جی کے دفتر میں موجود ہے"۔ اس نے اپنے اور اپنے والد سے متعلق برطانوی حکومت کے لئے کارآمد دیگر دستاویزات بھی منسلک کی تھیں۔ میں دو کو یہاں نقل کر رہا ہوں:

۱. "سردار محمد عالم خان کئی سالوں سے برطانوی حکومت کے آزمائے ہوئے اور قابلِ اعتماد دوست کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ انہوں نے نے برطانوی فوجوں کی طرف سے کابل پر حالیہ قبضے کے دوران اس حکومت کے لئے اعلیٰ اور قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ وہ بعد میں ۱۸۸۰ء میں ہندوستان آئے اور یہاں حکومت کے معزز مہمان بن کر رہنے لگے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اے۔ سی لائل

سیکرٹری حکومتِ ہند

شملہ، ۴ مئی ۱۸۸۱ء

۲. "سردار محمد عالم خان جو کہ امیر افغانستان کے عموزاد ہیں، ایک عظیم کردار، استقلال اور وفاداری کی عامل شخصیت ہیں۔ جب میں پہلی بار کابل گیا تو میں نے اسے ہمارے خلاف شورش کرنے والوں میں سے سمجھا اور ان سے اسی طرح کا سلوک کیا۔ ان سے یہ سلوک میری غلطی تھی ۔ بعد میں فوراً ہم نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور وہ کابل میں ہمارے ساتھ آملے۔ تب سے اس نے ہمارے لئے کئی بار اپنی جان خطرے میں ڈال کر نہایت وفاداری اور جرات سے کام کیا۔ جب سر ڈونلڈ سٹیورٹ کندھار سے کابل کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے تو میں نے سردار محمد عالم کو ان کے پاس اس سفارش کے ساتھ بھیجا کہ اسے ضلع غزنی کا گورنر بنایا جائے تاکہ اس اہم ضلع کو قابو میں کیا جاسکے ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور سردار محمد عالم نے وہاں شاندار خدمات انجام دیں۔ اور اس طرح انہیں سردار ایوب خان کے لئے کام کرنے والے سرداروں سے الگ کیا گیا"۔

لیپل گریفن

اے۔جی۔جی سنٹرل انڈیا۔ اندور

۱۳ مارچ ۱۸۸۳ء

تقریباً انہی دنوں وہ اپنی جائیداد دیوان جیٹالال کے پاس گروی رکھ کر کندھار سے کوئٹہ آئے لیکن امیر نے ان کی جائیداد کی ضبطی کا حکم دے دیا۔ کوئٹہ اور قلات کے لئے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے کوئٹہ پشین کے پولیٹیکل ایجنٹ کو ۷ فروری ۱۹۵۹ء کو لکھے گئے ایک یادداشت میں لکھا ہے:

"سردار عبدالعلی خان ولد امیر محمد یعقوب خان: ان کی عمر ۷۳ سال ہے۔ ان کا ایک ۲۶ سالہ بیٹا، ۳۳ اور ۳۵ سالہ دو شادی شدہ بیٹیاں اور ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ سالہ چار نواسے ہیں۔ اس کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بیٹے نے حال ہی میں کراچی سے انجینئرنگ کرلی اور وہی ملازمت کر رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا خاندان اب ان پر انحصار نہیں کرتا اس لئے اب ان کو ۳۰۰ روپیہ امداد دینے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے"۔

۶ دسمبر ۱۹۵۵ کو کوئٹہ سے سردار عبدالقادر خان ولد سردار عبدالرحمٰن ولد امیر یعقوب خان کا لکھا ہوا ایک خط ریکارڈ میں موجود ہے جو انہوں نے 'جناب چوہدری محمد علی، وزیرِاعظم پاکستان' کے نام لکھا ہے اور 'میجر جنرل سکندر مرزا، گورنر جنرل پاکستان کراچی' اور 'جناب ایم حامدالحق وزیر خارجہ پاکستان کراچی' کو بھی اس کی کاپیاں بھیجی ہیں۔ اس خط کے مندرجات یہاں نقل کئے جارہے ہیں:

"میں امید کرتا ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں میرے مخل ہونے کو معاف فرمائیں گے۔ لیکن میری کسمپرسی کی حالت نے مجھے مجبور کیا کہ میں آپ سے ہمدردانہ غور کرنے کے لئے یہ درخواست لکھوں۔ میں افغانستان کے امیر مرحوم امیر یعقوب خان کا پوتا ہوں جنہوں نے ۲۶ مئی ۱۸۷۹ء کو گندمک معاہدہ دستخط کیا تھا۔ دسمبر ۱۸۷۹ء میں برطانوی حکومت میرے دادا کو ہندوستان لائی اور ان کے لئے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔ میرے دادا ۱۹۲۳ء میں دھیرہ دُھن میں اور میرے والد ۱۹۴۴ء میں جنوبی ہندوستان میں فوت ہوئے۔ ہم تقسیمِ ہند تک دھیرہ دُھن میں رہے اور نومبر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ مجھے گھر کے کرایہ اور بھائیوں کی تعلیم کے لئے ۹۵۵ روپیہ وظیفہ ملتا تھا۔ اس کی تصدیق یو۔پی انڈیا میں دھیرہ دُھن کی پولیٹیکل انتظامیہ سے کرائی جاسکتی ہے"۔

"میں اپنے خاندان کے ۱۳ افراد کو آمدنی کے کسی مناسب ذریعے کے بغیر پال رہا ہوں۔ ہم ہندوستان سے جو کچھ بھی ساتھ لے کر آئے تھے وہ سب بیچ چکے ہیں۔ اب ہمیں اپنی گزر بسر کے لئے عملاً بھیک مانگنی پڑ رہی ہے۔ اگر ہماری فوری مدد نہ کی گئی تو ہم کوئٹہ کی آنے والی شدید سردیوں میں بھوکے مر جائیں گے۔ اس لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں فوری

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

معاشی امداد دی جائے جو اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک ہندوستان کے ساتھ ہمارے وظیفے اور نومبر ۱۹۴۷ سے بقایاجات کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا"۔

"پاکستان کے لئے میرے دادا کی خدمات (اگر چہ معاہدہِ گندمک دستخط کرتے ہوئے ان کو باقاعدہ اس کا ادراک تو نہیں تھا) کو مد نظر رکھتے ہوئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے دادا کے نام کی خاطر، ان کے بچوں اور پوتے پوتیوں کو بچانے اور روزانہ کی اس کسمپرسی کی حالت سے نکالنے کے لئے فوری معاشی امداد کی درخواست پر ہمدردانہ غور کریں۔"

پاکستان میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو سردار محمد شاہ محمد زئی ولد سردار شاہ نواز خان ولد عزت مآب ولی شیر علی خان نے 'جناب ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان لاہور' کے نام ایک خط لکھا، اس کو بھی یہاں پیش کیا جارہا ہے:

"میرا تعلق افغانستان کے محمد زئی خاندان سے ہے۔ جنرل جیکب کے دور میں میرے والد سردار شاہ نواز خان جیکب آباد کے رسالدار میجر تھے۔ بعد میں انہیں ڈی۔ایس۔پی شکارپور، اور پھر کوئٹہ میں میونسپل کمشنر اور درجہ اول مجسٹریٹ تعینات کیا گیا۔ عزت مآب ولی شیر علی خان ۸۰۰۰ روپیہ وظیفہ کے طور پر وصول کرتے رہیں اور لارڈ لٹن نے ان کے نام پر ایک رجمنٹ بھی بنائی تھی۔ ان کے نام پر ایک بنگلہ بھی الاٹ ہوا تھا جس کی تصدیق کراچی آفس کے ریکارڈ سے کی جا سکتی ہے۔

۱۔

۲۔

۳۔ میرے دادا ولی شیر علی خان آف کندھار کے لئے ان کی قربانیوں اور راجہ رنجیت سنگھ کو اٹک میں شکست دینے کے لئے برطانوی حکومت کی مدد کے عوض لارڈ لٹن کے دور میں ۸۰۰۰ روپیہ کا وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی لڑائی تھی جس میں میرے دادا نے اپنی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

دولت اور فوج کی قربانی دی تھی۔ میں بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اس لئے اسلام کی خدمت کے لئے اپنی جان ومال کی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔

کندھار کے محمد زئی سرداروں کے ساتھ ساتھ افغانستان کے سیاسی مہاجرین کے ایک اور طبقے کی بھی برطانوی حکومت کو فکر تھی۔ ان میں سے ایک اہم شخص امیر شیر علی خان کے دور کے وزیر اعظم سید نور محمد شاہ کے بیٹے سید محمد شاہ تھے۔ جنرل سر لمسڈن ۱۹۰۰ء میں چھپی اپنی کتاب Sir Harry Lumsdon of the Guides کے صفحہ ۱۵۹ پر اپنے ۱۸۵۷ء کے دورہِ کندھار میں اس شخص کے نام کے ساتھ اخوندزادہ کے خطاب کا حوالہ دیتے ہیں:

"پسندیدہ ملاقاتیوں میں سے سب سے زیادہ دلچسپ اخوندزادہ نور محمد تھے۔ جو ایک سید اور کسی وقت کندھار کے سردار کہوندل خان کے خفیہ ایجنٹ تھے جنہوں نے اسے ایک خفیہ دورے پر تہران بھیجا تھا۔ نور محمد ایک زیرک اور باخبر شخص تھے۔ انہوں نے کلکتہ، مدراس اور بمبئی کا دورہ کیا تھا اور اس کی یادداشت میں، جو کچھ اس نے دیکھا اور سنا تھا، سب موجود تھا۔ لمسڈن نے نور محمد سے سنا کہ مرحوم سردار کہوندل خان، جس کے تسلط میں کندھار، آزاد کابل اور ہرات تھا، کی بڑی خواہش تھی کہ وہ برطانوی حکومت سے اتحاد کرتے۔ لیکن کابل سے اپنی پسپائی کو دیکھتے ہوئے ان کے پاس ایران کی طرف راغب ہونے کے سوا کوئی نعم البدل نہیں رہا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے پہلے اپنے بیٹے اور بعد میں نور محمد خان کو شاہ کے دربار بھیجا جہاں اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ اس دورے کا مقصد یہ تھا کہ ایران کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہرات اور سیستان کو کندھار کا حصہ تسلیم کریں۔ اسی طرح امیر شیر علی نے نور محمد خان کو پشاور کانفرنس میں سر لیوس پیلی سے ملنے کے لئے بھی بھیجا۔ نور محمد مذاکرات مکمل ہونے سے پہلے پشاور میں وفات پا گئے"۔

پہلے کی جلدوں میں اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ سیوی، سنگان اور پشین کے افغانوں کو کندھاری سرداروں کے ہاتھوں شدید ہزیمتیں اٹھانی پڑیں۔ اس کے ساتھ ساتھ امیر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

شیر علی کے دور میں بھی یہاں کی عوام مصیبت میں رہی۔ امیر شیر علی پشین کے مرحوم آغا نور محمد شاہ کی ایما پر ایسا کرتے رہے۔

۱۶ جولائی ۱۹۰۲ء کو شملہ سے حکومتِ ہند کے سیکرٹری خارجہ مسٹر ایچ۔ ایس بارنیس نے بلوچستان کے اے۔ جی۔ جی مسٹر ہیئٹ کو ایک خط میں لکھا:

"پیارے ہیئٹ! میں آپ کو ایک خط بھیج رہا ہوں جو ہمیں پشین سے ایک افغان مہاجر سید محمد شاہ کی طرف سے آیا ہے۔ میرے خیال میں آپ نے مجھے ان کے بارے میں اس وقت بھی لکھا تھا جب آپ نے کوئٹہ کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ وہ مرحوم سید نور محمد شاہ کے بیٹے ہیں جو امیر شیر علی خان کے وزیر اعظم تھے اور وہ ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۰ء میں کندھار میں رہتے تھے جس وقت ہم وہاں تھے۔ اور جب عبدالرحمٰن نے ۱۸۸۱ء میں ایوب خان کو شکست دی تو وہ ملک سے روپوش ہو گئے۔ پچھلے بیس سالوں سے سید محمد شاہ انہی پیسوں پہ اپنی گزر بسر کر رہے ہیں جو وہ اپنے ساتھ افغانستان سے لے کے آئے تھے لیکن کچھ سالوں سے وہ بہت افلاس کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اب ان کے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔ میں نے بلوچستان چھوڑنے سے پہلے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں ان کی مدد کے لئے حکومت سے بات کروں گا۔ لیکن میں کوئٹہ چھوڑنے سے پہلے پوری معلومات جمع نہیں کر سکا تھا۔ اور جب میں وہاں سے چلا گیا تو یہ معاملہ مجھے یاد نہیں رہا۔ سید محمد شاہ بلاشبہ شیر علی کے دورِ حکومت میں ایک دولتمند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ جب ہم ۱۸۸۰ء میں کندھار میں تھے تب بھی سید محمد شاہ اچھی خاصی زندگی گزار رہے تھے اور بہت سی زمینوں کے مالک تھے لیکن ظاہر ہے بعد میں یہ سب امیر نے ضبط کر لیا تھا۔ میرے خیال میں یہ افسوس کا مقام ہو گا اگر سید نور محمد شاہ کا بیٹا تنگ دستی کا شکار ہو۔ اس لئے میں یہ تجویز دیتا ہوں کہ آپ ان کے معاملے کی معلومات کریں اور اگر آپ کو لگے کہ وہ واقعی کٹھن صورتحال کا شکار ہیں تو آپ کو ان کا معاملہ حکومت کو پیش کرنا چاہیے۔ جب میں کوئٹہ میں تھا تو اس وقت سید محمد شاہ بلوچستان منتقل ہوئے تھے۔ تب اس کے ۱۸ اور ۲۵ سال کی عمر کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

چار پانچ بیٹے تھے۔ انہیں میرے کوئٹہ چھوڑنے سے پہلے اپنے کنبے کی تفصیلات دینی تھیں اور واقعی اس کے پاس گزر بسر کرنے کے ذرائع ختم ہو گئے تھے۔ آپ بے شک اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ حکومتِ ہند اس کے لئے کوئی وظیفہ مقرر کرنے پر راضی ہو گی یا نہیں، لیکن وہ آپ کی طرف سے بھیجی گئی سفارشات پر ضرور غور کرے گی"۔

آپ کا مخلص

ایچ۔ ایس بارنیس

اسی موضوع پر ایک اور خط بھی ہے جو ہمارے ریجن کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ یہ خط نمبر ۶۸۳۴، اے۔ جی۔ جی بلوچستان نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو محکمہ خارجہ کو کچھ یوں لکھا ہے:

"جناب!

میں حکومتِ ہند کی غورِ کامل کے لئے ایک افغان مہاجر سید محمد شاہ کے معاملہ پر سفارش پیش کر رہا ہوں۔ یہ شخص امیر شیر علی کے وزیر اعظم سید نور محمد شاہ کا بیٹا ہے جنہوں نے ۱۸۷۲ء کے گولڈ سمد باونڈری کمیشن کے موقع پر اور پھر ہمارے کندھار پر قبضہ کے دوران ۱۸۷۸ اور ۱۸۸۱ء کے دوران ہماری حکومت کا ساتھ دیا تھا۔ سید محمد شاہ ریوینو کمشنر کے طور پر کام کرتے تھے اور انہوں نے بڑی ایمانداری سے اپنی خدمات انجام دیں۔ کندھار سے ہماری انخلا کے بعد انہیں بھی افغانستان چھوڑنا پڑا اور ان کی اچھی خاصی املاک کو امیر نے ضبط کر لیا تھا۔ انہوں نے پشین میں سکونت اختیار کی اور تب سے اب تک افغانستان سے اپنے ساتھ لائی ہوئی دولت اور پشین کے معتبرین کی طرف سے عطیہ میں ملنے والے غلے کے سہارے اپنی گزر بسر کرتے رہے ہیں۔ ان کے پانچ بیٹے ہیں، بڑا ایٹا کابل میں ہے اور اسے وہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے وہ اپنے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

والد کی کفالت نہیں کر سکتا۔ دوسرا بیٹا سیلون میں ہے اور دیگر تین ملا بن چکے ہیں اور وہ خاندان کی کفالت کے لئے کچھ نہیں کرتے۔

"میرے پیشرو اے۔جی۔جی نے ان کے چھوٹے بیٹوں کے لئے ملازمت ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی ناکافی تعلیم اور حکومتی ملازمتیں نہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں ہو پایا"۔

"میں نے بھی اس کے چھوٹے بیٹے کے لئے ایک ملازمت کی پیشکش کی لیکن ان کے والد نے بتایا کہ وہ اس کام کے لئے اہل نہیں ہیں"۔

"میری چھان بین کے مطابق سید محمد شاہ پر خاندان کے چھبیس افراد کی کفالت کی ذمہ داری ہے جن میں زیادہ تر خواتین اور بچے شامل ہیں۔ ان کے پاس موجود دولت ختم ہو چکی ہے اور ہمسایوں کی طرف سے ملنے والا غلہ بھی خشک سالی کی وجہ سے ملنا بند ہو چکا ہے جس کی وجہ سے اب یہ خاندان تنگ دستی کا شکار ہے۔ میں اس لئے یہ امید کرتا ہوں کی حکومتِ ہند اس بوڑھے آدمی اور ان کے والد کی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لئے سیاسی پنشن کی صورت میں کچھ ریلیف دے"۔

ایجنٹ ٹو گورنر جنرل و چیف کمشنر بلوچستان

۱۳ مارچ ۱۸۸۸ء کے کندھار نیوز لیٹر نمبر ۲۱ میں ہمیں درج ذیل عبارت ملتی ہے:

"۴۔ سید نور کے بھائی سید گل محمد نے امیر کو درخواست دی ہے کہ اسے شکار پور جا کر گلاب نامی ہندو سے ۲۰۰۰ روپیہ وصول کرنے کی اجازت دی جائے جو انہوں نے قرض کے طور پر دی تھی۔ امیر نے سید گل محمد کو اجازت دی۔ گورنر نے اسے خبردار کیا کہ اگر اس نے ملک کے اس حصے (شکار پور) میں امیر کے کسی بھی دشمن سے کوئی بات یا معاملہ کیا تو وہ پھر اس کے نتیجے کے خود ذمہ دار ہوں گے۔ سید گل محمد نے تردید کی کہ اس نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا۔ سید گل محمد پھر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میرے پاس آیا اور اس نے ان خدمات کا ذکر کیا جو انہوں نے کندھار میں برطانوی فوجوں کی موجودگی کے دوران فراہم کی تھیں۔ اس نے مزید بتایا کہ وہ اپنی رقم وصول کرنے کے لئے شکار پور جارہے ہیں اور امید ہے برطانوی اہلکار وہاں اس کی مدد کریں گے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس مقصد کے لئے آپ کے نام خط دوں لیکن میں نے اسے بتادیا کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ لیکن میں اس بات کا قائل ہوں کہ اگر اس نے گلاب کے خلاف اپنا دعویٰ ثابت کر لیا تو وہ بلاشبہ اپنی رقم وصول کرلے گا"۔ سید نور محمد شاہ (جو ۲۶ مارچ ۱۸۷۷ء کو پشاور میں فوت ہوئے) کے بیٹے سید محمد شاہ کے حق میں اس وقت کے اے۔جی۔جی بلوچستان کرنل سی۔ای یئٹ کی پرزور وکالت کے نتیجے میں ان کے لئے ۱۰۰ روپیہ ماہوار وظیفہ منظور ہوا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء کو ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے سید عبدالقدوس کے لئے پہلے ۵۰ روپیہ اور پھر ۷۵ روپیہ ماہوار وظیفہ کی منظوری دی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کی طرف سے ملنے والا وظیفہ اور پشین کے لوگوں کی طرف سے ملنے والے غلے کی عطیات نے ان سب سیاسی سیدوں کی کی گزر بسر کے لئے کافی نہیں تھے۔ اس لئے ان کے دو ملا بھائی روزگار کی خاطر سنجاوی ہجرت کر گئے اور خود عبدالقدوس نومبر ۱۹۲۹ء میں چپکے سے کندھار چلے گئے اور اس کے بعد ان کے بارے میں نہیں سنا گیا۔

۱۹ دسمبر ۱۹۹۴ء کو مجھے بتایا گیا کہ سید نصراللہ شاہ کی سربراہی میں شینغری سید کا باقی ماندہ خاندان اب بھی ضلع لورالائی کے قصبے سنجاوی[5] میں موجود ہیں۔

تاہم سید قاسم رشتیا، غلام محمد غبار اور کابل ٹائمز کے ۲۱ دسمبر ۱۹۷۸ء کے ایڈیٹر، نے اپنے نمایاں تاریخی آثار میں سید نور محمد شاہ کی تعریف کی ہے اور اسے اس وقت کے افغانستان کا ایک ایسا وزیراعظم قرار دیا ہے جس نے پوری ایمانداری سے بادشاہت کے امور سرانجام دیئے۔

---

[1] سنجاوی اب ضلع زیارت کا حصہ ہے۔ مترجم

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

افغانستان کے بادشاہ شجاع الملک کی اولاد میں سے ایک پی۔ایم۔جے درانی ہیں جن کے حالات ۱۹۵۰ء میں بہت خراب ہوئے اور حالات سے تنگ آکر انہوں نے کوئٹہ سے ۷ جون ۱۹۵۰ء کو بادشاہ جارج چہارم بکنگھم پیلس لندن کے نام خط لکھا جو درجِ ذیل ہے:

"برطانوی حکام افغانستان سے کئی درانی سدوزئی خاندانوں کو یہاں لائیں اور انہیں بہت عزت و احترام سے نوازا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کی تقسیم اور پاکستان کے قیام نے ان خاندانوں کو دوزخ میں دھکیل دیا ہے اور وہ اب کسمپرسی کے حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آنجناب ان درانیوں کی اس حالت پر رحم کریں اور بادشاہ سلامت اپنے کچن کی بچت سے ان کے لئے کوئی وظیفہ مقرر کریں۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو بادشاہ سلامت کو ان خاندانوں کو کوئٹہ سے لندن لے جانے کے احکامات دینے چاہیے"۔

اس خط کے نقول اقوامِ متحدہ، گورنر جنرل پاکستان، اے۔جی۔جی بلوچستان اور مہاجرین کی بحالی کی وفاقی وزارت بھی بھیجے گئے۔

۳ ستمبر ۱۸۸۳ء اور ۴ جون ۱۸۸۵ء کے کندھار نیوز لیٹر اور مارچ ۱۸۸۶ء کے برٹش نیوز لیٹر کندھار میں (میر حسن) نے یہ رپورٹ دی ہے:

أ. "سپہ سالار غلام حیدر خان برطانوی حکومت کے لئے کام کرنا اور حکومت سے خفیہ طور پر تنخواہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر مجھ سے بات کی ہے۔ امیر کے بہت سے عہدیدار یہی رائے رکھتے ہیں اور وہ راتوں کو مجھ سے ملتے ہیں اور اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں"۔

ب. "امیر نے سپہ سالار غلام حیدر خان کو حکم دیا ہے کہ کابل آئیں۔ سپہ سالار کابل جانے سے بہت گھبرا رہے ہیں کہ یہ ان کے لئے ہلاکت خیز ثابت ہو گا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ت. "دربار کے حاضرین میں یہ ذکر ہوا ہے کہ کندھار کے سابق سپہ سالار غلام حیدر خان توخی، جنہوں نے امیر کی ملازمت چھوڑ دی تھی، اب سبی میں ہیں۔ برطانوی حکومتی عہدیداران کے اخراجات کے لئے پیسے دینے کی صورت میں مدد کر رہے ہیں"۔

غلام حیدر خان توخی نے امیر افغانستان کے لئے کئی سال خدمات انجام دیں۔ ایک وقت تو وہ ان کی افواج کے کمانڈر انچیف تھے۔ لیکن پھر امیر کو ان پر شک ہوا اور وہ ۱۸۸۶ء میں افغانستان سے فرار ہو کر برٹش بلوچستان آئے اور برطانوی حکام نے انہیں سبی میں آباد ہونے کو کہا۔ امیر نے ان پر نظر رکھنے یا قتل کرنے کے لئے کئی بار اپنے جاسوس سبی بھیجے لیکن وہ اس سازش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ پھر برطانوی حکام نے اپنے اس اہم مہاجر کو بوری (لورالائی) منتقل کر دیا جہاں ان کی نسل ابھی بھی موجود ہے۔

افغان مہاجرین کے بارے میں کوئٹہ گزیٹئر کے صفحہ ۹۱ پر بھی یہ پیرا گراف موجود ہے:

" ضلع کوئٹہ میں افغان مہاجرین کے بیس خاندان مستقل آباد ہیں اور حکومت سے وظیفہ لیتے ہیں۔ ان میں سے دس محمد زئی افغان، چار غلزئی جبکہ باقی سلیمانخیل، بابوزئی، پوپلزئی، الکوزئی شینغری سید ہیں۔ ۱۹۰۴ء سے مزید مہاجرین کو آباد نہیں کیا گیا ہے"۔

برٹش انڈین فارن آفس میں جولائی ۱۸۸۰ء کے جنگِ میوند کے ہیرو کے بارے میں بھی خفیہ فائلیں موجود ہیں جو میں یہاں نقل کر رہا ہوں۔ اس جنگ میں سردار ایوب خان نے کندھار کے مغرب میں کچھ فاصلے پر واقع ایک مقام پر برطانوی جنرل بوروز کو شکست دی تھی:

"۴ مارچ ۱۸۸۲ء کو لکھے گئے میشد ایجنٹ کا مسٹر تھامسن کے نام خط سے خلاصہ"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"ایک رات پہلے ایوب خان کی درخواست پر میں ان سے ملا۔ معمول کی دوستانہ تعریفات کے بعد انہوں نے کہا کہ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ کوئی بھی اس وقت تک افغانستان کا آزاد حکمران نہیں بن سکتا جب تک وہ برطانوی حکومت کا تابعدار نہ ہو۔ چونکہ وہ تہران کے لئے روانہ ہونے والے تھے اور اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ آگے کیا کریں۔ اس لئے انہوں نے ایک پرانے دوست ہونے کے ناتے مجھ سے پوچھا کہ میں انہیں کوئی ایسی صلاح دوں جو اس کے لئے فائدہ مند ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ بہتر ہے کہ وہ اس وقت مکمل طور پر چپ رہیں۔ جب وہ تہران پہنچیں تو وہ روسیوں سے کسی بھی قسم کی بات چیت سے اپنے آپ کو دور رکھیں، انگلستان سے اپنی مخلصانہ دوستی ثابت کریں اور سردار سکندر خان کے شیطانی مشوروں سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔ سردار نے ایسا ہی کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس کیا ضمانت ہے کہ بادشاہ سلامت ان کے ساتھ مہذب اور دوستانہ سلوک کریں گے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر انہوں نے برطانوی حکومت کی خوشنودی حاصل کی تو بادشاہ سلامت بھی ان کی طرف راغب ہونگے۔ انہوں نے مزید کہا کہ تہران میں برطانوی حکومت کو ان کے ساتھ ایسی سختی سے نہیں پیش آنا چاہیے کہ پھر وہ روسیوں سے مدد لینے پر مجبور ہوں اسی دوران امیر عبدالرحمٰن کا طرزِ عمل بھی ثابت ہو جائے گا۔ اس بیان سے میں نے یہ اخذ کیا کہ ایوب خان کو اس بات کا خوف ہے کہ جب وہ تہران جائیں گے تو ان کے ساتھ برطانوی حکومت کی طرح سخت طریقے سے سلوک کیا جائے گا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۹

برطانوی راج کی عنایتیں

أ۔ زمینوں کا بندوبستی نظام

اپنے قبضے کے ابتدائی مراحل میں برطانوی حکمرانوں کے کارناموں میں سب سے اہم زمینوں کی بندوبست کا عمل ہے جو انہوں نے برٹش بلوچستان کے مختلف تحصیلوں میں کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ معلوم کیا جائے کہ ان زمینوں سے کتنی آمدن اکھٹی ہو گی اور اس سے بھی اہم یہ تھا کہ زمین اور پانی پر کوئٹہ، سبی، پشین اور تھل چٹیالی کے زمینداروں کے دعووں اور حقِ ملکیت کا تعین کیا جا سکے۔

یہاں یہ ذکر بیجا نہیں ہو گا کہ ان علاقوں کے بارے میں تاریخی تفصیلات نامور مصنف ابو فضل نے ۱۵۸۸ء میں "آئینِ اکبری" میں دی ہیں۔ سیوی کے بارے میں اس میں بتایا گیا ہے کہ اس کی زرعی زمینیں پنڑی افغانوں کی ملکیت ہیں جبکہ دکی اور اس کے آس پاس کی زمینیں ترین اور کاکڑ افغانوں کی ہیں۔ کاسی افغان شال اور مستونگ کی زمینوں کے مالک ہیں (اگرچہ تنہا نہیں)۔ جبکہ شوراوک، مشوانی (پنجپائی) اور سیگئی ترین (نزد گلستان) میں بھی افغان زمینوں کے مالک ہیں۔ اسی نسلی گروہ کے لوگ مشرقی کندھار کے علاقوں اولس پنڑی اور اولس میر خانی میں زمینوں کے مالک ہیں، جس کے جنوب میں بھکر سرکار کا سیوی محل ہے۔ کسی جگہ کی اس طرح کی تفصیل اس علاقے کے حوالے سے سوال اٹھاتی ہے جو ریلوے لائن کے ذریعے سبی کو ہرنائی سے ملاتی ہے۔ برطانوی قبضے سے پہلے دیگر حکمران (جیسے سندھ کے کلہوڑا، نادر شاہ افشار، احمد شاہ ابدالی اور افغانستان کے محمد زئی) بھی اسی نسلی گروہ (افغانوں) سے سیوی اور ملحقہ علاقوں کی زمینوں کے مالکوں سے ان کے حکمران ہونے کی حیثیت سے زمینوں پر سالانہ محصول وصول کرتے رہے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

برطانوی دور میں "حکومتِ ہند نے ۱۸۸۲ء میں رائے بہادر ہتورام کو سبی میں مقامی معاون اس مقصد کے لئے تعینات کیا کہ وہ تمام ایجنسی میں آمدن کے انتظام کا جائزہ لے کر رپورٹ دیں"۔ انہوں نے ۱۸۸۵ء میں اپنی رپورٹ جمع کروائی۔ یکم جنوری ۱۸۹۱ء سے ایچ۔ ایس بارنیس کو بلوچستان کا ریوینو کمشنر متعین کیا گیا۔ ریونیو نظم و نسق کی نگرانی کے ساتھ اسے انسپکٹر جنرل پولیس و جیل خانہ جات، کمشنر ایکسائز، آڈیٹر آف میونسپل اخراجات، رجسٹرار جنرل اور سیٹلمنٹس کمشنر کی ذمہ داریاں بھی دی گئیں۔

"تمام محکموں میں ترتیب اور نظام متعارف کر دیا گیا ہے جو پہلے ناممکن تھا۔ ریوینو، پولیس اور عدلیہ کی تنظیمِ نو کی گئیں۔ صوبائی آمدن کا کفایت شعاری سے بندوبست کیا گیا، حساب کتاب کو ترتیب دیا گیا اور تمام محکموں کی استعداد کو ریوینو میں اضافے کے ساتھ بڑھایا گیا جس کی وجہ سے ۱۸۹۱ء/۹۲ء کی رقم تمام اخراجات کے لئے کافی ہے۔

(Life of Sir Sandeman ۱۸۹۵, Page ۲۰۵)

زمینوں کا بندوبستی عمل سب سے پہلے کوئٹہ تحصیل میں شروع ہوا جہاں یکم اپریل ۱۸۹۷ء کو اس بندوبست کو متعارف کرایا گیا۔ اس کے بعد پشین تحصیل کی باری آئی جہاں ۱۸۹۷ء میں کام شروع ہوا۔ ہرنائی اور شاہرگ کی زمینوں کا سروے ۱۹۰۰ء میں اور سبی تحصیل کا ۱۹۰۱ء مکمل کیا گیا۔

۱۔ "سبی میں سروے کا کام شروع ہے اور تمام دیہاتوں کے آبپاشی والی زمینوں کا سروے ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں مکمل ہوا۔ اس تحصیل کا تفصیلی سروے ۱۹۰۰ء۔ ۱۹۰۱ء کی سردیوں میں شروع ہو گا"۔

۲۔ "اپریل ۱۹۰۰ء میں ریوینو کمشنر نے شاہرگ، ہرنائی اور سنجاوی کا دورہ کیا جہاں بندوبستی کام ہو رہا تھا۔ جنوری ۱۹۰۱ء میں کمشنر نے سبی تحصیل کا دورہ کیا اور وہ کئی دیہاتوں میں گئے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور وہاں انہوں نے بندوبستی کام کا معائنہ کیا "۔ Admn. Report of Balochistan (Agency ۱۸۹۹-۱۹۰۱)

۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۳ء میں بغیر خراج کے حاصل کی گئی نصیر آباد میں زمینوں کے بندوبستی عمل کا کام سیٹلمنٹ آفیسر ڈبلیو۔ڈبلیو سمارٹ اور اسسٹنٹ سیٹلمنٹ آفیسروں قاضی عبداللہ جان اور عزیزالدین نے ۲۳ اپریل ۱۹۰۷ء کو مکمل کیا۔ ہندو باغ تحصیل کی بندوبستی رپورٹ قاضی عبداللہ جان نے ۱۱مارچ ۱۹۰۵ء کو جمع کرائی۔ زمین سے آمدنی کی وصولی کی قیمت سبی میں ۹/ ۲، سنگان میں ۴/ ۱، کواٹ منڈائی میں ۶/ ۱ اور کوہلو کی زرکون زمینوں پر ۶/ ۱ مقرر کی گئیں ہیں۔

یہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ۱۸۴۶ء کے آس پاس سبی میں لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کے پیش نظر کندھاری حکمرانوں کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ سبی میں باقاعدہ محصول موقع پر وصول کر سکیں اس لئے انہوں نے آسان سا یہ راستہ چنا کہ پیداوار کی بجائے نقد کی صورت میں وصولی کی جائے۔ اس لئے وہ پورے سبی سے ۱۰۰۰ روپیہ سالانہ وصول کرتے رہے ۔۱۸۵۵ء میں کندھاری سرداروں کی حکمرانی کے ختم ہونے کے بعد امیر دوست محمد خان اور ان کے بعد امیر شیر علی خان بھی اسی شکل میں امحصول وصول کرتے رہیں۔ اس بات کا کوئی بھی ثبوت نہیں ہے کہ ان حکمرانوں نے کبھی بھی اس عمل کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن جب انگریزوں ربرطانویوں نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو ۱۸۸۰ء میں سنڈیمن نے ہرنائی اور تھل چٹیالی میں واپس پیداوار کی بنیاد پر لگان وصول کرنا متعارف کروایا اور انہوں نے حکومت کا ۶/ ۱ حصہ مقرر کیا۔ اسی وقت، انہوں نے دیہاتوں کے غلہ میدانوں سے حکومتی حصہ اٹھانے کی بجائے تمام زمینداروں کو ہدایت کی کہ وہ حکومتی حصہ تحصیل ہیڈ کوارٹر سبی میں واقع تاریخی قلعہ کے غلہ گوداموں میں پہنچائیں۔ یہ ظالمانہ عمل بیس سال تک جاری رہا۔ ۱۸۸۹ء کی ۲۶ جون کو خط نمبر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۷۶۰ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سبی دیوان گنپت رائے نے ڈپٹی کمشنر تھل چٹیالی کو مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھا:

۳۔ "عرض یہ ہے کہ میں نے ریونیو کمشنر کے خط کے پیرا تین کے حوالے سے سبی کے زمینداروں اور لمبر داروں سے اس معاملے پر بات کی ہے۔ اور پتہ چلا ہے کہ یہ سچ ہے کہ حجک کے علاوہ سبی تحصیل کے دیہاتوں کے دہپال، لونی اور کچھ مرغزانی زمیندار موجودہ انتظام سے مطمئن نہیں ہیں۔ انہیں ایک بار مسٹر کرافورڈ نے غلہ پہنچانے سے مستثنیٰ قرار دیا لیکن اب انہیں دوبارہ غلہ پہنچانا پڑ رہا ہے جو ان کے لئے بہت مشکل کام ہے۔ بہت سے مرغزانی، مزری، صافی، غلام بولک، نودھانی، داوی اور عثمانی اپنی لمبر داری کا حصہ ترک کرنے پر راضی ہیں اگر ان کو غلہ میدانوں سے گوداموں تک غلہ لانے کی فرض سے آزاد کیا جائے۔ لیکن زیادہ تر حجک، دہپال اور کچھ لونی اور کچھ مرغزانی لمبر داری خاحصہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں اور اسی انتظام کو برقرار رکھنے کے حامی ہیں"۔

۴۔ "لیکن تمام لمبر دار متفقہ طور پر اصرار کر رہے ہیں کہ جیسے بلوچستان کے دوسرے تحصیلوں میں لمبر داری کا وظیفہ اصل لگان جمع کرنے اور دیگر حکومتی کام کے عوض ملتا ہے۔ اسی طرح انہیں بھی پانچ فیصد کی ادائیگی ہونی چاہیے اور ان کی زمینوں کے حصے کے بدلے میں نہیں"۔

۵۔ "میں یہاں یہ ذکر کرنا چاہوں گا کہ سبی کے زمینداروں کو افغان حکومت کی طرف لمبر داری کا کوئی وظیفہ نہیں ملتا تھا۔ جب سبی ہماری حکومت کا حصہ بنی تو صرف برطانوی قبضے کے بعد ہی زمینداروں کو لمبر داری وظیفہ دیا گیا۔ میرے خیال میں اس وقت غلہ میدانوں سے لگان کا غلہ اٹھانا نامناسب تھا کیونکہ اس وقت اس کو ہمارے پاس پہنچانے کے لئے کوئی ٹھیکیدار دستیاب نہیں تھا۔ لیکن اب صورتحال مختلف ہے۔ اب ملک میں مکمل امن و امان ہے تو ہمیں غلہ میدانوں سے اپنا لگان اٹھوانے کے لئے ٹھیکیدار مل سکتے ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۶۔ "سبی کے زمینداروں کے لئے غلہ میدانوں سے ہمارے گوداموں تک لانا واقعی دشوار ہے۔ جبکہ بلوچستان کے دیگر اضلاع میں زمیندار غلہ میدانوں میں ہی لگان کا غلہ سرکار کو سونپ دیتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ اچھا ہو گا کہ ہم سبی کے زمینداروں کو بھی لگان کا غلہ سرکاری گوداموں تک پہنچانے کی مشکل سے مستثنیٰ کر دیں۔ اس سے نہ صرف زمیندار عمومی طور پر خوش ہونگے بلکہ وہ اپنی بیل گاڑیوں پر غلہ پہنچانے سے آزاد ہو کر زیادہ اور اچھی فصلیں اگا سکیں گے"۔

۷۔ "میں سمجھتا ہوں کہ بلوچستان کے باقی اضلاع کی طرح سبی کے زمینداروں سے بھی غلہ میدانوں سے لگان اٹھائی جائے تاکہ وہ گوداموں تک غلہ پہنچانے کی خواری سے بچ سکیں، لمبرداروں کو لمبرداری وظیفہ بغیر دوسرے حصہ داروں کے ساتھ بانٹنے کے دیا جائے۔ میرے خیال میں لمبرداروں کو پانچ فیصد کی بجائے ڈھائی یا تین فیصد حصہ دینا چاہیے تاکہ وہ ٹھیکیداروں کو گوداموں کی بجائے میدانوں میں ہی غلہ فروخت کر سکیں اور اگر ان کو چند من یا آنے کا نقصان ہوتا ہے اس کے ذریعے اس کو پورا کر سکیں۔ میرے خیال ایسا تب تک کرنا چاہیے جب تک سبی تحصیل کا سروے مکمل ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد بہتر طریقے سے اس پر سوچا جائے"۔

۸۔ "جیسا کہ کہا گیا کہ کچھ زمیندار لمبرداری کے حصے سے محروم ہونے کو پسند نہیں کریں گے اور وہ اسی موجودہ انتظام کو برقرار رکھنا چاہیں گے۔ لیکن سبی کے تمام لمبردار اور کچھ زمیندار اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ میرے خیال میں میری تجویز کی منظوری سبی کے تمام زمینداروں اور لمبرداروں کے مفاد میں ہے۔ جو زمیندار موجودہ انتظام کے حق میں ہیں، ان کو سرکاری غلہ گوداموں تک پہنچانے کی مشکل سے آزاد کر کے کافی اچھی ادائیگی کی جائے گی"۔

۹۔ "لیکن اگر میری مذکورہ تجویز کو آپ کی منظوری نہیں ملتی تو زمینداروں اور لمبرداروں کے لئے دشوار اس معاملے کو سبی کے شاہی جرگے میں پیش کیا جائے گا جو شاید یا تو

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

دونوں فریقوں کے درمیان اس معاملے کو اچھے طریقے سے حل کر دے گی یا پھر کوئی اور حل نکالے گی جو شاید موجودہ انتظام سے زیادہ قابلِ عمل ہو"۔

اسی فائل میں ۱۸۹۸ ء۔ ۱۸۹۹ء اور ۱۸۹۹ء۔ ۱۹۰۰ء کے دوران سبی تحصیل میں کالا پانی (آبپاشی) کی زمینوں سے حکومت کے ریوینو کے حصے کے اعداد و شمار بھی دئے گئے ہیں۔ اس وقت حکومتی ریونیو میں گندم، Barely, Sarshaf، جوار اور دیگر غلہ شامل تھا۔ میں یہاں دو سال کے اعداد و شمار نقل کر رہا ہوں جو ای۔ اے۔ سی دیوان گنپت رائے نے فراہم کی ہیں۔ ای۔ اے۔ سی سبی رائے بہادر دیوان گنپت رائے ۳۹ سال تک ملازمت کے بعد آخر ۱۹۱۵ء میں حکومت سے الگ ہوئے۔ ان ۳۹ سالوں میں سے انہوں نے ۲۵ سال سبی ضلع میں گزاریں۔ ان کہ جگہ پر رائے بہادر جمعیت رائے تعینات ہوئے۔

نمبر شمار	علاقہ	پانی کا حصہ	گندم	جوار
۱۔	بخرہ شکر خان	ایک پاؤ	۴۸۰۔۱۰	۱۵۷۔۲۱
۲۔	بخرہ غلام بولک	۲ پاؤ	۱۶۵۲۔۳۰	۸۱۳۔۰۸
۳۔	گلوشہر	۴ پاؤ	۱۶۶۵۔۲۰	۹۴۷۔۳۰
۴۔	داوی	ایک پاق	۳۸۹۔۰۵	۱۱۱۔۱۹
۵۔	عثمانی	ایک پاؤ	۳۶۲۔۰۷	۱۲۷۔۰۷
۶۔	صافی پیرک/صافی عبدالوہاب	۸ پاؤ	۱۲۱۷۔۰۷	۱۳۳۔۳۳
۷۔	مرغزانی/بوستان	ساڑھے آٹھ پاؤ	۶۰۷۔۱۳	۱۱۴۲۔۱۶

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۸۔	دہپال	۶ پاؤ	۱۷۷۴۔۰۳	۴۸۴۔۲۷
۹۔	مزری	۳ پاؤ	۱۰۷۴۔۰۴	۲۰۶۔۱۷
۱۰۔	لونی	۴ پاؤ	۲۱۷۳۔۳۳	۴۳۵۔۳۴
۱۱۔	حجک	۱۶ پاؤ	۵۲۳۶۔۳۶	۱۷۶۲۔۳۵
۱۲۔	کُڑک ومیونسپل سی و ریلوے(۹+۴+۱)	۱۴ پاؤ	---	----
	کل	**۶۸۔۱/۲ پاؤ**	**۱۹۳۹۳۔۲۴۷**	**۶۳۱۹۔۴۷**

سنڈیمن کی ۳۰ جون ۱۹۳۹ء کی تحصیل سبی کے مجوزہ رپورٹ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دیوان گنپت رائے ۱۹۱۷ء سبی تک لینڈ ریوینو کے معاملات دیکھ رہے تھے۔ اس رپورٹ کے صفحہ ۱۴ پر درج ہے کہ ناڑی گورج کا پانی حکومت کی نہیں بلکہ زمینداروں کی ملکیت ہے۔ آبپاشی کے محکمے کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ زمینداروں سے آبیانہ وصول کرے۔

اوپر بیان کئے گئے حقائق اور اعداد و شمار ہمیں کئی نتائج تک پہنچاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سبی تحصیل کے مذکورہ علاقوں سے حاصل ہونے والی گندم کا ۲۴۷۔۱۹۳۹۳ من حکومت کا حصہ بنتا تھا۔ جس کا مطلب ہے کہ سبی میں ۹۶۹۶۵ یا ایک لاکھ کے قریب من گندم پیدا ہوتی تھی۔ اسی طرح اگر لونی آبپاشی کے چار پاؤ پانی کے ساتھ ۱۰۸۶۵ من گندم اگا سکتے تھے تو حجکوں کو ۱۶ پاؤ پانی کے ساتھ ۴۳۴۶۰ من گندم اگا سکتے تھے جبکہ ان اعداد و شمار میں کے مطابق ان کی پیداوار ۲۶۱۸۰ من ہے جو کہ قریباً آدھی پیداوار بنتی ہے۔

سبی گزیٹئر کے صفحہ ۱۸۳ اور ۱۸۴ پر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"افغان حکومت کے دور میں سبی سے لگان / محصول کی رقم اور اس کی وصولی کے طریقے کے حساب سے مختلف اوقات میں مختلف رہی ہے۔ ۱۸۳۹ء میں ۱۱۰۰۰ روپیہ مقرر تھا لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ یہ نقد لیا جاتا تھا یا جنس میں۔ دستیاب حساب کتاب کے مطابق آخری بار یہ لگان ۱۸۴۲ء میں وصول کیا گیا تھا۔ ان دنوں سبی عارضی برطانوی قبضے میں تھا۔ یہ لگان جنس میں ربیع کی فصل پر ایک تہائی اور خریف کی فصل پر پانچویں حصے کے حساب سے وصول کیا گیا تھا۔ اس طرح کل آمدن ۳۶۸۴۵ روپیہ (ربیع: ۳۳۹۵۷ روپیہ اور خریف: ۲۸۸۸ روپیہ) بنی ہے۔ برطانویوں کے نکلنے کے بعد باروزئی سردار نے آمدن کی وصولی کا یہی طریقہ کار قائم رکھا۔ ۱۸۴۶ء میں اوسط محاصل ۳۰۰۰۰ روپیہ تھا۔ پرانے نظام کی طرف واپسی کے بعد نقد بنیاد پہ ۱۰۰۰۰ روپیہ سالانہ مقرر کیا گیا۔ جو باروزئی سردار کا قبیلہ کے نائب اور مقامی گورنر وصول کرتا تھا۔ اور یہ عہدے موروثی لحاظ سے اسی قبیلے میں تھے۔ یہ تمام رقم (۴۰۰ روپیہ کے استثناء کے ساتھ) دریائے ناڑی سے سیراب ہونے والی زمینوں کے حساب سے محصول کے طور پر مقرر تھی جو مختلف قبائل میں تقسیم کی گئی تھیں۔ چونکہ کُڑک کی زمینیں باروزئی سرداروں کی جاگیر بنتی تھیں اس لئے ان سے لگان وصول نہیں کی جاتی تھی۔ "میونسپل کی زمینیں" جو افغان حکومت نے باروزئی سرداروں کے لئے باغات کے طور پر منظور کی تھیں، اس پر بھی لگان نہیں تھا۔ یہ نظام ۱۸۷۸ء تک سبی پر دوبارہ برطانوی قبضے کے وقت تک قائم رہا۔ ۷۹۔۱۸۷۸ء میں انگریزوں نے پرانے افغان حکومتی نظام کے مطابق آمدن وصول کی جو ۹۶۸۳ روپیہ بنی۔ اس سے اگلے سال سر رابرٹ سنڈیمن کے حکم کے مطابق اس نظام کو جنس میں وصولی کے نظام میں تبدیل کیا گیا اور دونوں فصلوں (ربیع و خریف) کی کل پیداوار میں حکومت کا چھٹا حصہ (One-sixth) مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک خروار غلے کا ساڑھے چار قصاص چونگی کی مد میں لیا گیا۔ اس تبدیلی سے ۸۰۔۱۸۷۹ء میں وصول ہونے والی آمدن ۳۳۹۳۰ روپیہ سے ۸۱۔۱۸۸۰ء میں ۵۸۶۷۴ روپیہ تک بڑھ گئی۔ ۱۸۹۱ء میں چونگی ختم کی گئی لیکن پیداوار پر آمدن کی شرح چھٹے سے دونویں (Two-ninth) حصے تک بڑھادی گئی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

" ۱۵۔۱۹۱۴ء کی خریف سے سبی تحصیل میں تجرباتی طور پر تشخیص کی بجائے بٹائی کا نظام متعارف کرایا گیا جو کامیاب رہا"۔

سبی کے زمینداروں پر عائد کردہ لگان کی شرح، جو کندھار کے حکمرانوں کی طرف سے لگائی گئی تھی اور انگریزوں نے اس کو جاری رکھا، شاید پورے صوبے میں سب سے زیادہ تھی۔ اور شاید کندھار میں بھی اتنی ہی زیادہ تھی۔ ان وجوہات کا پتہ لگانا دلچسپ ہو گا جن کی بنیاد پر کندھاری سرداروں اور ان کے بعد انگریز حکمرانوں نے اتنا جابرانہ محصول لگایا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے سنگان باروزئی حکمرانوں کی ایک عمدہ مثال موجود ہے کہ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے پنڑی افغان زمینداروں سے لیا جانے والا "بیگار" ختم کرانے کے لئے اپنی بات رکھی اور بیگار ختم کرانے میں کامیاب رہیں۔ پھر محصول کے نظام کا معاملہ، باروزئی سرداروں کی طرف سے افغان اور برطانوی حکمرانوں کے سامنے اٹھانے میں ناکامی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اگست ۱۹۰۰ء میں تحصیل سبی کی سب تحصیل سنگان میں زمینوں کے بندوبستی عمل کے دوران حکومت کی طرف سے ہر گاؤں کی سطح پر لمبرداروں کی تعداد کے حوالے سے تنازعہ پیدا ہوا یہ سوال دو لعون ملکوں، ملک نصیر اور ملک کوندل نے اٹھایا۔ ان کے مطابق نئے حقوق کے ریکارڈ میں لمبرداروں کی پرانی تعداد رہنی چاہیے جو ۱۲ تھی۔ ان ۱۲ ملکوں کی تقسیم کچھ یوں تھی:

۱۔ لعون	۴
۲۔ بیرونی	۲
۳۔ سودی	۲
۴۔ ایسویٹ	۱

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵۔	علی خیل	۱
۶۔	موسیٰ خیل	۱
۷۔	ژدون	۱
	کل	۱۲

سنگان کے باروزئی سرداروں اور اس وقت کے سیٹلمنٹ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی یہ رائے تھی کہ چونکہ اس سنگان گاؤں کے تین مالک (لعون، پیرانی اور سودی) ہیں لہٰذا لمبر داروں کی تعداد کو بھی ۱۲ سے کم کر کے ۳ کیا جانا چاہیے۔ تاہم اخر میں فیصلہ ہوا کہ یہی ۱۲ لمبر دار اپنا کام جاری رکھیں گے اور آنے والے وقتوں میں پھر ان کی صحیح تعداد کو دیکھا جائے گا۔ برطانوی دور کی ابتدا یا شاید اس سے بھی پہلے کے زمانے میں ایک ہی گاؤں سنگان میں ۱۲ لمبر داروں کا ہونا افغانوں میں موجود شدید تقسیم کو ظاہر کرتی ہے۔ بہت سے لکھاری انگریزوں کو "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے لئے موردِ الزام ٹھہراتے ہیں ۔ اس وقت کے سماجی اور سیاسی حالات پر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کہ اس پالیسی کو کندھار کے حکمرانوں اور ان کے مقامی باروزئی گورنروں نے ہی عملی شکل دے رکھی تھی۔

لمبر داری کے علاوہ سنگان کے باروزئی جاگیر داروں میں ٹکراو کا ایک اور ذریعہ بھی تھا ۔ ان کے بارے میں سبی ایجنسی کی انتظامی رپورٹ ۰۹۔۱۹۰۸ء اور ۲۱۔۱۹۲۰ء میں درجِ ذیل تفصیل دی گئی ہے:

۱۰۔ "اکتوبر ۱۹۰۶ء میں حکومتِ ہند نے سنگان باروزئی جاگیر کی مستقبل میں جانشینی کے لئے کچھ احکامات جاری کئے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"۱۹۰۷ میں رحمدل خان اور نوروخان کی موت کے بعد ان احکامات کو نافذ کیا گیا، اور اس عمل پر باروزئی جاگیرداروں نے اعتراض کیا۔ ۹ اگست ۱۹۰۸ء کو سارے جاگیردار، ماسوائے اس چھوٹے قبیلے کے سربراہ تاجو خان اور ان کے دو بھائیوں شاہ محمد اور غوث بخش کے، سنگان چھوڑ کر اپنے خاندانوں کے ساتھ تحصیل شاہرگ کے ایک گاؤں میاں کچھ چلے گئے اور انہوں نے اس علاقے کے سربراہ سید افضل شاہ کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ سید افضل شاہ، محراب خان باروزئی کے رشتہ دار ہیں۔ سنگان کے دو لمبردار قادر سودی اور مولاداد یدون (جدون، ژدون) بھی باروزئی جاگیرداروں کے ہمراہ تھے"۔

"حفظِ امن اور اس قبیلے کے سربراہ تاجو خان اور اس کے رشتہ داروں کو ضرر نہ پہنچانے کی ضمانت کے طور پر ان تارکینِ وطن سے ۵۰۰۰ روپیہ کی ضمانت لی گئی۔ اور انہیں خبردار کیا گیا کہ وہ بغیر اجازت کے میاں کچھ چھوڑنے یا سنگان واپس آنے کی جرات نہ کریں۔ انہیں یہ بھی سمجھایا گیا کہ ان کے اس عمل کے بعد سنگان میں ان کی جائیداد و املاک پر اب حکومت کا اختیار ہو گا اور وہ جیسے چاہے ان کو بیچے یا ضبط کرے"۔

"لنگھانی مری حاجی صاحب داد اور کریم داد کی استدعا پر، اس کا اہتمام کیا گیا کہ تاجو خان اور ان تارکینِ وطن کے قائدین ہنہ کے صاحبزادہ خوش محمد اور خیر وجان کے پاس جائیں، جو ان دونوں فریقوں کے مذہبی صلاح کار ہیں، اور ان کے ذریعے اپنے اختلافات ختم کرائیں"۔

"انہوں نے اکتوبر ۱۹۰۸ء میں ایسا ہی کیا اور اپنے پیر میاں حسن کے مزار پر حلف لیا کہ وہ آئندہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستانہ انداز میں رہیں گے۔ واپسی پر جب لنگھانی سربراہ حاجی صاحب دادا اور کریم داد، محراب خان اور مہردل باروزئی کی خصوصی درخواست پر ان تارکینِ وطن کو سنگان واپس لانے پر قائل کرنے کے لئے گئے تو ان میں سے کچھ اڑیل لوگوں نے اس وقت تک واپس آنے سے انکار کر دیا کہ جب تک حکومت ان کی جاگیر کے حوالے سے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اپنے احکامات واپس نہیں لیتی وہ نہیں آئیں گے ۔ محراب خان اور مہر دل خان واپس سنگان آنے کے خواہشمند تھے لیکن انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی اور انہیں سبی میں ہی رکھا گیا"۔

" ۲۵ فروری ۱۹۰۹ء کو محراب خان اور مہر دل خان نے اپنی اور میاں کچھ میں موجود مہاجرین کی طرف سے سنگان واپس آنے کی درخواست دی لیکن انہیں بتایا گیا کہ جب تک تمام مہاجرین کی طرف سے درخواست نہیں آتی اور سنگان میں پر امن رہنے کی ضمانت کے طور پر ۵۰۰۰ روپیہ پیش نہیں کیا جاتا تب تک ان کو سنگان واپس آنے کی اجازت نہیں دی جائے گی"۔

" ان شرائط کو ماننے پر ان مہاجرین کو سنگان واپس آنے کی اجازت دی گئی اور امید کی گئی کہ اب یہ معاملہ حل ہو گیا"۔

"(۲۱۔۱۹۲۰ء) میں کُڑک اور سنگان کے باروزیوں کے درمیان ایک غیر معمولی جھگڑا شروع ہوا۔ معافی حقوق کے بارے میں شکایتیں رکھنے والے سنگان کے کچھ باروزئی افغانستان فرار ہو گئے"۔

بلوچستان ایجنسی کی سالانہ ایجنسی رپورٹ برائے ۰۹۔۱۸۰۸ء کے صفحہ ۲۳ پر درج ذیل عبارت ہے:

"اگرچہ کوئٹہ، پشین، شاہرگ، سنجاوی، نصیر آباد، سبی، ہندو باغ، قلعہ سیف اللہ اور بوری کی تحصیلوں میں سروے کے نتیجے میں زمینوں کے حقوق کا ریکارڈ مرتب کر لیا گیا ہے۔ صرف پہلے پانچ تحصیلوں میں زمین پر محصول نقد تشخیص کی بنیاد پر مقرر کیا گیا ہے"۔

برطانوی دور میں زمینوں کے حوالے سے بحث سمیٹتے ہوئے میں یہاں اس وقت کے بلوچستان کے ریونیو کمشنر اور بعد میں این۔ڈبلیو۔ایف۔پی[1] کے گورنر او۔کے کیرو کی جون

[1] اس صوبے کو ۱۸ویں ترمیم کے تحت اب خیبر پشتونخوا کا نام دیا گیا ہے۔ مترجم

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۳۹ء میں مرتب کی ہوئی رپورٹ Forecast Report for Sibi Tehsil سے یہ اقتباس یہاں نقل کروں گا:

"پنجاب اور سندھ کی نسبت فی کیوسک پر محصول بہت کم ہے۔ اور نہر کو دیرپا کام کا درجہ دینا چاہیے۔ پانی زمینداروں کی ملکیت ہے اور نہر کو دیسی آبپاشی کے نظام کی توسیع کہنا چاہیے۔ حکومت نے ۱۹۱۷ء میں ۴/۱۔ ۲ لاکھ روپے سے نہر پر بند تعمیر کر کے پانی کی فراہمی اور کنٹرول کو کافی بہتر کر لیا۔ ۱۹۱۷ ء اور ۱۹۱۹ء کے درمیان پانی کی تقسیم کے طریقہ کار کو نئے خطوط پر استوار کر کے اپ گریڈ کیا گیا۔ جس پر ۲۲۔۱۹۲۱ء کے آخر تک ۵۷۳۳۷۰ روپیہ کے اخراجات آئے۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے محصول میں اضافہ کرنے کے حق میں بہت سے دلائل دیئے گئے لیکن تاہم یہ شرح ۹/۱ رہی۔ اس اضافے کی مخالفت اس لئے کی گئی کہ (آ) سبی میں محصول پہلے ہی بلوچستان سے زیادہ ہے جہاں شرح ۶/۱ کے حساب سے ہے، (ب) پانی زمینداروں کی ملکیت ہے، (ت) اگر محصول میں اضافے کی بات کی جاتی تو وہ کبھی بھی اس نظام کو بہتر بنانے کے لئے راضی نہ ہوتے۔ ۱۹۱۳ ء میں پولیٹیکل ایجنٹ اور زمینداروں کے درمیان ہونے والے معاہدے کی دوسری شق میں یوں لکھا گیا ہے۔ "اس حوالے سے اٹھنے والے اخراجات کی مد میں ہم سے عمومی بٹائی کے علاوہ کوئی اضافی محصول وصول نہیں کیا جائے گا"

اس سرکاری ثبوت کی بنیاد پر پتہ چلتا ہے کہ بلوچستان حکومت کی طرف سے کبھی کبھار طلب کرنے کے باوجود سبی تحصیل کے پنڑی (افغان) زمینداروں نے آبیانہ نہیں دیا۔

ب. شہری علاقوں / قصبوں کا قیام

انگریزوں کی آمد سے پہلے برٹش بلوچستان میں (سبی اور پشین کے علاوہ) کوئی بھی جدید شہری علاقہ نہیں تھا۔ کوئٹہ، ہرنائی، زیارت، لورالائی، فورٹ سنڈیمن، چمن اور دیگر آبادیاں زیادہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تر دیہاتوں کی شکل میں موجود تھیں۔ چونکہ اس علاقے کو قبضہ کرنے کے پیچھے صرف اپنے فوجی مقاصد آگے بڑھانے کا مقصد تھا اس لئے نگریز نے سب سے پہلے اہم نوعیت کی جگہوں پر اپنی چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان چھاؤنیوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے نتیجے میں مختلف قصبے بننے لگے۔ اس صورتحال کو ذیل میں دیئے گئے اقتباس میں بہت اچھے طریقے سے بیان کیا گیا ہے جو برطانوی دور کی ایک فائل نمبر A.G.G. Year ۱۹۲۸ – Main Head Miscellaneous بعنوان Memo Submitted to Statutory Commission on Reforms in Balochistan سے لیا گیا ہے:

"بلوچستان کی آبادی تین حصوں پر مشتمل ہے، فوج، قصبوں میں آباد لوگ اور قبائلی افراد۔ یہ قبضہ حکومتِ ہند کی ایما پر خالص تذویری مقاصد کے لئے کیا گیا۔ کوئٹہ، چمن، لورالائی اور فورٹ سنڈیمن میں برطانوی فوجوں کی حفاظت اور فلاح کے لئے ان علاقوں میں نظم و نسق کا نظام بنانا چاہیے۔ گذشتہ صدی کی ۸۰ اور ۹۰ کی دہائیوں میں برطانوی قبضے سے پہلے یہاں شہری آبادیوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ بنیادی طور پر فوج کی ضرورتوں کی فراہمی کے نتیجے میں وجود میں آئیں۔ البتہ اب وہ کسی حد تک، ریلوے کی وجہ سے، افغانستان اور ایران کے ساتھ، بڑھتی ہوئی تجارت پر بھی انحصار کرنے لگے ہیں۔ یہ شہری آبادیاں اجنبی لوگوں پر مشتمل ہیں، جو زیادہ تر پنجاب سے آتے ہیں اور اپنی ضروریتیں پوری کر کے واپس اپنے گھر لوٹ جاتے ہیں"۔ (سر ہنری ڈوب کا ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو لکھا گیا نوٹ)۔

بہت سے دیگر کاموں میں مردم شماری کا انعقاد، ریلوے لائن کی تعمیر، تارکول کی سڑکیں، بجلی، ہسپتال، سکول، میونسپلٹی کا نظام، پولیس، جیل، اور عدالتیں وغیرہ شامل ہیں جس نے ان دیہاتی آبادیوں کو جدید شہروں میں تبدیل کیا۔ یہ تمام تبدیلیاں برطانوی دور میں آئیں جو اس سے پہلے کے افغان دور میں نہیں تھیں۔ برطانوی حکومت نے ہمارے لوگوں کو قرونِ وسطی کے اندھیروں سے نکال کر جدید دور میں داخل کر کے انہیں اس کے فوائد و نقصانات سے آشنا کیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اپنے آپ کو ان تبدیلی کے مطابق ڈھالنا کئی نسلوں کے لئے مسئلہ رہا اور اب تک کئی لوگ مسئلے کے طور پر اس سے نبرد آزما ہیں۔

اس وقت کے ایجنٹ ٹو گورنر جنرل بلوچستان مسٹر بارنیس نے ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کو "بلوچستان کی پہلی جامع مردم شماری" قرار دیا اور اس پر انہوں نے کولِن اور دیوان گنپت رائے کا اس کے کامیاب انعقاد پر اور ہیو ملر کا اس کی رپورٹ لکھنے پر شکریہ ادا کیا۔ اس مردم شماری کا نتیجہ بڑا دلچسپ ہے۔ اس میں صوبہ کی مسلمان آبادی میں براہوی ۲۹۲۸۹۷، پٹھان ۱۹۹۴۵۷ اور بلوچ ۸۰۵۵۲ شامل ہیں۔ آبادی کے اس تناسب کے حوالے سے بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹ برائے سال ۰۹۔۱۹۰۸ء میں درج ذیل عبارت لکھی گئی ہے:

"تمام ملک کو اپنا نام دینے والے بلوچ آبادی کے لحاظ سے زیادہ نہیں ہیں۔ براہوی اور افغان دونوں ان سے تعداد میں زیادہ ہیں"۔

"پورے برطانوی دور کے دوران کوئٹہ اور سبی صوبے کے دو اہم ترین قصبے رہے۔ ۱۸۷۶ء میں برطانوی قبضے سے پہلے کوئٹہ میں، جو قلعہ کے ارد گرد واقع تھا، ۴۰۰۰ باشندے رہتے تھے۔ ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان، جب پہلی مردم شماری منعقد کی گئی، آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ اور آخر الذکر سال میں کوئٹہ کی آبادی ۱۸۸۰۲ نفوس پر مشتمل تھی جن میں سے ۷۵۰۰ نفوس چھاؤنی میں اور ۱۱۳۰۲ سول لائن اور ریلوے کے حدود میں رہتے تھے"۔

"اس پورے مقام میں مسٹر بارنیس نے شجر کاری کی جو کندھار میں دوسری افغان مہم کے اختتام پر فوجوں کی واپسی کے بعد کوئٹہ کے انچارج تعینات ہوئے"۔

" سر رابرٹ سنڈیمن کی رضامندی سے مسٹر بارنیس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس پورے علاقے میں پودے لگائیں گے۔ دو یا تین سو اونٹوں پر کندھار سے درخت لاد کر سڑکوں کے اطراف

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں لگائے گئے۔ ریزیڈنسی گارڈن میں بھی کندھاری آڑو کے پیوند لگائے گئے"۔ (کوئٹہ۔پشین ڈسٹرکٹ گزیٹئر)۔

سبی "موجودہ قصبے کو ۱۸۷۸ء میں دوبارہ قبضے کے بعد تعمیر کیا گیا۔ اس کا پچھلا نام سنڈیمن آباد تھا۔ جس جگہ پر یہ واقع ہے وہ کسی وقت سبی کے باروزئی سرداروں کی بلا شرکتِ غیرے جاگیر تھی اور باغات کہلاتی تھی۔ اب یہ زمین میونسپلٹی کو دی گئی ہے۔ ۱۸۸۶ء میں اس کی آبادی کا تخمینہ ۵۰۰۰ افراد لگایا گیا تھا۔ اس میں ۸۰۰ دکانیں اور ۱۰۰۰ گھر تھے۔ فوج کے انخلا اور ریلوے کے کام کی تکمیل کے بعد اس قصبے کی خوشحالی کم ہوئی اور آبادی ۲۹۰۰ تک آ گئی۔ یہ قصبہ پھر سے خوشحال ہوا اور ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے وقت اس کی آبادی ۴۵۵۱ تھی۔ سبی مقامی حکومت اور پولیٹیکل ایجنٹ کا سرمائی صدر مقام ہے۔ شاہی جرگہ بھی موسم سرما میں سبی میں منعقد ہوتا ہے۔ اس کی کاروائی عام طور پر اے۔جی۔جی کی منعقدہ عوامی دربار پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اسی دوران سالانہ میلہ اسپاں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم عمارت وکٹوریہ میموریل ہال ہے جو عوامی چندے سے ۱۹۰۳ء میں بنائی گئی اور اب اس میں شاہی جرگہ کی نشستیں ہوتی ہیں۔ حکومتی دفاتر اور سرکاری کوارٹرز کے علاوہ اہم عمارات میں ڈسپنسری، بارنیس بوائز سکول، گرلز سکول، گیسفورڈ لائبریری، زنانہ ہسپتال اور دودھر مشالہ شامل ہیں۔ چھاؤنی قصبے کے شمال مغرب میں پرانے قلعے کے قریب واقع ہے۔ یہاں ریلوے کے بھی بہت سی عمارات ہیں"۔ (سبی ڈسٹرکٹ گزیٹیر)۔

ت۔ تعلیمی اداروں کا قیام/برٹش بلوچستان اور اس کے اطراف میں تعلیم کی تاریخ

سبی کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے صفحہ ۲۳۱ پر درج ہے:

"برطانوی قبضے سے پہلے حکومتی سطح پر تعلیم کا کوئی نظام موجود نہیں تھا۔ ملارٹے کے ذریعے لڑکوں اور کچھ لڑکیوں قرآن پڑھاتے تھے، اور پھر ایسے لوگ مزید مذہبی تعلیم حاصل

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کرنے کے لئے اور قانون پڑھنے کے لئے کندھار یا سندھ میں کئی سال گزارتے تھے۔ ملا پڑھانے کے پیسے نہیں لیتے البتہ گاؤں والے اسے زکٰواۃ دیتے ہیں۔ اپنی پیداوار کا دسواں اور اپنی مویشی کا چالیسواں حصہ مختلف موقعوں پر خیرات کرنا اور زکٰواۃ میں دینا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ نظام ابھی تک ضلع میں برقرار ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۰۳ء میں ایسے ۹۶ اداروں میں ۸۶۱ لڑکے اور ۶۵ لڑکیاں علم حاصل کر رہی تھیں"۔

۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۷ء کے انتظامی رپورٹ میں سر اولیور سینٹ جون نے لکھا تھا، "بلوچستان میں تعلیم کا نہ ہونا خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس ملک کے باشندے، چاہے پٹھان ہوں، بلوچ یا براہوی، ابھی تک تعلیم کی قدر سے لاعلم ہیں۔ اس لئے اپنے بچوں کے لئے مفت تعلیم کے لئے قائل ہونے سے ابھی بہت دور ہیں۔ بچوں کو سکول بھیجنے کی ترغیب کے طور پر ان کو مالی امداد دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے بچوں کو سکول بھیجیں"۔

یہاں دینیز[1] آئی۔ سی۔ ایس کے خیالات کا مختصر ورژن پیش کیا جارہا ہے جو انہوں نے ۱۹۱۳ Census of India کے صفحہ ۱۲۲ اور ۱۲۳ پر لکھے ہیں:

"ہم جو تعلیم دیتے ہیں اس کو اپنے فائدے کے لئے استعمال نہ کرنے کا الزام قبائلیوں کی ہچکچاہٹ کو دیتے ہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس کا الزام غلط کندھوں پر ڈال رہے ہیں۔ ہمیں ان کو مقامی تعلیم دینی چاہیے لیکن ہم جو تعلیم دے رہے ہیں وہ کسی بھی طرح دیسی یا مقامی نہیں ہے۔ قبائلیوں کے لئے اردو ہندوستان کی ایک اجنبی زبان ہے جو ایک اجنبی عدالت اور ایک اجنبی انتظامیہ کی زبان ہے۔ اس میں عجیب خیالات سانس لیتے ہیں جو ان کے قدیم اطوار اور اداروں کے لئے ایک لعنت ہے"۔

---

[1] Denys

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"لیکن یہ فارسی ہے جس میں قرآن عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ فارسی کی درس و تدریس اور فارسی کے کلاسک پڑھنا ملا کے نصاب کا سب سے اہم حصہ ہے۔ فارسی ابھی تک خان کے دربار کی سرکاری زبان ہے۔ خان اور اس کے سرداروں کے درمیان تمام خط و کتابت اسی میں ہوتی ہے۔ یہ مہذب دنیا کی عام زبان ہے۔ ہزاروں لوگ اسے سمجھتے اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ دھواری شکل میں یہ بلوچستان کی مقامی زبان ہے۔ بلوچی اس کی کزن اور پشتو اس کی ایک قریبی رشتہ دار ہے۔ ابھی تک فارسی کی روح پورے ملک کی روح میں گھلی ہوئی ہے"۔

۳جون ۱۹۲۶ء کو شملہ سے اے۔جی۔جی کے سیکرٹری مسٹر بیسکو کی طرف سے محکمہ تعلیم، حکومتِ ہند کے سیکرٹری کو (نمبر ۹۰۷) لکھے گئے خط میں درج ذیل تبصرہ ہے:

"بلوچستان میں تعلیم کا سوال نہایت پیچیدہ ہے۔ تعلیم کے حوالے سے آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: مقامی آبادی اور باہر سے آئے ہوئے آبادکار۔ موخرالذکر طبقہ زیادہ تر سرکاری عملے پر مشتمل ہے جو سندھ اور پنجاب سے لائے گئے ہیں۔ مقامی آبادی میں تعلیم کی پیش رفت سست ہے۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں، فاصلے زیادہ ہیں، قبائلی زندگی کی ضروریات سخت ہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے چھوٹے بچوں نے بھی ہاتھ بٹانا ہوتا ہے۔ اس میں قبائلی معاشرے کے اندر موجود وراثتی تعصب اور عصبیت نے بھی اضافہ کیا ہو گا جس نے ان کو باہر کی دنیا سے کاٹا ہے۔ قبائلیوں کے اندر یہ شکوک بھی موجود ہیں کہ کہیں یہ تعلیم ان کی اتھارٹی کو ختم نہ کر دے یا پھر تعلیم حاصل کرنے کے بعد اگر ان کا بیٹا کسی سرکاری عہدے پر آتا ہے تو اس کے دشمن پیدا نہ ہو جائیں۔ ایک اور مشکل ملا کے مدرسے ہیں جو سکول سے متصادم ہیں۔ بلوچستان میں ۲۳۴ مسجد سکول ہیں"۔

یہ معلومات اتنی فکر انگیز تھیں کہ اس کے نتیجے میں میں نے سبی اور سنگان میں انگریزوں سے پہلے کی اور بعد کی حکومتوں کے تعلیمی نظام کے حوالے سے ایک قسم کی تحقیق کا آغاز

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کیا۔ اس تحقیق میں مزری، باروزئی، کلہوڑا، سدوزئی اور محمد زئی کی بالترتیب سبی، ڈھاڈر، سندھ، کندھار اور کابل سے کی جانے والی حکومتیں شامل تھیں۔ اس معاملے پر مزید اور مکمل تحقیق شرط ہے لیکن کوئی بھی ان اچھے وقتوں کے ان لوگوں کی تعلیمی اسناد کا بغور جائزہ لینے سے اس کا آغاز کر سکتا ہے جنہوں نے اس کے بارے میں لکھا یا کچھ صورتوں میں سیوی سنگان میں خدمات انجام دیں۔ معصوم بخاری، جنہوں نے ۱۶۰۰ء میں "تاریخِ معصومی" لکھی، سیوی کو فتح کرنے والی مغل فوج میں تھے۔ اور بعد میں اس ضلع کے گورنر بھی رہے۔ یوسف میرک شاہ ولد عبدالقاسم نمکین نے ۱۶۳۴ء میں "تاریخ مظہرِ شاہجہانی" لکھی، ان کے والد نے مغل کے مقرر کردہ اہلکار کے طور پر سبی پر حکمرانی کی تھی۔ ان دونوں آثار میں تاریخ، آمدن اور سبی کے ان افغانوں (پنڑی) پر حکومت کرنے کی مشکلات کے باب موجود ہیں۔ ان دونوں مصنفیں نے لگتا ہے بخر (بھکر) سندھ سے تعلیم حاصل کی تھیں۔ سترہویں صدی میں ڈھاڈر اور سیوی کے ایک مقامی پیر اخوند ملا ملی صافی (پنڑی افغان) اور ان کے ایک ساتھی ملا مصری افغان نے بالترتیب پنجاب کے جھنگ میں سلطان باہو کی درگاہ اور دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ "ترکھان نامہ" (۱۶۵۴ء) کے مرتب سید میر محمد ولد سید جلال تھاتوی نے شاید سندھ میں ٹھٹھہ سے تعلیم حاصل کی تھی، اب تک طبع زاد اثر "گلدستہ نورس بہار" (۱۷۲۷ء) کے مولف منشی عبدالروف شکارپوری / بخری ۱۷۰۰ء میں باروزئی حکمرانوں کے چیف سیکرٹری تھے۔ ان حکمرانوں میں سے جب ایک ملتان کے مغل گورنر پرنس معیزالدین ۱۷۰۲ء سے متصادم ہوئے تو منشی نے باروزیوں کو چھوڑ کر ان کے پیر و کلہوڑا کے ہاں ملازمت اختیار کی۔ لاہور کے نامور مصنف غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "تاریخِ سندھ" میں لکھا ہے کہ سوائے مشہور شاعر مرزا غالب کے فارسی نثر کے، کوئی بھی ہندوستانی عالم منشی کی فارسی نثر کے جوہر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ منشی عبدالروف شکارپوری نے بخر سندھ میں علم حاصل کیا تھا۔ قاضی نور محمد گنجبوی نے گنداواہ سے تعلیم حاصل کی تھی جنہوں نے اپنی کتاب 'جنگ نامہ' (۱۷۶۴ء) کے ایک باب میں سنگان کے بختیار خان باروزئی کی قیادت میں پنجاب میں پنڑی فوجوں کا ذکر کیا ہے جو احمد شاہ ابدالی کی مدد کر رہے تھے۔ تھل چٹیالی کے ملا محمد شادوزئی (جنہوں نے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۷۶۶ء میں "نسب نامہ باروزئی" لکھا) یہ نہیں بتاتے کہ انہوں نے کہاں تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح تھل چٹیالی کے ملا فاضل میر انزئی لونی کی تعلیم کا علم نہیں کہ انہوں نے کہاں سے حاصل کی (انہوں نے اپنا 'نسب نامہ باروزئی' ۱۸۲۸ء میں لکھا)۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ ثبوت نہیں ہیں لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں نے دکی تحصیل کی چٹیالی میں ناناصاحب کے درگاہ میں تعلیم حاصل کی ہوگی۔ محمد ولی زملے کے 'مشاہیر کندھار' (صفحہ ۱۳۷) کے مطابق ناناصاحب (جن کا تعلق پشین کی خانوزئی گاؤں سے تھا اور ۱۷۴۰ء میں چٹیالی میں فوت ہوئے) ایک عالم فاضل شخص تھے۔ ان کے کئی شاگرد تھے اور وہ سلسلہ نقشبندیہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کوئٹہ پشین کے ضلعی گزیٹیر میں انہیں عبدالحکیم ولد سکندر شاہ پشین تحصیل کے یوسف کچھ کا شموزئی کاکڑ بتایا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انہوں نے ۱۷۳۰ء کے قریب چٹیالی میں مدرسہ قائم کیا ہو اور جہاں ان دو مورخوں، ملا محمد شادوزئی اور ملا فاضل میر انزئی لونی، نے تعلیم حاصل کی ہو۔ انیسویں صدی کے آغاز میں یہ مدرسہ برقرار نہیں رہا ہوگا اور اس وجہ سے مذکورہ بالا دونوں ملاوں نے مجبور ہو کر مزید مذہبی تعلیم کے لئے سیوی اور بھاگ ہجرت کی ہو۔ اس کے بعد کچھ ثبوت موجود ہیں کہ مدرسہ کتبر شریف (جو سبی جیکب آباد لائن پر بیل پٹ ریلوے سٹیشن کی مشرق میں ۲۰ میل دور واقع تھا) نے کئی تعلیم یافتہ افراد پیدا کئے ہوں گے جو اسلامی قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کے عدالتی فیصلے کیا کرتے تھے۔ ۲۵ صفحوں پر مشتمل فارسی زبان کی تاریخ کے ایک مخطوطے کے مطابق کتبر شریف کے میاں نے اصل میں گندواہ کے علاقے مورہ/مولا سے ہجرت کی تھی۔ ان کا تعلق ابرہ قبیلے کی شاخ واڈار گھوٹہ سے تھا۔ وہ اٹھارویں صدی کے دوسرے نصف میں خانِ قلات ناصر خان کے دور میں آئے۔ ان میں سے کچھ نے چھتر اور لہڑی کے نزدیکی قصبوں میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۱۳ء میں ان مولویوں کی ایک پرانی لڑائی کا فوری تصفیہ کیا گیا۔ برطانوی دور کے ابتدائی سالوں میں سیوی۔ ہرنائی۔ کوئٹہ۔ پشین کے علاقے میں ذیل میں دیئے گئے مشہور ملا موجود تھے۔ ان کا ذکر کوئٹہ پشین گزیٹیر (۱۹۱۳ء) کے جلد بی کے صفحہ ۴۶ اور سبی گزیٹیر (۱۹۰۷ء) کی جلد بی میں صفحہ ۹ پر موجود ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۔ اخوند زادہ عبد العلی۔ خانوزئی (پشین)

۲۔ پیر عبد السلام۔ پشین پرانا بازار

۳۔ حاجی محمد صدیق۔ سریاب کوئٹہ

۴۔ ملا رحمت اللہ ولد ملا پایو خدرانی۔ شاہرگ

۵۔ ملا ادریس ولد تاجو مریزئی اسپانی۔ ہرنائی

۶۔ سید میاں افضل شاہ۔ میاں کچھ سپین تنگی

۷۔ قاضی محمد عثمان ولد ملا عبد العلیم علیزئی۔ کُڑک سبی

۸۔ ملا خدا بخش ولد عبد الحکیم۔ لونی سبی

۹۔ ملا محمد یعقوب ولد محمود تلگر۔ حجک سبی

۱۰۔ ملا یعقوب ولد ملا حاجی موسیٰ خیل۔ سنگان سبی

۱۱۔ سید عنایت شاہ ولد سید اچھن شاہ۔ شاہ پور کچھی

ان مذکورہ ملاوں کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں کہ انہوں نے کہاں سے تعلیم پائی، سوائے ملا خدا بخش لونی کے جنہوں نے ہمایوں شکار پور کے مشہور عالم مولوی عبد الغفور ہمایونی سے تعلیم حاصل کی۔ ہمایوں کا یہ مدرسہ انیسویں صدی کا مشہور ادارہ تھا جس نے کئی نامور مذہبی عالم پیدا کئے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ملا لونی ہمایوں میں تعلیم مکمل کر کے ۱۹۰۰ء میں واپس آئے اور انہوں نے لونی مسجد میں کئی طلبا اور مولویوں کو پڑھایا جو سبی میں بعد میں مختلف لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ وہ ریشمی رومال سازش کے مولانا عبید اللہ سندھی کے ہمدرد بتائے گئے ہیں جنہوں نے ۱۹۱۵ء میں اپنے سندھ، سبی، کوئٹہ، گلستان، شوراوک سے کندھار اور کابل کے سفر کے دوران ان سے جامع مسجد لونی (سبی) میں ملاقات بھی کی تھی۔ کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ مذکورہ مولانا مشکاف کے قریب لونی گاؤں میں مولانا عبد العزیز کے ہاں بھی ٹھہرے تھے۔ ۱۹۲۰ء کے آس پاس دیوبندیوں اور دوسرے علماء کی کوششوں سے خلافت اور ہجرت کی عوامی تحریکیں شروع ہوئیں جو دوسرے علاقوں کے ساتھ ساتھ بالائی سندھ اور سبی میں بھی پھیل گئیں۔ ان تحریکوں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نے اس علاقے کے لوگوں میں سیاست (انگریز کے خلاف) متعارف کروائی۔ مجھ سے متعلق ایک تاریخی واقعے کا ذکر مفتاح العلوم مدرسے سبی کے سربراہ نے اپنے والد مرحوم ملا احمد سے سنا تھا۔ انہوں نے ۷ اگست ۱۹۹۷ کو سیٹلائٹ ٹاؤن میں مجھے اس کی تفصیل کچھ یوں سنائی: خلافت اور ہجرت تحریکوں کے مشکل دنوں میں اسلام حامی، جہاد حامی، اور انگریزوں کے خلاف احتجاج نے سبی کا علاقہ بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایک دفعہ حجک گاؤں کے گلان شاہ جب مشہور حکیم توراب علی شاہ سے یعقوب خان باروزئی کے علاج کے سلسلے میں قمبر سندھ میں تھے تو وہ مولوی تاج محمد امروتی (سکھر) کی سلامی کے لئے گئے۔ انہوں نے سبی کے لوگوں کی انگریز کے حامی ہونے پر سرزنش کی۔ مولوی نے گلان شاہ اور اس کے ۱۴ ساتھیوں کو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ مسلمان کہلانے کے بھی لائق نہیں۔ سبی کے یہ لوگ سخت پریشان ہوئے۔ مولوی تاج محمد کی اصل حکمت عملی اس طرح ان کو مجوزہ خلافت تحریک کی طرف راغب کرنا تھی۔ یہ واقعہ اور اس طرح کے دیگر واقعات سبی میں لوگوں کی احتجاجی سرگرمیوں میں شامل ہونے کی تصدیق کرتے ہیں۔

برٹش بلوچستان کے قوم پرستوں کے لئے یہ دلچسپ ہوگا کہ خان عبدالغفار خان نے:

"۱۹۱۴ میں اپنے ساتھیوں مولوی فضل محمد اور مولوی فضل ربی کے ہمراہ مولانا محمود حسن (شیخ الہند) کی درخواست پر دیوبند کا دورہ کیا۔ مولویوں کے اس چھوٹے سے گروہ نے یہ فیصلہ کیا کہ این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے قبائلی خطے میں ایک مرکز قائم کر کے برطانوی قبضے سے ہندوستان کو آزاد کرنے کی جدوجہد شروع کی جائے۔"

(P. ۲۴ of Khan's Biography by Tendulker)

جون ۱۹۹۹ء میں "ضربِ مومن" کے ایک شمارے میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ افغانستان میں طالبان کے متعارف کئے ہوئے اسلام کا منبع علماء دیوبند کی کوششیں ہیں۔ اسی اخبار نے دارالعلوم دیوبند کے ایک دروازے کی تصویر بھی چھاپی ہے جو بادشاہ ظاہر شاہ نے بنوایا تھا۔ اس

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سے ہمیں افغانستان کے اندر علماء دیوبند کے نفوذ کا پتہ چلتا ہے۔ اور شاید اسی حقیقت کی بنیاد پر بادشاہ امان اللہ نے دیوبند سے افغان طالب علموں کی تعلیم پر پابندی لگادی تھی۔

اتوار ۱۰ اگست ۱۹۹۷ء کے روزنامہ "ڈان" میں پروفیسر محمد علی شیخ نے سندھ میں تعلیم کی حالت پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"سندھ میں مدرسوں کی کہانی کا تعلق انیسویں صدی کے تیسرے ربع حصے میں سرسید احمد خان کی قیادت میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہونے والی بیداری سے ہے۔ اس وقت مسلمانوں کا صدیوں پرانا نظام تعلیم انگریزوں کی انتظامیہ کے آگے ڈھیر ہو گیا۔ مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے سماجی، اخلاقی اور معاشی لحاظ سے دوسرے قوموں ہندو، پارسی اور سکھ سے بہت پیچھے رہ گئے۔ ان حالات میں سرسید احمد خان علیگڑھ کی تحریک کے ساتھ ابھرے۔ اور ۱۸۷۵ء میں انہوں نے کامیابی سے علیگڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج قائم کیا۔ یہ اپنے وقت کے مشہور اداروں آکسفورڈ اور کیمبرج کی طرز کا رہائشی ادارہ تھا۔ لیکن ان سے ایک فرق خصوصیت کے ساتھ، اس میں مذہبی تعلیم بھی نصاب کا حصہ تھیں۔ علیگڑھ کی کامیابی سے متاثر ہو کر اس وقت کے ایک بابصیرت شخص حسن علی آفندی نے سندھ میں اپنی مسلمان برادری کے لئے ایسا ہی کوئی اہم کام کرنے کا سوچا۔ اسی دوران ان کی ملاقات ایک اور مشرقی عالم اور مسلمانوں کی تعلیم کے حمایتی جسٹس سید امیر علی سے ہوئی۔ امیر علی اس وقت وکیل تھے اور انہوں نے نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کے نام سے ایک تنظیم بھی بنائی تھی۔ اس نے آفندی کو پیشکش کی کہ وہ سندھ میں اس ایسوسی ایشن کی شاخ کھول کر ادارے بنانے کے لئے کام کریں۔ پیشکش قبول کی گئی اور سندھ میں ایسوسی ایشن کی شاخ آفندی کی صدارت میں قائم ہوئی۔ اس سے سندھ مدرسہ کے قیام کا عمل شروع ہوا۔ یکم ستمبر ۱۸۸۵ء کو مدرسہ باقاعدہ طور پر شروع ہوا۔ اس مدرسے کا سنگِ بنیاد اس وقت کے وائسرائے اور ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ لٹن نے نومبر ۱۸۸۷ء میں ایک پروقار تقریب میں رکھا تھا۔ مدرسے میں طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہی وہ وقت تھا جب قائداعظم محمد علی جناح نے بھی مدرسۃ الاسلام میں داخلہ لیا۔ وہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ساڑھے چار سال تک اس مدرسے سے منسلک رہیں۔ مدرسے کے پرانے ریکارڈ کے مطابق "محمد علی جناح بھائی" ۱۴ جولائی ۱۸۸۷ کو اول سٹینڈرڈ میں داخل ہوئے، "خوجہ" ان کا فرقہ اور کراچی ان کے گھر کے طور پر درج تھا"۔

بہر حال برٹش بلوچستان کے ملاؤں اور ان کے شاگردوں نے اپنی مذہبی تعلیمات ہندوستان / سندھ کے مذہبی اداروں سے حاصل کی تھی یا پھر انہیں سندھی ملاؤں نے پڑھایا۔ اس کے مقابلے میں ناکافی ثبوت موجود ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے لئے کندھار کا رخ کیا ہو گا کیونکہ غلزئی اور درانی حکمرانوں کے دور میں افغانستان میں تعلیم کے کوئی اہم ادارے موجود نہیں تھے۔ اس مشاہدے کی تصدیق ایک حالیہ تحقیق میں بھی کی گئی ہے جس کی کچھ عبارتیں یہاں پیش کی جائیں گی۔ یہ چونکا دینے والا مشاہدہ ہے کہ "اسلام کی سرزمین" افغانستان مذہبی تعلیم اور اداروں کے لئے "کفر کی سرزمین" ہندوستان پر پر انحصار کر رہا تھا۔ میرے خیال میں ۱۸۶۷ء میں دہلی کے قریب دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد ہندوستان اور سندھ میں (نہ کہ افغانستان) میں اعلیٰ تعلیم کے ادارے دستیاب ہوئے۔ چونکہ ہم یہاں تک تعلیم پر بات کر رہے ہیں تو یہ بے جا نہیں ہو گا کہ ہم ان اہم اور بڑے اداروں پر بھی ایک نظر ڈالیں جو انیسویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں ہندوستان میں قائم ہوئے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ افغانستان، بلوچستان اور برطانوی ہندوستان کے ملاوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات دیوبند (سہارنپور) ہندوستان سے حاصل کیں اور وقت کے ساتھ انہوں نے ایک ایسی برادری یا اتحاد قائم کیا جس کا برٹش بلوچستان اور افغانستان کے تعلیمی اور سیاسی حالات پر گرفت رہی اور اب تک جاری ہے۔

مشہور ہندوستانی اخبار "مدینہ" کے اپریل ۱۹۳۹ء کے جوبلی نمبر میں بعنوان "چند تعلیمی ادارے۔ دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنو، جامعہ ملیہ اسلامیہ" میں صفحہ ۹۱ پر شہباز کا لکھا ہوا ایک مضمون ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی / بغاوتِ ہند میں شکست اور مسلمانوں کی حکمرانی کے خاتمے کے بعد قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

برطانوی پادریوں کے حملے سے اسلامی تہذیب اور مذہب کو بچانا تھا۔ ۱۹۳۵ء تک اس سے فارغ التحصیل علماہندوستان، دوسرے اسلامی ممالک کے ساتھ ساتھ قبائلی علاقوں (یاغستان) اور افغانستان میں بھی تھے۔ اس ادارے کی علمی بنیاد شاہ ولی اللہ اور اس کے بانی مولوی محمد قاسم نانوتوی کی تعلیمات پر رکھی گئی تھی۔ بہت جلد ہندوستان کے مسلمانوں پر ظاہر ہوا کہ یہاں دی جانے والی صرف دینیات کی تعلیم انہیں اپنی زندگی گزارنے کے لئے کمانے کے قابل بنانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس لئے روزگار کا مسئلہ حل کرنے اور صورتحال میں توازن لانے کے لئے سرسید نے ۱۸۷۲ء میں ایک ادارہ قائم کیا جسے ایم۔اے۔او کالج علیگڑھ کا نام دیا گیا۔ قدامت پسند ملاوں نے ان کی اس کوشش کی مخالفت کی لیکن انگریزوں نے اس کی حمایت کی ۔ اب ایک طرف دارالعلوم دیوبند کی رہبانیت اور دوسری طرف علیگڑھ کی جدیدیت کے نتیجے میں مسلمان ان دو انتہاوں کے درمیان تقسیم ہو گئے۔ ان دو انتہاوں کے درمیان توازن لانے کے لئے ۱۸۹۷ء میں لکھنو میں دارالعلوم ندوۃ العلماء قائم ہوئی ۔ اس نے عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں روایتی اور جدید کورس دینے شروع کئے۔ لیکن یہ بھی اس وقت کے برصغیر کے مسلمانوں کی بیروزگاری کی مسائل کم نہ کر سکے۔ ان دونوں اداروں کے بعد شیخ الہند محمود حسن نے اکتوبر ۱۹۲۰ء میں دہلی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے پہلے امیر حکیم اجمل خان تھے اور بعد میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری ان کے جانشین بنے۔

مذکورہ بالا مضمون کے دعوے کے برعکس ہمیں مولانا عبید اللہ سندھی کی ذاتی ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ ۱۹۱۵ء میں (۱۹۳۵ء سے کہیں پہلے) افغانستان میں شراوک جا رہے تھے تو راستے میں سبی اور کوئٹہ کے علاقے میں کئی دیوبندی علما سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ان کی کندھار اور کابل کی طرف سفر میں مدد کی۔

اسی سے متعلق یہاں ہم علی بنو عزیزی اور مائرن وئینز کی مرتب کی ہوئی کتاب The State, Religion and Ethnic Politics – Pakistan Afghanstan and Iran

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

(۱۹۸۷) سے ایک اہم اقتباس نقل کرتے ہیں۔ تعلیمی نظام پر بات کرتے ہوئے مصنف ایڈن نیبی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"مغربی طرز تعلیم کے ادارے بننے سے پہلے، دانشورانہ اور مذہبی سرگرمی کی بنیاد اسلامی نظام تعلیم ہی تھی۔ یہ نظام اپنے ہمسایہ ملکوں کی نسبت افغانستان میں پوری طرح اس لئے نہیں پنپ سکا کہ افغانستان برصغیر، وسط ایشیا اور ایران سے زیادہ تر ثقافتی تعلقات میں رہا۔ سیاسی دباؤ اور افغانوں کی اجنبیوں سے نفرت، نے مل کر ہمسایوں کے ساتھ ان ثقافتی تعلقات کو برقرار رہنے نہیں دیا۔ سیکھنے کے معتبر ادارے نہ ہونے اور کمزور معیشت نے کبھی بھی افغانستان میں اسلامی اداروں کی ترقی نہیں ہونے دی۔ اس ثقافتی تنہائی نے افغانستان کو اٹھارویں اور انیسویں صدی کے نوآبادیاتی جدوجہد کے عروج کے دوران ڈبو دیا۔ ہرات اور بلخ، جو کسی وقت اور خصوصاً پندرویں صدی میں علم کے مراکز تھے، کابل پر تسلط حاصل کرنے کے لئے پشتونوں کے مختلف گروہوں کے درمیان میدانِ جنگ بن گئے۔ پھر اس کے بعد انیسویں صدی میں عبدالرحمٰن کے قدرے مستحکم دور میں ممکن ہوا کہ انہوں نے تعلیمی اداروں کی بحالی کے لئے کوششیں کیں۔" (Eden Naby, p. ۱۲۹)

"جیسے ایرانی مذہبی سیاسی اشرافیہ کا معاملہ ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی ملا اپنے متعقدین پیدا کرنے اور خیالات کی ترویج کے لئے مذہبی مدرسوں کے نیٹ ورک اور خیراتی چندوں پر انحصار کرتے ہیں۔ افغانستان میں معتبر مدرسہ سسٹم کی عدم موجودگی کی وجہ سے علم کی تلاش میں لوگ باہر کی ملکوں کا رخ کرتے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ مذہبی تعلیم کے لئے روس کے وسط ایشیائی مدرسہ یا برطانوی ہندوستان جاتے رہے ہیں۔ اسی عمل کی وجہ سے اپنے گھر میں اس طرز کا کوئی بھی نظام بنانے کے مواقع محدود رہے۔ اس طرف بہت کم علما نے توجہ دی یا جنہوں نے توجہ دی بھی تو صرف اپنے صوفیانہ نظریات کو آگے بڑھنے کے لئے۔ ۱۹۲۰ء کے عشرے میں جب دیوبند جانے پر پابندی لگی اور روس کا وسط ایشیائی مدرسہ بند ہوا تو افغان سستے اور قابلِ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

رسائی جگہوں سے تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہو گئے۔ اس دوران آنے والے عشروں میں صرف چند لوگوں نے عرب دنیا کا رخ کیا اور جامعۃ الازہر تک گئے، ان میں سے ایک مثال برہان الدین ربانی ہیں۔ یہاں تعلیم ابلاغ کے حوالے سے کچھ مشکل تھی کیونکہ عرب زبان میں تھی جبکہ بخارا اور ہندوستان میں فارسی میں ہونے کی وجہ سے قدرے آسان تھی"۔

اگرچہ اس مصنف نے نہیں کہا لیکن ایک اور مصنف نے کہا ہے کہ بادشاہ امان اللہ خان نے افغانی علما کی دیوبند سے اعلیٰ تعلیم پر پابندی لگائی تھی۔ ہم یہ بات عزیز اللہ پکتوی (روزنامہ کوہستان کوئٹہ، ۲۷ ستمبر ۱۹۹۷ء) کے حوالے سے کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ اپنے سات مہینے کے غیر ملکی سفر کے اختتام پر بادشاہ امان اللہ خان نے بارہ نکاتی لائحہ عمل کا اعلان کیا (۱) افغانستان کی خواتین بغیر حجاب کے جا سکتی ہیں، (۲) لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجا جائے گا، (۳) علما دیوبند کے افغانستان میں داخلے پر پابندی ہو گی، (۴) کوئی ملا بغیر سند کے مذہبی تعلیم نہیں دے گا، (۵) عددی طاقت کی بنیاد پر ہر کسی کے لئے فوجی تربیت لازمی ہو گی، (۶) ہفتہ وار چھٹی جمعہ کی بجائے جمعرات کو ہو گی، (۷) سرکاری اور فوجی اہلکاروں کو پیری مریدی کا سلسلہ اپنانے کے لئے حکومت کی اجازت لینی ہو گی، (۸) طالب علم صرف اس وقت شادی کر سکیں گے جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر لیں، (۹) کابل کے رہائشیوں کو مغربی لباس پہننا چاہیے، (۱۰) کوئی بھی شخص اپنی بیٹی یا بہن کی شادی کم عمر میں نہیں کر سکے گا، (۱۱) اپنے خاوندوں سے کشیدہ تعلقات کے نتیجے میں خواتین طلاق لے سکیں گی، (۱۲) شہریوں کی ایک وقت میں صرف ایک بیوی ہو گی۔

امیر امان اللہ کے ان بارہ نکات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے آدھے نکات افغانستان میں عورتوں کی حیثیت کے حوالے سے ہیں اور یہ صحیح بھی ہیں۔ کیونکہ سب غیر افغان لکھاری اس بات پر متفق ہیں کہ روایات، مذہب اور پشتونولی کے نام پر اپنے مردوں کے ہاتھوں افغان عورتیں بدترین امتیازی سلوک کی شکار ہیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تعلیم کی تاریخ پر بحث جاری رکھتے ہوئے ذیل میں رابنسن کے اس خفیہ پیغام کو نقل کیا جارہا ہے جو انہوں نے کوئٹہ سے ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ء کو لکھا تھا:

" دہلی، لاہور اور دیوبند میں این۔ڈبلیو۔ایف۔پی، بلوچستان کے پشتون علاقوں اور افغانستان سے تعلق رکھنے والے کئی طالب علم مذہبی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پہلی تحقیقات کے مطابق دہلی کے مرکزی مدرسوں اور مکتبوں میں ۶۸۰ پٹھان تھے۔ ان میں سے ۵۸۰ کانگرس کے زیر اثر ہیں لیکن وہ جمعیت العلما کے اساتذہ یا دیوبند کے ملاؤں کے کنٹرول میں ہیں"۔

" مندرجہ بالا رپورٹ میں ہندوستان کے مختلف سکولوں میں کانگرس کے زیر اثر آنے والے پٹھان / افغان طالب علموں کا ذکر تو موجود ہے لیکن اس 'برائی' سے کیسے نمٹا جائے اس کا کوئی حل نہیں دیا گیا ہے۔ مزید تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ایسے ۹۰۰ طالب علم دہلی کے مدرسوں اور مکتبوں میں، ۱۰۰ دیوبند میں اور ۸۰۰ لاہور میں، موجود ہیں۔ ان میں سے ۷۰ دہلی میں اور دیوبند میں قریباً سب کانگرس کے زیر اثر ہیں۔ یہ دہلی کے جمعیت العلماء کے اساتذہ یا دیوبند کے ملاوں کے زیر سایہ ہیں جن کو کانگرس خفیہ طور پر امداد دیتی ہے۔ لاہور کے پٹھان مذہبی طالب علموں میں ایسا کوئی اثر موجود نہیں ہے"۔

اس تمام بحث اور تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انگریزوں کے جنوبی افغانستان کے علاقوں سبی اور پشین پر قبضہ کے وقت تک ان علاقوں میں تعلیم کا کوئی بھی معتبر نظام موجود نہیں تھا جو افغان حکمرانوں نے قائم کیا ہو۔ اگرچہ اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے لیکن اب تک کی تحقیق سے یہ پتہ چلا ہے کہ ان علاقوں سیوی، کوئٹہ، پشین میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ سکولوں کے قیام کا سہرا بھی انگریزوں کے سر جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ یہ سکول کالجوں اور ایک یونیورسٹی میں تبدیل ہوئے۔ لیکن ان اداروں کے حوالے سے اس ریجن کے لوگوں کے لئے ناپسندیدہ رہے ہوں گے۔ اور اس لئے ان علاقوں کے لوگوں کی بڑی تعداد ناخواندہ رہی ہوگی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کئی مہینے پہلے جب میں نے اپنی یہ رائے لکھی تو ۱۵ جون ۱۹۹۸ء کے روزنامہ ڈان میں مشہور مورخ ڈاکٹر مبارک علی کا ایک مضمون بعنوان Falsification of History میری نظر سے گزرا۔ مجھے درج ذیل عبارت بڑی دلچسپ لگی:

"سندھ کی تاریخ کا ایک اور اہم دور برطانوی راج ہے۔ اس کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ یہ راج اجنبی تھا لیکن عوامی فلاح کے لئے جو کام انہوں نے کئے وہ ہمارے اپنے حکمرانوں نے نہیں کئے۔ بہت سے سکول، کالج، سڑکیں، پل اور عوامی ضرورتوں کی عمارات بنیں۔ اسی دور میں سندھ جدید دور میں داخل ہوا"۔

ث۔ گورنمنٹ بارنیس ہائی سکول سبی کی تاریخ

نومبر ۱۸۷۸ء میں افغان علاقے سیوی کو قبضہ کرنے کے بعد برطانوی حکمرانوں نے ابتدائی سال اس نئے مقبوضہ علاقے پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں لگائے۔ پھر ۱۸۸۲ء میں انہوں نے میونسپل بورڈ کے فنڈ سے ایک سکول قائم کیا جو اینگلو ورنیکولر مڈل سکول سبی کہلایا۔ اس سکول کی خاطر آس پاس کے علاقوں میں کئی پرائمری سکول قائم کئے گئے۔ ۱۸۹۴ء میں پرائمری سکول شاہرگ، ۱۸۹۶ء میں پرائمری سکول کواس، ۱۹۰۲ء میں پرائمری سکول حجک، ۱۹۰۳ء میں پرائمری سکول سنگان، ۱۹۰۳ء میں ہی پرائمری سکول کُڑک، ۱۵ اگست ۱۹۱۰ء کو پرائمری سکول تلی اور ۱۹۱۳ء میں پرائمری سکول گلوشہر قائم ہوا۔

"۱۸۸۲ء میں پہلا اینگلو ورنیکولر سکول سبی میں کھولا گیا۔ اس کی عمارت، قیام اور دیگر چیزوں کے لئے ٹاؤن کے وسائل استعمال کئے گئے۔ ۱۸۹۷ء میں لوگوں کے چندے سے سبی میں لڑکیوں کا ایک سکول بھی قائم ہوا جسے اس میونسپلٹی کے وسائل سے برقرار رکھا گیا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"۱۸۹۸ء میں موجودہ سکول کی عمارت، جو بارنیس سکول کہلاتا ہے، پر ۳۳۱۵ روپیہ خرچہ آیا اس کے لئے ۱۴۱۰ روپیہ صوبائی وسائل سے اور باقی رقم عوامی چندے سے اکھٹی کی گئیں"۔ (سبی ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۲۳۱، ۲۳۲)۔

"۱۴ میں سے ۱۱ سکول کوئٹہ پشین ضلع میں ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل گیسفورڈ تعلیم میں خصوصی دلچسپی لیتے ہیں انہی کے دور میں ان ۱۱ میں سے ۱۰ سکول قائم کئے گئے"۔

"۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۷ء کے انتظامی رپورٹ میں (صفحہ ۱۶ اور ۱۷) سر اولیور سینٹ جون کہہ چکے تھے کہ بلوچستان میں تعلیم کا نہ ہونا خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس ملک کے باشندے، چاہے پٹھان ہوں، بلوچ یا براہوی، ابھی تک تعلیم کی قدر سے لاعلم ہیں۔ اس لئے اپنے بچوں کے لئے مفت تعلیم کے لئے قائل ہونے سے ابھی بہت دور ہیں۔ بچوں کو سکول بھیجنے کی ترغیب کے لئے ان کو مالی امداد دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے بچوں کو سکول بھیجیں"۔

سبی کے سکول کے حوالے سے ۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۷ء کے انتظامی رپورٹ میں لکھا گیا ہے:

"سبی میں سکول میں ایک ہیڈ ماسٹر اور ایک اسسٹنٹ ماسٹر ہے۔ یہ تجویز دی گئی ہے کہ ایک مولوی بھی تعینات کیا جائے۔ یہاں انگریزی، فارسی اور اردو میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ریاضی، جغرافیہ اور تاریخ پنجاب کے مڈل سکول کے معیار تک پڑھایا جاتا ہے"۔

"سال کے دوران طالب علموں کی تعداد اور روزانہ حاضری بالترتیب ۴۳ اور ۳۴ ہیں۔ کُرک کے پرائمری سکول میں روزانہ حاضری کا اوسط ۱۲ ہے۔ فروری ۱۸۸۷ء میں ایجنٹ ٹو گورنر جنرل نے سکول کا معائنہ کیا، ہائر کلاسوں کا جائزہ لیا اور انہوں نے سکول کی کارکردگی پر اطمینان کا اظہار کیا"۔

"طلباء کی اکثریت محمڈن ہیں۔ اور یہ خوش آئند بات ہے کہ ملک کی مقامی آبادی کے بہتر طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو سکول بھیج رہے ہیں۔ سکول ہر پہلو سے فائدہ مند ہوتا جارہا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سبی کے لئے ایجنٹ ٹو گورنر جنرل کے مقامی معاون رائے بہادر ہتورام سی۔ آئی۔ ای تعلیم کو آگے بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے اور تعلیم میں بہت دلچسپی لیتے ہیں"۔

تعلیم کی مد میں برطانوی خدمات کے حوالے سے میں چاہوں گا کہ وہ تفصیلات یہاں نقل کروں جو رستم جی روشن جی گولہ والا نے جنوری ۱۸۹۵ء میں اپنی مرتب کردہ کوئٹہ ڈائریکٹری میں صفحہ ۹ پر دی ہیں:

"اس ایجنسی میں تعلیم پر توجہ دی گئی ہے لیکن ابھی اس سلسلے میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ بلوچستان میں مندرجہ ذیل سکول ہیں:

۱۔ سنڈیمن سکول کوئٹہ

۲۔ لیڈی سنڈیمن گرلز سکول کوئٹہ

۳۔ دی یورپین سکول کوئٹہ

۴۔ سی۔ ایم۔ ایس۔ سکول کوئٹہ

۵۔ مڈل سکول سبی

۶۔ پرائمری سکول پشین

۷۔ پرائمری سکول خوشدل خان

۸۔ پرائمری سکول کچلاک

۹۔ پرائمری سکول خداداد زئی

۱۰ پرائمری سکول چمن

۱۱۔ پرائمری سکول گلستان

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۲۔ پرائمری سکول فورٹ سنڈیمن"

"شاہرگ اور لورالائی میں بھی سکول کا قیام پولیٹیکل ایجنٹس کے دھیان میں ہیں۔ کوشش کی جارہی ہے کہ سنڈیمن ہائی سکول سے منسلک بورڈنگ ہاؤس تعمیر کیا جائے۔ اس کی تکمیل پر یہ ادارہ پورے صوبے کے لئے فائدہ مندہ ہو جائے گا۔ ۹۵۔۱۸۹۴ء میں سندھ سے آنے والے لڑکوں کے لئے سندھی کلاس کا بھی اہتمام کیا گیا"۔

۸۹۔۱۸۸۸ء کی سالانہ انتظامی رپورٹ میں بھی سبی کے سکول کو "اینگلو ورنیکولر مڈل سکول سبی" اور اس کی دیہاتی شاخ کو ورنیکولر سکول کُڑک کہا گیا ہے:

"سکول میں داخل ۷۲ لڑکوں میں سے ۱۲ باروزئی، ۲ مری، ۱۴ سندھی اور ۳۸ پنجابی اور ہندوستانی ہیں۔ کُڑک کے سکول میں ۴ باروزئی اور ۴ ہندو بنیوں کے بیٹے ہیں"۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ سبی کا یہ سکول میونسپلٹی کے وسائل اور عوامی چندے سے چلتا تھا۔ حکومت کی طرف سے کوئی مالی امداد نہیں دی جاتی تھی۔

چھ سال بعد ۱۸۹۲ اور ۱۸۹۳ء میں کافی بہتری آگئی تھی۔ سر جیمز برونے نے اسی سال کی انتظامی رپورٹ میں لکھا کہ "بلوچستان میں تعلیم تیزی سے ترقی کر رہی ہے"۔

"کوئٹہ پشین ضلع میں سکولوں کی تعداد پانچ ہو گئی ہے۔ ایک تھل چٹیالی میں اور ایک ژوب میں ہے۔ ان سکولوں میں ۱۹۶ محمڈن ہیں جن میں ۱۰۴ مقامی پٹھان، براہوی اور بلوچ لڑکے شامل ہیں"۔

۱۸۹۹ء میں میں دیگر سہولیات کے ساتھ سبی سکول میں ایک نئی عمارت تعمیر ہوئی اور اس کا افتتاح اس وقت کے اے۔جی۔جی بلوچستان ایچ۔ایس بارنیس نے ۲۴ فروری ۱۸۹۹ء کو کیا اور انہوں نے یہ اجازت بھی دی کہ سکول کو ان کے نام سے منسوب کیا جائے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مس سیوفیر نگٹن کی کتاب Quetta-Its Monuments and Inscriptions ۱۹۹۲ کے مطابق کوئٹہ کے قدیم "سنڈیمن میموریل ہال" میں سر ہیو شیکسپیئر بارنیس (۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۰ء تک بلوچستان کے اے۔جی۔جی) کا ایک مجسمہ تھا جو مئی ۱۹۳۵ء کے تباہ کن زلزلے میں تباہ ہو گیا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں مرحوم کے۔ایس حاجی احمد خان لونی نے اپنے ذاتی نوکر (ماما شفیع محمد چاچڑ) کو ہدایت کی کہ وہ مجھے "سنمن ہال" لے جائے۔ اس احاطے میں جو ایک اہم چیز میں نے دیکھی وہ ایک مجسمہ تھا۔ اب مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ مجسمہ بارنیس کے اس مجسمے سے مشابہ تھا جو میں نے سیو کی کتاب کے صفحہ ۵ پر دیکھا۔ اس لئے سیو کے اس خیال سے شاید اتفاق نہ کیا جا سکے کہ مجسمہ تباہ ہو گیا تھا۔ وہ تو بالکل اپنی سالم حالت میں موجود تھا ۔۱۹۹۸ء میں تھوڑی سی تلاش کے بعد مجھے وہ مجسمہ اور اس کا ٹوٹا ہوا پائیدان کوئٹہ ضلعی عدالتوں کی عمارت میں واقع ڈسٹرکٹ ملحانہ میں مجھے ملا۔

پس اس طرح وجو میں آیا ہوا سکول، ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے فساد اور دیگر گردشوں میں بھی قائم رہا۔ میرے خیال میں ۱۸۹۹ء میں مٹی سے بنائی گئی عمارت کی مرکزی دیوار ابھی بھی موجود ہے جو بعد میں بنائی جانے والی کنکریٹ کے بھدے حصوں کی نسبت اب بھی فنِ تعمیر کی خوبصورتی کا نمونہ ہے۔ سکول کے موجودہ پرنسپل شاہ میر خان سیلاچی کے مطابق ۱۹۶۲ء میں اسے پائلٹ سکول اور ۱۹۸۷ء میں اسے دوبارہ گورنمنٹ بوائز ماڈل ہائی سکول کا نام دیا گیا۔ یہ قابلِ رحم بات ہے کہ مسٹر بارنیس اور رائے بہادر ہیتورام جیسے نام، بے معنی ناموں "پائلٹ" اور "ماڈل" میں تبدیل کئے گئے۔ صوبائی محکمہ تعلیم میں کوئی بھی اس تبدیلی کی وضاحت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی فرق بتا سکتا ہے کہ اس تبدیلی کی وجہ سے اس سکول کے نصاب یا غیر نصابی سرگرمیوں میں کیا بہتری آئی ہے۔ یہ اس سکول کی مزید بے عزتی ہے کہ اس کو جانے والا راستہ بھی اب تقریباً گدھا گاڑیوں اور تانگوں اور آس پاس پھیلے گند و غلاظت سے بھرا ہوا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس سکول کے سو سال ۲۴ فروری ۱۹۹۹ء کو پورے ہوئے۔ اس کا صد سالہ جشن ۲۸ فروری ۱۹۹۹ء کو سکول کی عمارت کے اندر صدرِ پاکستان کے ساتھ ایک بڑی تقریب میں اس کے ایک پرانے استاد کُڑک کے ماسٹر بشیر احمد ترین کی زیرِ صدارت منایا گیا اور اس میں یادگاری شیلڈ دی گئیں۔ اس جشن کو منانے کا ابتدائی خیال جنوری ۱۹۹۸ء میں راقم الحروف کا تھا جو میں نے اس وقت ریٹائرڈ ڈاکٹر محمد حیات عثمانی کو دیا اور انہوں نے اس حوالے سے متعلقہ افراد کو خط لکھ کر ایک اجلاس بلایا تاکہ اس پر بات ہو۔ حاجی عبدالرشید لونی، ممبر ریونیو بورڈ نے اپنے دفتر کے ذریعے حکومتِ بلوچستان سے اس جشن کے لئے کچھ وسائل کا انتظام بھی کیا۔ لیکن اب یہ شرم کا مقام ہے کہ ۲۰۰۰ء میں ایک بھی طالب علم اس سکول سے میٹرک پاس کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔

اس سکول میں ۱۹۰۱ء کے کل طلباء میں سے ۶۳ مقامی پٹھان تھے جبکہ اس سے پچھلے سال ۶۰ تھے۔ ان ابتدائی سالوں میں طلباء کی اتنی تعداد کافی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ ان دنوں سیوی، سنگان کے پنڑی افغان اور ہرنائی ریجن کے ترین اس جدید تعلیم کے فائدوں کے زیادہ معترف بھی نہیں تھے۔

۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء کے دوران ہجرت کر جانے والے سنگان کے باروزیوں کی حکومت کے احکام کے خلاف ناراضگی کے نتیجے میں ان کے گاؤں کا سکول بند ہوا اور گورنمنٹ بارنیس سکول سبی میں صرف ایک معلم سے کام لیا جاتا رہا۔ ۱۹۰۹ء اور ۱۱۔۱۹۱۰ء کی انتظامی رپورٹ میں آیا ہے:

۱)"بارنیس سکول کے لئے ۶۹۔۲۔۵۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ پر دوسرے معلم کا عہدہ منظور کیا گیا ہے اور مقامی معلم کی تنخواہ میں ۱۰ روپیہ ماہانہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ۳ روپیہ ماہانہ کے پانچ وظیفوں کی بھی منظوری دی گئی ہے جو زرعی طبقے سے تعلق رکھنے والے ان محمڈن لڑکوں کو دی جائے گی جو ضلع کے پرائمری سکولوں سے پاس ہو کر بارنیس میں داخلہ لیں گے۔ توقع ہے کہ یہ وظیفے مزید مقامی لڑکوں کو ثانوی جماعتوں میں داخلے کے لئے راغب کریں گے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲)بارنیس سکول کو یکم مارچ ۱۹۱۱ء سے صوبائی اختیار میں دیا گیا ہے۔اس سے پہلے یہ بازار فنڈ سے برقرار رکھا جارہا تھا۔ سبی بازار کے فنڈ کا صوبائی آمدن میں ۱۱۸۶ روپیہ سالانہ حصہ ہے۔ کُڑک اور حجک کے پرائمری سکول اور لیڈی میک موہن گرلز سکول کو سبی بازار فنڈ سے چلایا جارہا ہے۔ سبی میں کھوسٹ سکول اور سٹیشن سکول کو شمال مغربی ریلوے چلارہی ہے"۔

۱۳۔۱۹۱۲ء میں اینگلو مقامی مڈل سکول / بارنیس سکول سبی کے لئے ہاسٹل کی عمارت ۱۸۵۹۵ روپیہ میں تعمیر کی گئی۔ لیکن افسوم کی بات ہے کہ اس تاریخی اہمیت کی عمارت کو کچھ سال پہلے بغیر سوچے سمجھے گرا دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عمارت ان لوگوں کے لئے یادوں بھرا خزانہ تھا جو یہاں رہے تھے یا جنہوں نے یہاں خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۱۳ء میں گورنمنٹ پرائمری سکول گلوشہر اور اسی قسم کے سکول ہرنائی، درگی اور زیارت میں تعمیر کئے گئے اور ان کے ساتھ ۱۷-۱۹۱۶ء میں معلموں کے لئے رہائشی کوارٹر بھی بنائے گئے۔

۱۹۲۱ء میں اس وقت کے اے۔جی۔جی سر ارمین ڈیو کی زیر نگرانی کوئٹہ کے سنڈیمن سکول اور خلصہ سکول بوائے اسکاؤٹ کی تحریک شروع کی گئی۔ اس تحریک کے انتظام کے لئے خان بہادر عین الدین خان اسسٹنٹ ڈپٹی کمشنر، نجم الدین ضلعی سیکرٹری اور سردار محمد علی خان سنڈیمن سکول میں اسکاؤٹ ماسٹر تعینات ہوئے۔

بوائے سکاؤٹ تحریک کو اس کے بعد یقیناً جلد بارنیس سکول تک بھی بڑھایا گیا ہوگا۔ سرکاری دستاویزات کے مطابق ۱۹۳۵ء میں چوہدری دوست محمد بی۔اے، بی ٹی بارنیس سکول کے ہیڈماسٹر اور محمد ابراہیم (حجک) سیکنڈ ماسٹر تھے۔

۱۹۳۰ء میں بارنیس سکول سبی اور سنتان دھرم سکول کوئٹہ کو ہائی کا درجہ دیا گیا۔ حکومتی فائل کے مطابق جے لیچ ولسن ۴۱-۱۹۴۰ء میں سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن کے عہدے پر تھے۔ ان کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

معاون کے طور پر جون ۱۹۴۰ء تک سکولوں کے لئے ڈسٹرکٹ انسپکٹرز کام کر رہے تھے۔ اس کے بعد چوہدری عطا محمد، محمد سرور کی جگہ ژوب اور لورالائی کے لئے سکولوں کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر بنیں۔ اس دوران مس جی۔ جے لوبی۔ اے (OXON) لڑکیوں کے سکولوں کی انسپکٹرس تعینات ہوئیں۔

۱۹۳۸-۳۹ء میں بلوچستان طلبا یونین کی ہدایت پر بارنیس سکول کے طلبا نے ہڑتال کی تو ان کو ہاسٹل خالی کرنے کا کہا گیا۔ وہ (ایک طالب علم نصر اللہ لونی ولد خان صاحب حاجی احمد خان لونی کی دعوت پر) ہمارے سبی والے گھر میں رہنے آئے۔ یہ ہڑتال برٹش سپرنٹنڈنت ایجوکیشن مسٹر ولسن کی طرف سے ٹیوشن فیس میں اضافے کے خلاف کی گئی تھی۔ میر عبداللہ جان جمالدینی کے مطابق، دوسروں کے علاوہ، مسٹر خدا بخش چغتائی کُڑکی نے بھی اس احتجاج کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ چار سال کی عمر کا ہونے کی وجہ سے مجھے یہ واقعہ مبہم سا یاد ہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ گورنمنٹ پرائمری سکول گلوشہر ۱۹۱۳ء میں بنا۔ اسی سال بدراہ سے سکول کو چاندیہ گاؤں منتقل کیا گیا اور سبی میں گیسفورڈ لائبریری اور تیگے Tighe جم خانہ کے لئے عمارت کی منظوری بھی دی گئی۔

جنوری ۱۹۹۸ء میں اب کے گورنمنٹ مڈل سکول گلوشہر کے ہیڈ ماسٹر غلام محمد ولد محراب خان موسیانی نے حاجی عبدالرحمٰن کی مدد سے پرانے پرائمری سکول کے گودام کے ملبے سے دو پرانے رجسٹر برآمد کئے۔ ان میں سے ایک "داخل خارج رجسٹر" اور دوسرا "سٹاک رجسٹر" تھا۔ دونوں رجسٹر بہت خستہ حالت میں تھے۔ انہیں پڑھنے کے قابل بنانے کے لئے ایک ایک ورق از سر نو ترتیب دینا پڑا۔ ان میں کچھ قیمتی تاریخی معلومات تھیں:

۱۔ سیریل نمبر ۳۰ پر ایک طالب علم سہراب خان ولد محمد خان قوم سخی زئی (لونی) کا نام ہے جن کی تاریخ پیدائش یکم مئی ۱۹۰۲ء لکھی گئی ہے اور وہ ۸ اپریل ۱۹۱۳ء کو سکول میں داخل کئے گئے ہیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۔ علی خان ولد سردار گل محمد خان (نودھانی) کی تاریخ پیدائش ۸ نومبر ۱۸۸۶ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۱۹ اپریل ۱۹۱۳ء درج ہے۔

۳۔ مصری خان ولد حاجی عزیز خان لونی کی تاریخ پیدائش ۱۸۹۷ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ جون ۱۹۱۳ء درج ہے (وہ ۱۹۱۱ء میں اپنے والد کی وفات سے پہلے شادی شدہ تھے)

۴۔ عبدالکریم ولد یار محمد (خاصخیلی؟) کی تاریخ پیدائش یکم نومبر ۱۹۰۳ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۳ء لکھی گئی ہے۔

۵۔ جنگی خان لونی کے بیٹے (مولوی) شکر خان اور فتح خان دونوں ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو سکول میں داخل کئے گئے۔

۶۔ عبدالقادر ولد عبدالوھاب لونی کی تاریخ پیدائش ۳ فروری ۱۹۰۸ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء درج ہے۔

۷۔ ولی محمد خان ولد حاجی شاہ محمد خان (مرغزانی) کی تاریخ پیدائش ۵ ستمبر ۱۹۱۰ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۱ء درج ہے۔

۸۔ لالہ بشمبر ناتھ کے بیٹے امر ناتھ اور بیٹی سوشیلا دیوی ۱۷ نومبر ۱۹۲۱ء کو سکول میں داخل کئے گئے۔

۹۔ عبدالعلیم ولد حاجی سفر مندوانی پٹھان یکم جنوری ۱۹۳۳ء کو سکول میں داخل ہوئے۔

۱۰۔ گل محمد ولد ملک جلال خان ۱۵ اپریل ۱۹۳۴ء کو داخل کئے گئے۔

۱۱۔ یوسف خان ولد کمال خان کی تاریخ پیدائش ۵ فروری ۱۹۲۵ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۱۵ اپریل ۱۹۳۴ء درج ہے۔

۱۲۔ یعقوب خان ولد (فقیر) علی خان نودھانی بھی ۱۵ اپریل ۱۹۳۴ء کو داخل کئے گئے۔

۱۳۔ نصراللہ خان ولد مرحوم خان صاحب حاجی احمد خان لونی کی تاریخ پیدائش ۱۴ فروری ۱۹۲۷ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۵ مارچ ۱۹۳۵ درج ہے۔ (ان کی اصل تاریخ پیدائش ۱۶ اپریل ۱۹۲۴ ہے)۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۴۔ بہار خان (نودھانی) کی تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۱ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ یکم اپریل ۱۹۳۷ء درج ہے۔

۱۵۔ مصطفیٰ خان ولد اللہ داد لونی کی تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۰ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ جنوری ۱۹۳۹ء درج ہے۔

۱۶۔ محمد یعقوب (دھادل) ولد حاجی دھنی بخش جنوری ۱۹۳۹ء میں سکول میں داخل کئے گئے۔

۱۷۔ عبدالحکیم ولد عبدالکریم تاریخ پیدائش ۲۷ نومبر ۱۹۳۰ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء درج ہے۔

۱۸۔ محمد ہاشم ولد مولوی اللہ داد افغان کی تاریخ پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۵ء اور سکول میں داخلے کی تاریخ ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء درج ہے۔ ان کا نام پرائمری سکول گلوشہر کے داخل خارج رجسٹر میں سیریل نمبر ۴۲۳ پر لکھا گیا ہے۔

۱۸۔ دوست محمد ولد مراد قوم سمرہ ترخان ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو سکول میں داخل ہوئے۔

میں نے اوپر دی گئی معلومات کو اس لئے قدرے قیمتی کہا کہ ان میں قدیم گلوشہر کے مندوانیوں کی ذات کو 'افغان' لکھا گیا ہے۔ ان کے تازہ دعوے اس کے برعکس ہیں۔ اس سکول میں داخل ہونے والے پہلے تین طلبا میں دو لونی اور ایک نودھانی ہیں۔ جبکہ اس وقت سکول میں کوئی مرغزانی طالب علم نہیں تھا۔ ہندو لڑکیاں، جیسے سوشیلا دیوی، نودھانی، لونی اور مرغزانی لڑکوں کے ساتھ پڑھ رہی تھیں، یہ ایک اور دلچسپ حقیقت ہے جو مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں گورنمنٹ مڈل سکول گلوشہر کے موجودہ ہیڈماسٹر کو تجویز دوں کہ وہ سکول کی لائبریری کو "سوشیلا دیوی" کے نام سے منسوب کریں۔ یہ تاریخ سے اور حتیٰ کہ ان لوگوں سے جڑے رہنے ایک اچھا طریقہ ہو گا جو مسلمان نہیں تھے لیکن انہوں نے اسے بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ جیسا کہ ریلوے سٹیشن بیل پٹ کو سبی کے دوسرے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر رس بیل کی نام منسوب کرنے کی کئی اچھی وجوہات موجود تھیں۔ اس افسر نے سبی اور بالائی سندھ سرحد کے انتظامی امور میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نمبر ۱۴ پر جن بہار خان کا ذکر کیا گیا ہے ہو سکتا ہے یا شاید نہیں ہو سکتا کہ وہ گلو شہر جدید کے بہار خان نو دھانی ولد فقیر علی خان نو دھانی حسنی ترین سے مختلف شخص ہوں۔ جب ان سے تفصیلات پوچھی گئیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ ۵ مارچ ۱۹۳۱ کو پیدا ہوئے، یکم جنوری ۱۹۳۹ کو گورنمنٹ پرائمری سکول گلو شہر میں داخل ہوئے۔ اور پرائمری پاس کرنے کے بعد وہ جنوری ۱۹۴۵ میں گورنمنٹ بارنیس ہائی سکول سبی میں داخل ہوئے۔

مذکورہ بالا رجسٹر میں اس وقت کے سکول کے عملے کے بارے میں بھی کچھ معلومات موجود ہیں۔ ایک وقت اسی سکول کے طالب علم اور بعد میں یہاں کے استاد مسٹر جلال خان (نو دھانی) نے فرسٹ ماسٹر کا چارج ۲۷ اپریل ۱۹۲۰ء کو ماسٹر غلام نبی کو سونپا تھا۔ ۲۳ نومبر ۱۹۲۰ء کو ماسٹر غلام نبی نے چارج نذیر احمد کو دیا تھا۔ ۲۳ فروری ۱۹۳۹ کو ماسٹر بلال احمد جان نے ماسٹر واحد بخش سے چارج لیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء سے ۱۹ اپریل ۱۹۴۴ تک ماسٹر غلام مصطفٰی سکول کے فرسٹ ماسٹر / اول مدرس رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہدے کا چارج ۱۹ اپریل ۱۹۴۴ء کو ماسٹر تاج محمد (حجک گاؤں کے تیلگر) کو دیا۔ موخر الذکر نے پھر ماسٹر مبارک علی (ڈی۔جی خان کے) کو ۳۰ اگست ۱۹۴۵ء کو چارج سونپا۔ صرف چھ مہینے تک اس عہدے پر کام کرنے کے بعد اس نے ۲۸ فروری ۱۹۴۶ء کو اللہ رکھا بروہی کو چارج دیا۔ اللہ رکھا نے ۸ مہینے کے بعد ہی ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو تلی گاؤں سے تعلق رکھنے والے ماسٹر گل محمد سیلاچی کو چارج دیا جنہوں نے ۲۹ نومبر ۱۹۵۰ء یا شاید اس کے بعد بھی اس عہدے پر کام کیا۔ ہندو انسپکٹر سکولز سرون لال کھنہ نے مسٹر اللہ رکھا کا بد انتظامی کی بنیاد پر وہاں سے تبادلہ کر دیا۔ سر پر ٹوپی رکھے، سفید قمیص اور خاکی نیکر میں ملبوس انسپکٹر سکولز اکیلا ٹانگے میں بیٹھا ہو گا، ٹانگہ سیدھا جا کے سکول کے گیٹ کے پاس رکا ہو گا۔ سکول میں داخل ہو کر انہوں نے طلباء اور چیزوں پر نظر ڈالی ہو گی اور بغیر کوئی ہنگامہ کئے وہاں سے چلا گیا ہو گا۔

میرے والد (سید ال خان لونی) کی ڈائری کے مطابق میری پیدائش سبی کے گاؤں لونی میں ۷ جنوری ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ اس موقع پر ہمارے گاؤں کے ہندو دکاندار سونا مل نے روایتی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

فائرنگ کی جو عمومی طور پر لڑکے کی پیدائش پر کی جاتی ہیں۔ بد قسمتی سے ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ء کو سونا مل کو کسی مری نے قتل کر دیا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسے بابر کچھ ریلوے سٹیشن اور سنگان ٹاؤن کے درمیان سنگیچی ڈاکوؤں نے مارا تھا۔ میرے والد ۲۹ جولائی ۱۹۴۰ء کو اور میرے دادا ۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء کو فوت ہوئے۔ میرے والد کے انتقال کے بعد پانچ سال کی عمر میں میرے دادا نے مجھے گاؤں کے مسجد مدرسہ میں داخل کیا جسے ایک عظیم مذہبی عالم مولوی خدا بخش لونی، جو ایک اور عظیم عالم مولوی عبد الغفور ہمایونی کے شاگرد تھے، نے ۱۹۰۰ء میں قائم کیا تھا۔ اگست ۱۹۱۵ء میں مولوی خدا بخش لونی کے مدرسے میں مشہور دیوبندی عالم اور انقلابی مولانا عبید اللہ سندھی بھی آئے تھے۔ اس دورے سے، مولوی کی تند مزاجی اور لونی قبیلے کے اندرونی تنازعے کی وجہ سے اس کے اور خان صاحب حاجی احمد خان لونی، جنہوں نے اپنے ۱۹۱۱ء میں والد کی موت کے بعد قبیلے کی سربراہی سنبھالی تھی، کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے اور اس کے نتیجے میں مولوی خدا بخش لونی نے مسجد اور مدرسے کو خیر باد کہہ دیا۔ یہ یقیناً ۸ جولائی ۱۹۲۲ء کے بعد ہوا ہو گا کیونکہ مرحوم حاجی خیر محمد ولد حسین خان لونی کی تحریری وصیت نامے پر یہی تاریخ اور بطورِ گواہ مولوی خدا بخش لونی کے جانشین مولوی اللہ داد جٹ کے دستخط موجو ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں چھپے کتابچے میں مولوی صاحب لونی گاؤں میں موجود بتائے گئے ہیں اور وہ ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھی کے دورے کے دوران بھی موجو تھے۔ لونی مسجد کا اکثر دورہ کرنے والے مولوی محمد یوسف گجراتی ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء کو فوت ہوئے۔ لونی مسجد چھوڑنے کے بعد مولوی خدا بخش کُڑک کے باروزئی مسجد گئے اور وہاں سے پھر وہ دوسرے مساجد گئے جن میں سے ایک دہپال گاؤں کی مسجد تھی۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۸ء کو محمد افضل ولد مرحوم رسالدار ارباب خان لونی (وفات: ۲ فروری ۱۹۶۰ء) نے مجھے بتایا کہ اپنے آخری ایام میں مولوی خدا بخش لونی کافی بیمار تھے اس لئے وہ آکر رسالدار کے ساتھ لیویز لائن میں رہنے لگے۔ یہاں ان سے حکیم عبد اللہ شاہ اور مولوی محمود ملنے آیا کرتے تھے۔ میری زوجہ عائشہ عزیز لونی نے مجھے بتایا کہ ان کی والدہ شاہ بی بی (جو مولوی خدا بخش لونی کی پانچ بیٹیوں میں سے تھیں) نے اسے بتایا تھا کہ مرحوم مولوی کو اپنے وہابی خیالات کی وجہ سے جامع مسجد لونی کو چھوڑنا پڑا تھا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کیونکہ خان صاحب حاجی احمد خان لونی اور ان کے بھائیوں کو ان کے خیالات پسند نہیں تھے۔ وہ ۴ جنوری ۱۹۳۳ء کو سبی میں رسالدار ارباب خان لونی اور مولوی محمود صاحب کی موجودگی میں فوت ہوئے۔ مولوی صاحب کی وفات کی تاریخ حاجی رحیم خان لونی کی پیدائش کی تاریخ بھی ہے۔ مرحوم مولوی صاحب کے تین بیٹے تھے، دوست محمد، علی محمد اور نور احمد۔ ان میں اول الذکر لیویز میں تھا اور بدقسمتی سے ایک دوسرے لیویز سوار خدو گورگیج کے ہاتھوں ۱۹۱۲ء میں مارا گیا۔

دسمبر ۱۹۹۸ء میں رئیس شکر نودھانی نے مجھے بتایا کہ مولوی صاحب ایسے موقعوں پر بھی جذباتی ہو جاتے تھے جہاں دوسرے نہیں ہوتے تھے۔ ایک بار مشہور گلوکار ارباب ماچھی ہمارے گاؤں میں گا رہے تھے، جب وہ "روپی بن کے آیا ہوں" گانے لگے تو مولوی صاحب نے چیخنا چلانا شروع کیا اور اپنا توازن کھو کر اسی تالاب میں گر گئے جس کے کنارے بیٹھ کر وہ وضو کر رہے تھے۔ گاؤں والوں نے انہیں بچایا۔ مولوی خلیق الرزاق نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ ایک موقع پر مولوی صاحب، حاجی حسن خان کی ایک طالب کی سرزنش پر ان پر کافی برہم ہوئے۔

۱۹۲۰ء میں لونی مسجد مسجد مدرسہ میں مولوی اللہ داد جٹ ولد مستحسن اور ملوک خان نے ان کی جگہ لی۔ مولوی اللہ داد جٹ اصل میں سبی کے رہنے والے تھے، وہ ہمیشہ اپنا حوالہ "پار" سے آئے ہوئے کا دیتے تھے۔ جب ان کے خاندان کا وہاں براہویوں سے جھگڑا ہوا تو یہاں آکر لونی میں آباد ہو گئے۔ چونکہ مولوی اللہ داد اس وقت ایک لڑکے تھے اس لئے وہ مولوی خدا بخش کے شاگرد ہوئے۔ اس کے چھ بھائی تھے جن میں سے چار کے نام علی بیگ، گل بیگ، میر بیگ اور شاہ بیگ تھے۔ ان کے بیٹوں کے نام نور محمد، رضا محمد، اور عطااللہ تھے۔ مولوی خدا بخش لونی کے جانے کے بعد مولوی اللہ داد جٹ لونی مسجد میں اپنی موت تک بچوں کو مذہبی تعلیم دیتے رہیں۔ اس کے بعد مٹھڑی کے مولوی کریم داد ان کی جگہ آئے۔ ان کا مزار لونی گاؤں کے عزیز خیلی قبرستان میں ہے۔ مولوی خدا بخش لونی، حاجی مولوی داود خان، مولوی اللہ داد جٹ، استاد محمد قاسم، حافظ عبدالحکیم انصاری، اور استاد فیض محمد چاچڑ بلاشبہ ہمارے گاؤں کی مسجد کے عظیم اساتذہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تھے۔ یکم جون ۱۹۳۰ء کے ایک عدالتی دستاویز بعنوان ملا رحمٰن ولد مولا داد ذات خلیفہ سکنہ لونی بنام صادق ولد خدا بخش ذات نودھانی سکنہ گلوشہر (صادق واہ کے پانی کا استغاثہ) کے مطابق مدعی کو گلوشہر کی زمین اور پانی کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ جس جرگے نے یہ فیصلہ کیا ہے اس میں گیلا رام تحصیلدار، سردار محمد خان باروزئی، میر سربلند خان باروزئی، ولہاڑی خان مرغزانی، خلیفہ یعقوب خان لمبردار تحجک، عزیز خان لونی، موسٰی خان لمبردار تحجک، جان محمد خان لمبردار تحجک، ایساب خان گُڑک، عبدالرحمٰن تحجک شامل تھے۔ جولائی ۱۹۳۰ء میں فوت ہونے والے یہ ملا رحمٰن ہمارے استاد محمد قاسم (وفات: ۱۹۶۳ء) کے والد تھے۔ وہ ۱۹۰۳ء سے پہلے آکر ہمارے گاؤں لونی میں آباد ہو گئے تھے۔ اس دستاویز میں ایک مزارع شکر کا ذکر موجود ہے۔ وہ یقیناً رئیس شکر نودھانی کے اباو اجداد میں سے ہوں گے۔

میں نے اس مسجد مدرسے میں چار سال (۱۹۴۴۔۱۹۴۰ء) اخوند ملا پیرو جی، استاد محمد قاسیم ولد ملا عبدالرحمٰن ولد مولا داد خاصخیلی اور مرحوم استاد فیض محمد چاچڑ سے قرآن پڑھنا سیکھا۔ ۱۰ جولائی ۱۹۹۰ء کو مبارک علی ولد قادر بخش دجلی (اخوند ملا پیرو کے بھتیجے) نے مجھے بتایا:

"اخوند پیر بخش ولد عبدالعزیز میرے چچا اور حافظ قرآن تھے۔ ان کے تین بھائی تھے، عبدالغفور، نور محمد اور قادر بخش۔ انہوں نے ڈیرہ غازی خان کے علاقے دجل سے لہڑی سبی ہجرت کی تھی جہاں انہیں سردار محراب خان ڈومکی (۱۹۰۰۔۱۸۵۵) ولد سردار سہراب خان (۱۸۷۰۔۱۸۸۰) نے زمین کا ایک ٹکڑا امداد میں دیا تھا۔ جب ۱۹۰۰ء میں لہڑی میں قحط پڑی اور زمین سے گزر بسر مشکل ہو گئی تو اخوند مذہبی تعلیم کی طرف راغب ہوا۔ اخوند کے بھائی قادر بخش مزری کے پنڑی گاؤں چلے گئے۔ اخوند کے بڑے بیٹے ملا رحمت اللہ انہی کی زندگی میں فوت ہوئے جبکہ رحمت اللہ کے بیٹے شاہ میر اور امیر اپنے والد کی موت کے بعد فوت ہوئے۔ موخرالذکر لائیو اسٹاک کے صوبائی محکمے میں ملازم رہے۔ میں خود بھی پاکستان بننے سے ایک سال پہلے لونی کے مسجد مدرسے میں پڑھتا رہا۔ میں مزارع کے کام کے لئے واپس مزری چلا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اچھے دنوں کے تعلیمی اداروں کے بارے میں یہی کچھ تھا جو مبارک علی کو یاد رہا۔ میری بڑی بہن گل بی بی زوجہ مرحوم حاجی حبیب اللہ خان لونی نے مجھے بتایا کہ خان صاحب حاجی احمد خان اور ان کے چھوٹے بھائی حاجی مولوی داود خان نے ایک دوسرے سے مشورے کے بعد ۱۹۴۲ء میں استاد عبدالرحمٰن کو گھر میں لڑکیوں کو اردو پڑھانے اور لکھانے کے لئے رکھا۔

بعد میں مجھے استاد محمد قاسم اور فیض محمد نے فارسی کی پانچ کتابیں پڑھائیں جن میں کریمہ، نامہ حق، پندنامہ، گلستانِ سعدی اور بوستانِ سعدی شامل تھے۔ مدرسے میں استادوں نے ہماری لکھائی پر بھی خصوصی توجہ دی۔ ہم تختی پر قلم اور سیاہی سے لکھتے تھے جو ہم خود بناتے تھے۔ ہماری پڑھنے کی استعداد کو بہتر بنانے کے لئے وہ ہمیں مختلف طرح کے لکھے ہوئے مکتوب پڑھنے کو دیتے تھے۔

ایک اور بات جو مجھے اب تک یاد ہے وہ ایک ملنگ کے انداز میں رہنے والے جان محمد ہیں جو ہلمند / کندھار کے رہنے والے تھے۔ وہ ایک دراز قد شخص، پہنچے ہوئے صوفی اور عجیب خدوخال کے شخص تھے۔ وہ سردیوں میں اچانک کہیں سے نمودار ہو کر لونی گاؤں کے کونے میں ایک خالی مکان میں رہنے لگتے۔ اس مکان کے مغرب میں کیکر کا گھنا جنگل اور جنوب مشرق میں ایک باغیچہ ہوا کرتا تھا۔ اب جنگل اور باغیچہ دونوں غائب ہو گئے ہیں اور اس جگہ اب ہدایت اللہ لونی کی رہائش گاہ ہے۔ وہ ملنگ پشتو اور فارسی اچھی طرح جانتا تھا لیکن ہم سے اردو میں بات کیا کرتا تھا۔ وہ سارا دن عبادت کرنے، ضخیم کتابیں پڑھنے اور فارسی گانے گانے میں گزارتا تھا۔ وہ اپنی بھوک مٹانے کے لئے پرندوں کا شکار کرتا تھا۔ اپنے ناشتے، دوپہر اور رات کے کھانے کا خود انتظام کرتا تھا یا مسجد کے طالبان کے ساتھ کھاتا تھا۔ ظہر اور مغرب کی نماز کے لئے وہ جامع مسجد آتا۔ اسے بچوں سے بڑی محبت تھی اس لئے ان کو خشک میوہ یا مٹھائیاں دیا کرتا تھا۔ اس کے رہنے کی جگہ چونکہ ویران سی تھی اس لئے ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوتی کہ سورج غروب ہونے کے بعد وہاں جاتے۔ البتہ دن کے وقت میں اور شکاری موسٰی خاصخیل ان کے پاس جا کر چائے پیتے تھے۔ گرمیوں میں وہ غائب ہو جایا کرتا تھا۔ ان کا یہ آنا جانا ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ پھر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ایک خزاں وہ نہیں آیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھا کہاں سے آتا تھا۔ اور پھر وقت کے ساتھ سب اسے بھول گئے۔

ایک دن جنوری ۱۹۴۴ء میں خان صاحب حاجی احمد خان نے مجھے، عبدالرحمٰن لونی اور اللہ ڈینہ قریشی کو اپنے ذاتی تانگے میں ڈالا اور ایک میل دور گورنمنٹ پرائمری سکول گلوشہر میں داخل کرایا۔ ہم اول مدرس مسٹر غلام مصطفیٰ اور مذہبی علوم کے استاد محمد عمر کے سامنے پیش ہوئے۔ میں نے چونکہ مدرسہ میں عربی اور فارسی میں تھوڑی سی استعداد حاصل کی تھی اس لئے مجھے براہ راست دوسری جماعت میں داخل کیا گیا جبکہ حاجی عبدالرحمٰن لونی اور اللہ ڈینہ قریشی کو پہلی جماعت میں داخل کیا گیا۔ مجھے سکول میں اپنے داخلے کا پہلا دن اچھی طرح یاد ہے۔ سردیوں کی وجہ سے چاروں جماعتوں کے طلباء کو دونوں کمروں سے نکال کر سورج میں ٹھاٹ پر بٹھایا گیا تھا۔ مسٹر غلام مصطفیٰ طلباء کے شمال کی جانب کرسی اور میز لگا کے بیٹھے تھے۔ میز پر دیگر چیزوں کے ساتھ تین فٹ کا لمبا ڈنڈا بھی پڑا ہوا تھا۔ اس دن داخلے کی معمول کاروائی کے بعد ہم اسی تانگے میں واپس گاؤں آ گئے۔ اگلے دن سے ہم نے باقاعدہ سکول جانا شروع کیا۔ صبح سویرے ہم شامیر دجلی ولد ملا رحمت للہ ولد اخوند پیر بخش کی نگرانی میں بستہ، تختی اور دوپہر کا کھانا لے کر سکول جاتے۔ راستے میں اپنے آپ کو سردیوں میں گرم کرنے کے لئے ہم جھاڑیوں کو آگ لگاتے یا گرمیوں میں کُڑک نالہ میں نہاتے تھے اور پھر گلو شہر تک ایک میل کا فاصلے طے کرتے تھے۔ ماسٹر غلام مصطفیٰ کا دور بغیر کسی نمایاں واقعے کے ختم ہوا۔ وہ ہماری یادوں میں ایک محنتی، اور ایماندار استاد کے طور پر رہیں۔ ان کے جانشین ماسٹر تاج محمد تیلگر بھی ایسے ہی تھے۔ اول الذکر کے بیٹے غلام قادر نے مجھے بتایا کہ ان کے والد کُڑک گاؤں کے ملا عیسیٰ کے بیٹے تھے۔ وہ ۱۹۶۲ء میں جھٹ پٹ تحصیل کے گوٹھ مراد علی سکول سے ریٹائر ہوئے، ۱۹۷۴ء میں فوت ہوئے اور سبی کے پیر بخاری قبرستان میں دفن ہوئے۔ خدا ان کی روح کو امن میں رکھے۔

انہی دو اساتذہ کے دور میں ہمیں دوسری عالمی جنگ کے دوران اتحادیوں کی حمایت میں پروپیگنڈہ مواد ملتا رہا۔ ان میں سے ایک وہ پوسٹر بھی تھا جس پر چرچل، سٹالن اور روزویلٹ کی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تصاویر تھی اور سکول کے مشرقی دیوار پر چسپاں تھا۔ ایک دوسرا پوسٹر بھی تھا جس پر لکھا تھا "ٹوکیو اور برلن ریڈیو سننا منع ہے۔" اس کے علاوہ حکام پروپیگنڈہ رسالہ پشتو "نن پرون" اور اس کا اردو ورژن "آجکل" بھی تقسیم کرتے تھے۔ پھول اور تعلیم تربیت دیگر رسالے تھے جو سکول آیا کرتے تھے۔

شاید افغانستان کی طرف سے کسی بھی ممکنہ کاروائی کے پیش نظر انگریز افیسروں پر مشتمل گورکہ فوجی ہمارے گاؤں کے اور اس کے ارد گرد خندقیں کھودنے میں مصروف تھے۔ خان صاحب حاجی احمد خان کی دعوت پر ایک بار موٹر سائیکل پر سوار انگریز آفیسر ہمارے مہمان خانے آئیں اور چائے پینے کے بعد چلے گئے۔ ان آفیسروں اور فوجیوں نے گاؤں والوں یا ان کی باغوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن اپنے مشق کے دوران وہ دوسری چیزوں سے بالکل غیر متعلق لگ رہے تھے۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم گاؤں کے معمول کی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ جن میں مدرسے جانا بھی اس کا ایک لازمی جز تھا۔ سبق کے بعد ہمیں مسلم لیگ کے حامی مرحوم عبدالقادر لونی اور کانگرس کے حامی استاد عبدالقاسم کے درمیان سیاسی بحث سننے کو ملتی۔ استاد اخباروں جیسے "مدینہ۔ بجنور" کو باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ عبدالقادر کی درخواست پر میں نے پرائمری سکول کے طالب علموں میں مسلم لیگ کی رکن سازی کے فارم تقسیم کئے اور مسٹر گل محمد سیلاچی نے مجھے پکڑ لیا، انہوں نے میری خوب سرزنش کی کہ سیاست میں پڑنا نہایت "براکام" ہے۔

۲۴ مئی ۱۹۹۸ کو حاجی نصراللہ خان لونی کی فاتحہ کے لئے میرے سکول کے ہم جماعت ہدایت اللہ مرغزانی میرے پاس آئے تھے۔ گفتگو کے دوران اس نے مجھے بتایا کہ ماسٹر گل محمد ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ "عزیز تم ایک ذہین طالب علم ہو۔ اگر تم محنت کروگے تو خان صاحب حاجی احمد خان کی طرح شہرت اور نام کماؤگے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ عبد القادر لونی ۱۹۱۶ء میں گلوشہر کے پرائمری سکول میں داخل ہوئے تھے لیکن غربت کی وجہ سے پرائمری پاس کرنے کے بعد وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکیں۔ پھر بھی اس کم تعلیم کے ساتھ ان کو مرزا غالب اور علامہ اقبال کی شاعری روانی سے یاد ہو تی تھیں۔ وہ دسمبر ۱۹۶۰ء میں تکلیف دہ حالات میں جیکب آباد میں انتقال کر گئے اور لونی گاؤں کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ یہ ان کی زندگی میں پہلا موقع تھا جب ان کے واحد بیٹے عبد السلام اپنے بیمار والد کے علاج کے لئے ان کے ہمراہ گئے۔ اپنے بیٹے اور بیوی کے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے۔ ان کی بیوی اور بیٹا ان کے بعد فوت ہوئے۔ ان کی وفات سے ہمارا گاؤں ایک ایسے ملنسار اور قابل شخصیت سے محروم ہوا جو مقامی اور صوبائی سطح پر صحافیوں، سیاستدانوں اور حکومتی حلقوں میں جانے جاتے تھے۔ ہم میں سے جو لوگ ان کو قریب سے جانتے تھے ان کو ان کا یہ مشاہدہ ہمیشہ یاد رہے گا کہ "سبی کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس میں سیاسی صفائی کی کمی ہے"۔

ماسٹر تاج محمد تیلگر ولد ملا جان محمد تیلگر کے عہد (۱۹ اپریل ۱۹۴۴ء تا ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء) میں ایک چھوٹا سا حادثہ ہوا۔ اری گیشن ریسٹ ہاوس گلوشہر کے پنجابی اہلکار کا بیٹا اپنے گھر کے ساتھ بہنے والے دریا میں گر کر بہہ گیا۔ اس کی ماں چیختی ہوئی مدد کے لئے سکول آئی جو ان کے گھر کے قریب تھا۔ فرسٹ ماسٹر نے بڑے طالب علموں کو ان کی مدد کے لئے کہا اور وہ دریا میں ایک میل دور گلوشہر جدید میں بستی ملک کمال خان نودھانی کے علاقے سے اس بدنصیب بچے کی لاش نکال کر لے آئے۔ تیلگر کے زمانے کا ایک اور واقعہ مجھے یاد ہے کہ انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اپنے پالتو کتے 'کلو' کو چھوڑ دوں جو مجھے بہت پیارا تھا اور میں روز اپنے ساتھ سکول لایا کرتا تھا۔ اپنے استاد کی درخواست پر نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے کتا ان کے حوالے کر دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ حجک گاؤں کے تیلگر قبیلے کے اباء واجداد حسنی لہجہ بولتے تھے جو حسنی تورترین افغانوں کی زبان ہے۔ ایک اور واقعے نے ہمارے ذہنوں پر کافی اثر ڈالا وہ یہ تھا کہ شفیع محمد شکور نے اپنی بیوی سے زنا کے شبے میں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

غوث بخش جدون کو قتل کر دیا تھا۔ درخت کے نیچے سوئے ہوئے اس آدمی کو مارنے کے بعد اس نے گھر جا کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔

مرحوم خان صاحب حاجی احمد خان کی ڈائری کے مطابق پرائمری پاس کرنے کے بعد انہوں نے ۳مارچ ۱۹۴۷ء کو مجھے سبی کے گورنمنٹ بارنیس ہائی سکول میں پانچویں جماعت میں داخل کیا۔ وہ متحدہ ہندوستان کے آخری دن تھے اور مسلم لیگ کی تحریک عروج پر تھی۔ سبی سکول میں میرا ایک ذہین ہندو ہم جماعت رام سروپ اور ایک کم ذہین سکھ ہم جماعت بلدیو سنگھ تھا، تقسیم کے بعد دونوں نے ہندوستان ہجرت کر لی۔ چونکہ اس کے بعد جلد ہی گلوشہر کے سکول میں پانچویں جماعت شروع ہوئی تو خان صاحب حاجی احمد خان لونی نے مجھے بارنیس سکول اور ہاسٹل سے نکال کر ۱۴اپریل ۱۹۴۷ء کو گلوشہر سکول میں دوبارہ داخل کیا۔ یہاں سے پانچویں پاس کرنے کے بعد مجھے ایک بار پھر مارچ ۱۹۴۸ء میں بارنیس سکول سبی میں (غالباً حاجی نصر اللہ خان لونی نے) داخلہ دلوایا۔

۲۰ فروری ۱۹۹۸ء کو میں نے ہیڈ ماسٹر کے دفتر میں اپنے اور بارنیس سکول کے ریکارڈ کا جائزہ لیا۔ اس رجسٹر میں سیریل نمبر ۱۶۷ پر عبد العزیز ولد سعد اللہ خان کا نام موجود تھا جس میں تاریخ پیدائش ۳فروری ۱۹۳۹ء اور سکول کی چھٹی جماعت میں داخلہ کی تاریخ ۸مارچ ۱۹۴۸ء درج تھی۔ اسی ریکارڈ میں تھا کہ سیریل نمبر ۲۰۷ پر طالب علم فتح خان حجک ولد ملک پکار خان چھٹی جماعت میں ۱۱مارچ ۱۹۴۸ء کو داخل کئے گئے تھے۔ دیگر طالب علموں میں درجِ ذیل نام موجود تھے۔

۱۔ محمود خان حجک ولد شادی خان

۲۔ محمد نواز مری

۳۔ جان محمد مری

۴۔ ہدایت اللہ مرغزانی ولد خان محمد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵۔ دھرم چند ولد پریمانند

۶۔ سلطان خان ولد پیر بخش (ماچھی کوہ)

۷۔ محمد طیب مرغزانی (ولد عرض محمد)

۸۔ مشتاق احمد ولد اصغر علی

۹۔ عبدالعلیم ولد اللہ ڈوایہ (غلام بولک)

۱۰۔ جگدیش لال ولد لالہ رام کشن

۱۱۔ حاجی محمد کاسی ولد عبداللہ جان

جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ان کے علاوہ احمد خان صافی ولد فتح خان سکنہ کُڑک ایک انتہائی ذہین اور دوسروں کی مدد کرنے والا طالب علم، میرا ہم جماعت اور جماعت کا مانیٹر بھی تھا۔ ایک آبادکار محمد بشیر ولد لال محمد اور نصیر آباد کے بندِ علی بھی ہمارے ہم جماعت تھے ۔ باقی بہت سارے نام میں بھول چکا ہوں۔ ہم میں سے چند ہی ۱۹۵۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر پائے تھے۔ میں اور فتح خان حجک پاس ہو کر گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں داخل ہوئے اور پھر وہاں سے پنجاب یونیورسٹی لاہور گئے۔ گورنمنٹ بارنیس سکول سبی (۱۹۵۲۔۱۹۴۸ء)، گورنمنٹ کالج کوئٹہ (۱۹۵۷۔۱۹۵۳ء) اور پنجاب یونیورسٹی (۱۹۵۹۔۱۹۵۷ء) میں قریباً گیارہ سال اکھٹے پڑھنے کے بعد فتح خان حجک اور میں بہترین دوست بن گئے تھے۔

فتح خان حجک (ریٹائرڈ) نے سردار رہیمزئی مسجد کے پیش امام حافظ محمد عثمان سے ۱۹۴۳ء میں قرآن پڑھا۔ پھر انہوں نے مولوی شکر خان لونی سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ موخرالذکر مولوی محمد صدیق کے جانے کے بعد لونی گاؤں کے مسجد میں نماز پڑھانے آئے۔ مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ وہ پرائمری سکول حجک میں بھی داخل کئے گئے جہاں مولوی غلام نبی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کھوکھر اول مدرس، ماما ابراہیم خان محجک، ماسٹر یار خان بروہی اور ضمیر الحسن استاد تھے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اس وقت سرون لال کھنہ اور خان سرور خان سکول کے انسپکٹر تھے۔

ڈاکٹر محمد حیات عثمانی (ریٹائرڈ) نے کُرک کے باروزئی مسجد میں قاضی عبدالعلیم علیزئی ولد قاضی محمد عثمان سے خطاطی سیکھی۔ ۱۹۴۹ء سے پہلے اسے گورنمنٹ پرائمری سکول کُرک (سبی) میں ملک محمد عمر سیلاچی، شیخ عبدالعزیز، سراج الدین، محمد جعفر اور غلام فاروق بروہی نے پڑھایا۔ وہ پانچویں جماعت کے لئے امتحان دینے پرائمری سکول محجک لے جائے گئے جہاں ان کے بقول تمام امتحان دینے والوں کو ملک پکار خان نے دوپہر کا کھانا کھلایا۔ انہوں نے امتحان پاس کر لیا اور ۱۹۴۹ء میں بارنیس سکول میں چھٹی جماعت میں داخل ہوئے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالرحمٰن، مرحوم یوسف سبوی، بہاول خان سرکی، حاجی عبدالرزاق مرغزانی، ہدایت اللہ خان مرغزانی اور حاجی عبدالرحمٰن لونی ان کے ہم جماعت تھے۔ محمد یحییٰ انصاری، میاں محمد شفیع ہیڈماسٹر اور ملک محمد حسین ہاسٹل کے انچارج تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے سکول کے دوران کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک بار بدراہ کے طالب علم محمد نواز مری نے ایک اور طالب علم تلی کے عبداللہ شاہ بخاری کو مارا۔ شکایت کرنے پر ہیڈماسٹر نے ہاسٹل کے تمام طلباء کو بلایا اور ان کے سامنے قصوروار طالب علم کو سزا دی۔ ڈاکٹر صاحب نے لاہور میں پنجاب ویٹرنری کالج سے ۱۹۶۳ء میں بی۔ایس۔سی کرنے کے بعد تیس سال تک صوبائی لائیواسٹاک محکمہ میں خدمات انجام دیں اور آخر سینئر ریسرچ آفیسر کے طور پر ۱۹۹۳ء میں ریٹائر ہوگئے۔

سبی سکول میں ہم نے تین ہیڈماسٹرز کے دور دیکھے۔ ان میں خان محمد سرور خان، محمد یحییٰ اور میاں محمد شفیع شامل تھے۔ محمد حسین، مراد خان، پاسکل صاحب، جمیل صاحب، مولوی اللہ دتہ ہمارے ان اساتذہ میں سے تھے جنہوں نے ہمیں ذمہ داری کے ساتھ پڑھایا۔ میاں محمد شفیع ۱۵ فروری ۱۹۸۷ء کو لاہور کے ایک ہسپتال میں ذیابیطس کے علاج کے دوران انتقال کر گئے۔ تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ ہم بوائے سکاؤٹ تحریک میں بھرپور حصہ لیتے اور عملی زراعت سیکھنے کے لئے سکول کے نباتاتی باغ بھی جاتے تھے۔ شام میں طالب علم سکول کے میدان میں فٹبال اور والی بال کھیلتے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سبی کے اسپاں اور مویشیاں میلے میں سکول کے طالب علم ڈرامے پیش کرتے اور دیگر تقریبات میں حصہ لیتے تھے۔ ادب سے شغف رکھنے والے ہمارے ایک استاد قیوم راشدبی۔اے نے سکول میں بزمِ ادب کے نام سے ایک ادبی انجمن بنائی تھی جو سکول کے ہال میں ہفتہ وار نشستوں کا اہتمام کرتی تھی، اس میں طالب علم افسانے اور شاعری پڑھنے میں حصہ لیتے تھے۔ میں اس ادبی انجمن کا باقاعدہ رکن تھا۔

ج۔ برطانوی دور سے پہلے اور اس کے دوران خواتین کی حیثیت

برٹش بلوچستان پر قبضے کے دوران انگریزوں کی اچھی چیزوں کو گنوانے کے عمل میں اس بلوچ، براہوی اور پشتون ریجن میں خواتین کی حیثیت میں بہتری لانے کے لئے ان کی کوششوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں کی بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک ہمارے معاشرے میں خواتین کی کیا حیثیت رہی ہے۔ ۱۹۰۵ء کی کچھ اشاعتوں سے ذیل میں دیئے گئے اقتباسات اس پر تھوڑی روشنی ڈالتے ہیں:

ا۔ "پہاڑی افغانوں اور ضلع کے دیگر حصوں کے غریب ترین طبقوں میں عورتوں کی حیثیت انتہائی پستی کا شکار ہے"۔ (سبی ڈسٹرکٹ گزیٹیئر۔ صفحہ ۴۷)۔

۲۔ "عورتوں کی حیثیت انتہائی پست ہے"۔ (کوئٹہ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر۔ صفحہ ۶۰)۔

۳۔ "مزارانی کھیتران، سدوزئی، لونی، بخاری سید اور ترین کے کھاتے پیتے گھرانوں کے علاوہ باقی عورتوں کی حیثیت بہت پسماندہ ہے"۔ (لورالائی ڈسٹرکٹ گزیٹیئر۔ صفحہ ۶۸)۔

۴۔ "عورتوں کو گھروں میں انتہائی پست مقام حاصل ہے"۔ (ژوب ڈسٹرکٹ گزیٹیئر۔ صفحہ ۶۴) ۵۔ "معاملے کے حل کے طور پر راضی نامہ میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ مدعی فریق کو دو پیدا شدہ اور دو بعد میں پیدا ہونے والی لڑکیاں معاوضے کے علاوہ دی جائیں گی"۔ (۱۹۲۱۔۱۹۲۰ء سالانہ انتظامی رپورٹ۔ صفحہ ۳۱)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۶۔ "بعد میں چند استثناء کے ساتھ اس کا جائیداد حتیٰ کہ ان تحفوں پر بھی کوئی حق نہیں ہو گا جو اسے شادی میں ملے ہیں۔ طلاق کی صورت میں وہ صرف انہی کپڑوں میں جائے گی جو اس نے پہنے ہوں گے۔ بیوہ ہونے کی صورت میں اسے معمولی وظیفے کے علاوہ اپنے شوہر کی جائیداد سے کچھ بھی نہیں ملے گا"۔

جون ۱۹۹۸ء کے یو۔این۔ڈی۔پی کے ایریا ڈویلپمنٹ پروگرام کے جائزہ رپورٹ (صفحہ ۲۲، ۲۴) میں مصنف نے لکھا ہے:

"گھریلو تشدد کے حوالے معلومات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ اپنے شوہروں سے اختلاف کے خوف کا تقریباً تمام اضلاع میں خواتین نے اعتراف کیا ہے سوائے مستونگ کی دو خواتین کے۔ براہوی قبیلوں کی نسبت پشتون قبائل میں مرد کا اپنی بیوی کو مارنا ایک قابل قبول فعل ہے۔ پردے کی وجہ سے خواتین کی نقل و حرکت کم ہے۔ یہ بھی براہویوں کی نسبت پشتونوں میں زیادہ ہے"۔

۲۰ مئی ۱۹۹۵ء کے روزنامہ ڈان میں سوزین لیدر لینڈ ایک مضمون میں لکھتی ہیں:

"لندن: جمعرات کو شائع ہونے والی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان کو تباہ کرنے والے تین سالوں کی گروہی لڑائی نے ہزاروں خواتین کی زندگیوں کو پاش

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

پاش کر دیا۔ مسلح گروہوں نے عورتوں کا اپنے گھروں میں قتل عام کیا ان کو تشدد کا نشانہ بنایا اور ان کی عزتیں لوٹی گئیں۔ کئی عورتوں کو اغوا کرنے کے بعد جنسی تشدد کا نشانہ بنایا یا ان کو عصمت فروشی کے اڈوں پر بیچا گیا"۔

پنسلوانیہ یونیورسٹی کی ایک پی۔ایچ۔ڈی سکالر بینڈکٹے گریمہ نے ۱۹۹۳ء میں "Performance of Emotion in Paxtun Women" لکھی ۔ کتاب کے آخر میں باب نہم میں اختتامیہ میں وہ لکھتی ہیں:

"رویوں کے ایک ثقافتی نظام کے طور پر، پشتو میں عورتوں کے لئے اپنے سرپرستوں کی خدمت کے علاوہ ان کا اپنی عزتِ نفس کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ بہت سے دیہاتی علاقوں میں عورتیں اپنے خاوند کو خدا اور اپنے سرپرستوں کو مالک سمجھتی ہیں۔ عورت کی شناخت کا تعین ان کے مرد، ان کا والد، بھائی، خاوند اور بیٹے کرتے ہیں۔ بیوہ، مطلقہ اور بھائی، بیٹے اور دوسرے مرد کے بغیر عورتوں کو سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے"۔

جیمز سپین ۱۹۶۲ء میں چھپی اپنی کتاب The way of the Pathans کے صفحہ ۳۲ پر انگریزوں اور آفریدیوں کے درمیان ۲۴ اگست ۱۸۵۷ء کو دستخط ہونے والے ایک تحریری معاہدے کا حوالہ دیتے ہیں جس کا شق نمبر ۵ کچھ یوں ہے:

"اگر اس قبیلے کا کوئی بھی شخص برطانوی خطے کے کسی رہائشی کی بیوی یا بیٹی کو بھگا کر لے جاتا ہے تو اس پر ہرجانہ نہیں لگایا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی لڑکی کے ساتھ کوئی مال دولت بھی لے جاتا ہے تو وہ واپس کرنا ہو گا "۔

ان اقتباسات اور دوسری چیزوں کے ساتھ، زیادہ ماضی میں جانے کی ضرورت نہیں، اس بیسویں صدی میں بھی افغان خواتین کی صوبے کے دوسرے پسماندہ نسلی گروہوں (بلوچ اور براہوی) کی نسبت کی برائے نام حیثیت ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بلوچستان حکومت کے آرکائیوز محکمہ میں ایک فائل ہے جس میں 'Operation of Frontier Crimes Regulations in Balochistan' کے عنوان تلے خصوصاً "ولور" اور "زنا" پر برطانوی آفیسروں کے درمیان خط وکتابت ہوئی ہے۔ یہ خط وکتابت کا سلسلہ زیارت سے ۲۱ اگست ۱۹۰۵ء کو ایجنٹ ٹو گورنر جنرل کے ایک سرکاری اہلکار اے۔ایل۔ایف ٹکر (آئی۔سی۔ایس) کی طرف سے حکومتِ ہند کے خارجہ محکمہ کے سیکرٹری ایس۔ایم فریزر (آئی۔سی۔ایس) کو لکھے گئے خط سے شروع ہو کر سبی سے ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء کو سیکرٹری اے۔جی۔جی کی طرف سے قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ کو لکھے گئے خط پر ختم ہوتا ہے۔ان تمام سالوں کے دوران برطانوی آفیسروں نے افغان، بلوچ اور براہوی عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے اقدامات پر بحث کی ہے اور عملی اقدامات اٹھاتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں پہلا قدم ۱۸۹۲ء میں ریوینیو کمشنر سر ہیوز بارنیس کا یہ فیصلہ ہے کہ مستقبل میں بیوہ کو اپنی مرضی سے دوبارہ شادی کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ برطانوی حکام کی طرف سے کچھ دیگر اقدامات درجِ ذیل ہیں:

۱۔" اگر وہ بیوہ دوسری شادی کرتی ہے تو اس کے متوفی شوہر کے رشتہ داروں کو ان سے ولور کی رقم طلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہو گا"۔

۲۔ "ایک بیوہ اپنے متوفی شوہر کے رشتہ داروں سے اپنی پرورش کا مطالبہ اس وقت تک کر سکتی ہے جب تک وہ ان کے ساتھ رہے"۔

۱۷ جولائی ۱۹۰۵ء کو زیارت سے اے۔جی۔جی کو لکھے گئے خط نمبر ۲۔۱۵۲ میں پولیٹیکل ایجنٹ لورالائی ڈبلیو۔ایس ڈیوس لکھتے ہیں:

"پٹھان خواتین کی حالت کے بارے میں محتاط چھان بین کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جہاں کوئی نظام موجود ہے وہاں عورتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے ان جگہوں کی نسبت جہاں کوئی نظام نہیں ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے خٹک وطن میں میں نے دکھا کہ دو خواتین کو

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہل میں جوت کھیت میں کام کروایا جارہا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کہیں بھی عورتوں کی زندگی اتنی سخت ہوگی جتنی آفریدی اور اس ضلع (لورالائی) کے عورتوں کی زندگی سخت ہے"۔

۱۵ نومبر ۱۹۹۸ء کے ڈان میں ایک خبر تھی کہ حکومتِ آسٹریلیا اور یونیسیف نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ بلوچستان میں بچیوں کی تعلیم پر کام کریں گے جہاں صرف دو فیصد خواتین خواندہ ہیں۔ یہ شرح پورے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں سب سے کم ترین ہے۔

روزنامہ "باخبر" کوئٹہ کے ۳۰ ستمبر ۱۹۹۸ء کے شمارے میں ہندوباغ سے تعلق رکھنے والے نامور سماجی کارکن ملک خدائیداد خان سلطانزئی نے ایک انٹرویو میں کہا:

"آج کے پشتون معاشرے میں عورت کے ساتھ بڑا ظالمانہ رویہ رکھا جاتا ہے جو اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ عورتوں کو ولور کے نام پہ اسی ہزار سے ڈیڑھ لاکھ روپیہ میں بیچا اور خریدا جاتا ہے۔ نکاح کے دوران ان کی مرضی نہیں لی جاتی۔ اس طرح اکثر اٹھارہ سالہ لڑکی کو ساٹھ سالہ بوڑھوں کے ساتھ بیاہا جاتا ہے۔ خواتین کو قتل کے فیصلے میں معاوضے کے طور پر دیا جاتا ہے۔ ملا بھی عورتوں کے اسلامی حقوق کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے اس لئے گریز کرتے ہیں کہ وہ خود غاصب ہیں۔ ہمارے معاشرے کی ایک ناکامی یہ ہے کہ لڑکیوں کو موقع نہیں دیا جاتا کہ وہ تعلیم حاصل کریں، ملا اس معاملے میں بڑی رکاوٹ ہے۔۔۔

میں نے اس موضوع پر کئی بار سیاستدانوں سے گفتگو کی ہے کہ پشتون، بلوچ اور براہوی عورتوں کی زندگی بہتر کرنے کے لئے انہوں نے اب تک کیا کردار ادا کیا ہے تو مجھے ہمیشہ یہی جواب ملا ہے کہ پچھلے قریباً ستر سالوں کے دوران اس مسئلے کو کبھی بھی مقامی سیاسی جماعتوں کے منشور کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے۔ اس سے زیادہ صدمہ انگیز اور کیا بات ہو سکتی ہے؟۔ ان مذکورہ دلیلوں کی بنیاد پر ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ جہاں تک عورتوں کی حیثیت کا سوال ہے تو ان قبائلی اور سیاسی قائدین نے ان کی حالت بدلنے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

صدیوں سے مردوں نے عورتوں کو غلام کی طرح رکھا ہوا ہے۔ عورتوں کو ان کے جائز اسلامی حقوق کے لئے ملاوں نے بھی کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے۔ درجن بھر سے زیادہ پشتون، بلوچ اور براہوی وزراء اعلیٰ اس صوبے میں رہے ہیں لیکن ہمارے ان منتخب نمائندوں نے بیسویں صدی میں بھی قانون سازی یا انتظامی اقدامات کے ذریعے عورتوں کی حالت نہیں بدلی۔ اس کے برعکس برطانوی حکام نے نہ صرف عورتوں کی حالت کے حوالے سے اس مسئلے کی چھان بین کی بلکہ انہوں نے عورتوں سے غیر مہذب سلوک کے خلاف اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے عملی اقدامات بھی کئے۔ اس معاملے میں بھی وہ ہمارے مقامی سیاستدانوں سے بہتر ہی تھے۔

ح۔ قانونی نظام/جرگہ/۱۹۰۱ء کا فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن[8] ۱۱۱

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ افغان حکمرانوں یا ان کے کوئٹہ میں درانی اور سبی میں باروزئی نمائندوں نے کبھی اس افغان صوبے میں کوئی باقاعدہ انتظامی طریقہ کار یا قانونی نظام کو رائج کیا ہو۔ جو لوگ کندھار تک جاسکتے تھے وہ وہاں کے حکمرانوں کے نمائندوں کو پیسے کھلا کر اپنے حق میں فیصلہ کروانے میں کامیاب ہو جاتے۔ کچھ مثالیں ایسی ہیں کہ جب حکمرانوں کے نمائندوں نے کچھ معاملات پر صحیح فیصلے دیئے۔ دیگر معاملات میں شکایت کنندہ اور مدعی مقامی ملا یا قاضی کے پاس جا کر اپنے تنازعات کا تصفیہ اسلامی قانون کے مطابق کراتے تھے۔ لیکن ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جہاں زورآور کے حق میں فیصلے ہوئے اور قصوروار کبھی بھی نہ پکڑے گئے اور نہ ان کو کوئی سزا ہوئی۔

جہاں تک کندھار اور اس کے اردگرد قانون اور انصاف کا تعلق ہے تو میں یہاں میجر ایچ۔بی لمسڈن (۱۸۶۰) کی کتاب "The Mission to Kandhar" کے صفحہ نمبر ۲۷ سے درجِ ذیل حوالہ دینا چاہوں گا:

---

[1] Frontier Crimes Regulation III of 1121

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

" عام معاملات میں انصاف قاضی اور چیف مجسٹریٹ کرتے ہیں جن کو مفتی اور محتسب کی معاونت حاصل ہوتی ہیں۔ اگر صحیح معنی میں ان قوانین کا اطلاق ہو تو یہ قدرے مساویانہ ہیں۔ لیکن ان کے لبادے میں امیروں کو غریبوں کی قیمت پر فائدہ دیا جاتا ہے۔ ایک ایسے قانون پر کیا کہا جائے جس میں قاضی جرمانوں سے قرض لے سکے تو وہ حکومت کے خزانے کو کیا فائدہ دے گا؟ ملا لوگوں کی نجی اور عوامی اخلاقیات کے نگران ہیں اور محتسب ان کے معاون ہیں۔ اس میں ایک عام آدمی، کسان اور غیر محفوظ لوگوں پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے یا روزہ کھانے پر کسی کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھا کر گلیوں میں گھمایا جاتا ہے۔ جبکہ تمام معاشرے کو حقیر نظروں سے دیکھنے کے غیر فطری اور نفرت انگیز جرموں سے شہزادے اور مراعات یافتہ سرکاری اہلکار کبھی بھی اس میں مجرم نہیں سمجھے جاتے"۔

میرے خیال میں اس قانون نے کئی عرصے کے لئے افغانوں کے اخلاقیات کو پراگندہ کر دیا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب اسلامی قانون کی بجائے ملاؤں کو مضبوط بنانے کی بنیاد رکھی گئی۔

برٹش بلوچستان میں دستوری قانون کے آغاز کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں کچھ نہیں ملتا سوائے جیکب کے خیالات کے جو انہوں نے معاہدہ گندمک سے پہلے کہے تھے اور جو اے۔ڈبلیو ہیوز کی ۱۸۷۶ء کی کتاب "The Country of Balochistan" کے صفحہ ۲۳۴ پر ریکارڈ ہوا ہے:

" بلوچستان کے سرداروں اور عام لوگوں کی سماجی اور سیاسی معاملات میں مداخلت کی برائی کو نظر انداز کرنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے اداروں، عادات اور روایات سے آگاہی نے مجھے ایسا کرنے سے بچایا"۔

چند سال بعد سنڈیمن نے کوئٹہ سے جولائی ۱۸۷۹ء میں لکھے گئے اپنے خط میں بِڈلف کو مشورہ دیتے ہوئے لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

" دوسرے جرائم کے متعلق حکومت کا مقصد یہ ہے کہ یہ معاملات بلکہ تمام معاملات لوگوں پر چھوڑ دیا کرو کہ وہ خود ان کو حل کریں۔ صرف اس وقت مداخلت کرو جب بہت ضروری ہو جائے۔ زنا کے معاملات کو حل کرنے کے لئے فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن سے رہنمائی لو"۔

۱۸۷۶ء کے معاہدہ مستونگ اور ۱۸۷۹ء کے معاہدہ گندمک کے بعد جب انگریزوں نے کوئٹہ، سبی، پشین، ہرنائی اور تھل چٹیالی کو قبضہ کر لیا تو ان کے سامنے یہ پیچیدہ سوال تھا کہ اس قبضے کو مستقل طور پر جواز دینے کے لئے وہ کون سے عوامل ہونگے جو انہیں ان مقبوضہ علاقوں میں سول اور کریمنل انصاف کے قوانین بنانے کا اختیار دیں گے۔ اس مقصد کے لئے انہیں کس کی اجازت درکار ہوگی، امیر افغانستان کی یا خانِ قلات کی؟ کوئٹہ، جو کہ پہلی اینگلو افغان جنگ (۱۸۳۹ء) تک افغانستان کا حصہ تھا، کو بڑی عجلت میں پسپائی اختیار کرتی برطانوی فوج رمیجر اوترام (پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ بالائی سندھ سرحد) نے زبردستی ۱۸۴۲ء میں خانِ قلات کے حوالے کر دیا تھا۔ جبکہ سبی، ہرنائی، تھل چٹیالی اور پشین کے اضلاع کو امیر نے مئی ۱۸۷۹ء میں مستقل طور پر نہیں بلکہ انتظامی مقاصد کے تحت انگریزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اسی لئے ان اضلاع کو برطانوی حکام "تفویض کردہ اضلاع" کے طور پر یاد کرتے تھے۔ ۰۹-۱۹۰۸ء کے بلوچستان ایجنسی کے انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۷ اور ۸ پر درج ہے:

"معاہدہ گندمک (مئی ۱۸۷۹ء) کے تحت پشین، سبی، ہرنائی اور تھل چٹیالی کو یعقوب خان نے اس شرط پر برطانوی حکومت کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ اس کی آمدن سے اخراجات کے بعد بچت کی رقم امیر کو ادا کریں گے۔ یعقوب خان کی معزولی اور کابل میں برطانوی نمائندے اور اس کے محافظ کے قتل کے بعد یہ معاہدہ منسوخ ہو گیا۔ معاہدہ گندمک کے ذریعے تفویض شدہ ان علاقوں کو اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ سر رابرٹ سنڈیمن کی سخت طرز پر کیا گیا۔ لیکن اسے ۱۸۸۷ء تک اس کا اقرار نہیں کیا گیا جب تک ایجنٹ ٹو گورنر جنرل کو اس کا چیف کمشنر نہیں بنایا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

" ۱۸۹۲ء میں سر رابرٹ سنڈیمن کی موت سے پہلے کے دس سال اس کو ترتیب دینے اور منظم کرنے میں لگے۔ تب تک زمین سے آمدن، آبپاشی کا نظام، ڈسپنسریاں قائم کرنے، جنگلات کو فروغ دینے اور مواصلات کی ترقی کے کام کا آغاز ہو چکا تھا"۔

"۱۸۸۴ء میں ژوب کے کاکڑوں کے خلاف فوجی معرکے کے نتیجے میں انہوں نے اطاعت قبول کرلی۔ ۱۸۸۶ء میں بوری پر قبضہ کیا گیا اور وہاں چھاؤنی کی بنیاد رکھی گئی"۔

۱۸۸۶ء کے انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۶۳ پر دی گئی مندرجہ ذیل جملوں کے پیچھے برٹش بلوچستان کے ان افغان علاقوں پر قبضے کے جواز میں کئی شکوک موجود ہیں:

"ملکہ معظمہ کی حکومت نہیں سمجھتی کہ امیر کے کسی شکایت کی کوئی مناسب وجہ ہو گی۔ اور نہ ہی افغانوں کی بے وجہ اثر پذیری کی وجہ سے ایک ایسے انتظام سے دستبردار ہوا جاسکتا ہے جو بلوچستان کے تمام فریقوں کی خواہش اور بلوچ اور برطانوی مفادات کے لئے یکساں فائدہ مند ہے"۔

یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ برطانوی حکام کوئٹہ کو اپنے برطانوی فوج کا ہیڈ کوارٹر منتخب کرتے ہوئے انگریز اور بلوچ کو ہی اس پروجیکٹ کے فریق قرار دیتے ہیں۔ وہ افغان قبیلے کا سی کے مفادات کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہیں جو ۱۵۸۸ء 'آئین اکبری' کی رو سے کوئٹہ کے اصل مالک ہیں۔ اسی طرح بازئی، دمڑ، یاسین زئی اور ان براہویوں کا معاملہ ہے جو اب بھی کوئٹہ کے تین اطراف میں آباد ہیں۔

ابتدائی سالوں میں انگریزوں نے بلوچستان کو انتظامی حوالے سے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا:

۱۔ ریاستِ قلات

۲۔ برٹش بلوچستان۔ جو افغانستان سے حاصل کئے گئے علاقوں پشین، سبی، تھل چٹیالی وغیرہ پر مشتمل تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳۔ ایجنسی۔وہ خطے جو افغان قبائل سے معاہدوں کے تحت حاصل کئے گئے تھے (بوری، ژوب وغیرہ)

۱۹۲۸ءمیں بلوچستان میں اصلاحات کے قانونی کمیشن کو جمع کئے گئے ایک مراسلے میں لکھا گیا ہے:

"برطانوی حکومت کے زیر انتظام بلوچستان کے اس حصے کی آبادی ۳۸۳۶۲۴ نفوس پر مشتمل ہے جو ۴۶۹۶۰ مربع میل پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اسے دو درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے، برٹش بلوچستان جو برطانوی ہند کا حصہ ہے اور چیف کمشنر کے زیرِ انتظام ہے اور ایجنسیوں کا خطہ جو برطانوی ہند کا حصہ نہیں ہے لیکن یہ India Order In Council ۱۹۰۲ کے تحت برٹش بلوچستان کے گورنر جنرل کے ایجنٹ کے طور پر چیف کمشنر کے زیر انتظام ہے۔ان علاقوں پر اختیار ماضی کی تاریخ کا انعکاس ہے۔برٹش بلوچستان میں شامل علاقے باقاعدہ طور پر لئے گئے جبکہ ایجنسی کے علاقوں پر اختیار مخصوص حالات میں کسی باقاعدہ اقتدارِ اعلیٰ کے بغیر برطانوی حکومت کو حاصل ہوا۔ عملی طور پر ان دونوں علاقوں میں قانون کی عملداری میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔"

بلوچستان کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ ہندوستانی ریاستیں (قلات، لسبیلہ)

۲۔ قبائلی علاقے (مری، بگٹی، چاغی اور مغربی سنجرانی)

۳۔ ایجنسی کے علاقے۔وہ علاقے جو قلات سے پٹے پر لئے گئے (کوئٹہ کے تحصیل، درہ بولان ، نوشکی تحصیل، نصیر آباد تحصیل) اور وہ علاقے جن کا انتظام برطانوی حکومت نے قبائلی سرداروں کی درخواست پر سنبھالا (لورالائی اور ژوب کے اضلاع)

۴۔ برٹش بلوچستان (پشین، چمن، شورارد، دکی، سبی اور شاہرگ)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے۔شاہ زمان خان سیکرٹری اے۔جی۔جی بلوچستان نے ایف۔سی۔آر کے اطلاق میں آنے والے علاقے کو اپنے ایک چھ صفحات پر مشتمل دفتری مراسلے میں پھر سے واضح کیا ہے جو انہوں نے کوئٹہ میں ۱۸ نومبر ۱۹۵۳ء کو لکھا ہے:

"لگتا ہے کہ کچھ آفیسروں کے لئے یہ طے کرنے میں مشکل درپیش ہے کہ کونسے رول یا حکم کا اطلاق اے۔جی۔جی اور چیف کمشنر بلوچستان کے علاقوں پر ہوتا ہے۔اس مراسلے کا مقصد یہی ہے کہ اس معاملے کو سلجھا سکے۔

۲۔اے۔جی۔جی اور چیف کمشنر کے زیرِ اہتمام آنے والے علاقے یہ ہیں:

ا۔بلوچستان کا چیف کمشنر صوبہ

ب۔وفاقی علاقے / قبائلی علاقے

ج۔اجارے پر لئے گئے علاقے"

مزید برآں اس وقت کے اے۔جی۔جی لیفٹیننٹ کرنل پارسن نے زیارت سے جاری ہونے والے ۱۸ جون ۱۹۳۶ء کے سرکولر میں اس کی مزید وضاحت کی ہے:

"جرم کی یہ دفعات ان علاقوں کے لئے ہیں، جہاں باقاعدہ قانون لاگو نہیں ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

ا۔سرکاری ملازمین اور املاک کے خلاف جرائم

۲۔عوامی سلامتی کے خلاف جرائم، خصوصاً سڑکوں پر

۳۔غیر مقامی لوگوں، جو حکومت کے خصوصی ذمہ داری ہیں، کے خلاف جرائم

اس سرکولر کے ذریعے گلوشہر، کُڑک اور حجک گاؤں کو باقاعدہ قانون کے اطلاق سے مستثنٰی قرار دیا گیا تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جہاں تک قانونی نظام کی عملداری کا تعلق ہے تو ریاستِ قلات میں اس کی مداخلت نہیں تھی۔ برٹش بلوچستان اور ایجنسیوں کے بی ایریا میں فرنٹئیر کرائمز ریگولیشن ۱۹۰۱ء نافذ تھا اور اے ایریا میں برٹش انڈین لاز نافذ تھے۔

" ریگولیشن کو پہلے محکمہ خارجہ نے نوٹیفیکیشن نمبر ۲۹۷۶ بمورخہ یکم نومبر ۱۹۰۱ء کو ایجنسیوں میں نافذ کیا گیا اور بعد میں چیف کمشنر کے نوٹیفیکیشن نمبر ۹۳۵۰ب کے تحت اسی تاریخ کو برٹش بلوچستان میں نافذ العمل ہوا"۔ (جمعیت رائے کا ۱۹۳۲ Customary Law)

بہرحال مقبوضہ علاقوں تھل چٹیالی، کوئٹہ اور پشین میں انگریزوں کی طرف سے قانونی نظام قائم کرنے کے مسئلے کے حوالے سے کوئی بھی برطانوی حکومت کا بنیادی اصول ابتدا سے دیکھ سکتا ہے۔ ۱۸۸۶ء کے سالانہ انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۱۳۶ پر درج ہے:

" یہ ضروری نہیں خیال کیا جارہا کہ سبی، پشین، تھل چٹیالی اور ہرنائی میں، صرف انہی اضلاع کے لوگوں کے سول اور کرمنل معاملوں کے لئے قانون انڈین کوڈ آف لا کے غیر لچکدار انداز سے استوار ہوں۔ اس طرح کے معاملات میں انصاف کے لئے جہاں تک ممکن ہو اسی وطن کی روایات کے مطابق کاروائی عمل میں لائی جائے"۔

اس طرح برٹش بلوچستان میں دوہرے نظامِ انصاف کے اطلاق کے لئے اولین بنیادی اصول کی بنیاد پڑی اور غیر ملکی حکمرانوں نے ۱۹۴۷ء تک اسے جاری رکھا۔ ان علاقوں کو 'اے' علاقہ قرار دیا گیا جہاں زیادہ تر غیر مقامی لوگ رہتے تھے۔ ان علاقوں میں جرم کی تفتیش ہندوستانی قوانین کے مطابق پولیس کرتی اور مجسٹریٹ اس کی کاروائی سنتے۔ جبکہ "بی" علاقوں میں قبائلی رہتے تھے اور وہاں لیویز روایتی قانون کے تحت کسی جرم کی تفتیش کرتی اور اس کا فیصلہ کونسل آف اِلڈرز (جرگے) کرتی۔ دیہاتی علاقوں میں جرگہ کا نظام اور شہری علاقوں میں باقاعدہ قانونی نظام برٹش بلوچستان میں ۱۸۷۸ء سے جاری تھا۔ ۱۹۰۱ء کے فرنٹئیر کرائمز ریگولیشن کو بلوچستان میں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس لے نافذ کیا گیا تا کہ جرگہ سسٹم اور روایتی قانون کو تحفظ دیا جا سکے۔ جمعیت رائے نے اپنے روایتی قانون کے مینول میں لارڈ کرزن کا خطاب بھی رپورٹ کیا ہے جو انہوں نے ۱۲ اپریل ۱۹۰۰ ء میں کوئٹہ دربار سے کیا۔ انہوں نے کہا تھا:

"جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ جرگہ اس ملک کا مقامی نظام ہے۔ کوئٹہ اور سبی کے شاہی جرگوں کو اس کی ترقی یافتہ شکل سمجھا جا سکتا ہے جو برطانوی حکومت نے اس لئے قائم کئے ہیں کہ نہ صرف بلوچستان کے سردار اور ملک باقاعدہ طور پر مل کر تنازعات کا حل نکالا کریں بلکہ اس طرح کے اجلاس اور تنازعات کو حل کرنے کے طریقہ کار ہمیشہ کی طرح بلوچستان کے لوگوں کی عادات واطوار اور روایات کے مطابق ہیں اور برطانوی حکومت کا مقصد اس نظام کو مزید پروان چڑھانا ہے"۔

اوپر بیان کئے گئے قانونی نظام نے انگریزوں کو اس قابل بنایا کہ وہ (ا) قبائلیوں کی روزمرہ کے معاملات میں کم سے کم مداخلت کریں، (ب) سرداری اور ملک کے ادارے کو مضبوط کریں، (ج) برطانوی ہند میں انصاف کی فراہمی پر اٹھنے والے اخراجات کی نسبت برٹش بلوچستان میں انصاف فراہم کرنے پر اخراجات کم کر سکیں (د) ڈپٹی کمشنر اور پولیٹیکل ایجنٹ کو غیر معمولی عدالتی اختیارات دے سکیں جو برطانوی انتظامیہ کے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے لیکن ان انتظامات کے لئے ان علاقوں میں سرداری نظام اور قبائلیت شاید اتنے عرصے کے لئے برقرار نہ رہتا۔ برطانوی حکام اس صوبے میں سرداری نظام کے اتنے دلدادہ تھے کہ انہوں نے کوئٹہ میں ان سرداروں کے بیٹوں کے لئے ۱۹۰۷ء میں ایک ہاسٹل تعمیر کروایا۔

بلوچستان اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی میں ایف۔سی۔آر کے ۲۴ سالہ (۱۸۸۷۔۱۹۱۱ء) تجربے کے بعد حکومتِ ہند نے ۱۹۱۱ء میں اس قانونی میں خامیوں کو دور کرنے کے لئے اس پر نظر ثانی کرنے کا سوچا۔ اس سے متعلقہ فائل (بعنوان Law and Justice-Proposed Revision of F.C. Regulation ۱۹۱۷) ۱۱۵ صفحات پر مشتمل ہے اس میں حکومتِ ہند

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے سیکرٹری خارجہ ہنری مک ماہن، اے۔جی۔جی اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے چیف کمشنر سر جارج روس۔ کیپل، ریوینیو کمشنر ہنری ڈوبس، مردم شماری کمشنر ڈینیس برے، کوئٹہ پشین کے پولیٹیکل ایجنٹ اے۔ میک کونگی، سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ ایف۔ میک کونگی، لورالائی کے پولیٹیکل ایجنٹ وہائٹ، ژوب کے پولیٹیکل ایجنٹ گوف، چاغی کے پولیٹیکل ایجنٹ ویب وارے، اور قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ بینائے کے اس موضوع پر انتہائی اہم معلومات موجود ہیں۔ اگرچہ مرکزی فائل پر ۱۹۱۷ء درج ہے لیکن ان میں مراسلات سارے ۱۹۱۱ء کے ہیں۔ روس کیپل، ڈینیس برے اور ویب وارے کے دو نکات بڑے اہم ہیں جو ذیل میں نقل کئے جارہے ہیں:

i. انگریزوں کی آمد سے پہلے افغانوں پر قدیم روایتی قانون اور محمڈن قانون کے امتزاج سے ان کے معاملات چلائے جاتے تھے۔

ii. قبائلی دیوانی اور فوجداری قوانین میں امتیاز روا نہیں رکھتے تھے کیونکہ ان کا زور مجرم کو سزا دینے کی بجائے متاثرہ شخص کی تلافی پر ہوتا تھا۔

iii. برٹش بلوچستان کے سماجی حالات قبائلی علاقوں سے زیادہ اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے آباد علاقوں سے کم مشابہ ہیں۔

مارچ ۱۹۲۲ء میں اسمبلی کے رکن پی۔ایل مشرانے دہلی کی دستور ساز اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ:

" یہ اسمبلی کونسل کے گورنر جنرل کو سفارش کرتی ہے کہ وہ ۱۹۰۱ء کے ریگولیشن III جو فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے نام سے جانا جاتا ہے، کو فوری طور پر منسوخ کردیں"۔

حکومتِ ہند کے خارجہ اور سیاسی محکمہ نے اس وقت کے اے۔جی۔جی سر آرمین ڈیو سے رائے پوچھی۔ انہوں نے سرکاری اہلکاروں اور سرداروں پر مشتمل ذیل میں دی گئی کمیٹی بنائی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کہ وہ اس حوالے سے سفارشات مرتب کریں۔ اس کمیٹی کے ارکان کے نام ان کے مرتبے کے حساب سے لکھے جارہے ہیں:

۱۔ خان بہادر نواب سر میر شمس شاہ (صدر)
۲۔ خان بہادر شربت خان (رکن)
۳۔ رائے بہادر دیوان جمعیت رائے (رکن)
۴۔ رائے بہادر دیوان لڈھارام (رکن)
۵۔ خان بہادر خان تماخان (رکن)
۶۔ قاضی عبداللہ جان سی۔ اے۔ سی (رکن)
۷۔ سردار بہادر نواب اسداللہ خان رئیسانی (رکن)
۸۔ سردار بہادر امام بخش رند (رکن)
۹۔ خان بہادر ارباب خداداد خان کاسی (رکن)
۱۰۔ حاجی بہاءالدین خان بازئی (رکن)
۱۱۔ خان بہادر اسکان خان ترین (رکن)

۱۴ مارچ ۱۹۲۲ء کو ان کے لکھے گئے چھ صفحات پر مشتمل رپورٹ کے آخر میں لکھا گیا ہے:

" ۸۔ آخر میں نہایت احترام کے ساتھ لیکن پوری سنجیدگی اور اپنے یقین کی بنیاد پر ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اس معاملے میں ہماری رائے اس زیرِ انتظام علاقے کے پانچ میں سے چار حصے کے لوگوں اور ریاست کے سو فیصد لوگوں کی رائے ہے کہ صوبے کو اس کے نتیجے میں ہونے والے مصیبتوں سے بچایا جاسکتا ہے جو اس نظام کے خاتمے سے یقیناً پیدا ہوں گی۔ اس کے خاتمے سے ریاستوں کے انتظامی امور میں بھی خلل پیدا ہو گا کیونکہ زیرِ انتظام علاقوں اور ریاستوں کے قبیلوں کے درمیان بہت سنجیدہ نوعیت کے تنازعات موجود ہیں جو مشترکہ جرگوں اور شاہی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جرگوں میں آتے ہیں اور قبائلی رواجات کے مطابق فیصلہ کئے جاتے ہیں۔ یہ سب فرنٹیئر ریگولیشن کے تحت ہی عمل میں لائے جاتے ہیں"۔

اوپر بیان کئے گئے رپورٹ پر اپنی رائے دیتے ہوئے حکومتِ بلوچستان نے ۱۸ مارچ ۱۹۲۲ء کو خط نمبر ۳۹۷ میں حکومتِ ہند کو لکھا:

"۳۔ بلوچستان میں لوگ جاگیر دارانہ نظام میں رہتے ہیں۔ اسی کی بنیاد پر لوگ نظم و نسق میں رہتے ہیں اور اسی نظام کی بنیاد پر انتظامیہ ترتیب دی گئی ہے۔ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے تحت منظور شدہ جرگہ لوگوں کے اپنے نظام کے ذریعے صوبے کے معاملات آگے بڑھاتی ہے۔ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کی اصطلاح بمشکل ہی استعمال کی جاتی ہے اور ۹۰ فیصد لوگوں نے تو کبھی اس کے بارے میں سنا ہی نہیں ہے۔ جاگیر دارانہ نظام کی جڑ کو چھیڑے بغیر یہ ناممکن ہے کہ جرگہ سسٹم کو ختم کیا جاسکے۔ یہ جاگیر دارانہ نظام وفاقِ قلات کا لازمی حصہ ہے اور اس کی وجہ سے منتشر قبائل کو قابو میں رکھا گیا ہے اور سرداری نظام کی حیثیت بھی کمزور نہیں ہونے دی گئی ہے جو قلات اور دیگر برطانوی خطوں میں ہماری انتظامیہ کی طاقت ہیں۔ اس نظام کو نظر انداز کرنے کے ہی نتیجے میں ۱۹۱۸ء میں مریوں نے سر اٹھایا اور جب ۱۹۱۴ء جنگ شروع ہوئی تو یہی سردار ہی تھے جنہوں نے قبائلیوں کو برطانوی حکومت کی مدد کے لئے تیار کیا۔ باقی تمام علاقوں کی نسبت یہ صوبہ مکمل طور پر مختلف ہے جو افغانستان اور ایران کے سرحدوں پر واقع ہے۔ ان ملکوں کے لوگوں کے درمیان جب بھی کوئی تنازعہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ان جرگوں میں ہی لے کے آتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر ان کے سردار کو عدالت میں لایا گیا یا عورتوں سے متعلق معاملات عدالتوں میں لائے گئے تو یہ ان کی روایات کے خلاف ہوگا اور وہ اس کو اپنی عزت و آبرو کے لئے شرمناک فعل تصور کریں گے"۔

پاکستان بننے کے بعد کچھ شہریوں اور سیاسی جماعتوں نے ایف۔ سی۔ آر کو 'کالا قانون' قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف احتجاج شروع کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے یہ انتہائی غیر جمہوری قانون

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہے ‘جس میں ملزم کو تب تک قصوروار قیاس کیا جاتا ہے جب تک وہ بے گناہ ثابت نہیں ہو جاتا’۔ اس قیاس کی وجہ سے ثبوت فراہم کرنے کا بوجھ استغاثہ کی بجائے ملزم پر پڑتا ہے۔ مزید بر آں اس میں کسی ایک کے جرم کے بدلے میں ‘قبائلی ذمہ داری’ کے تحت جرم کرنے والے پر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کے لئے دباو کے طور پر اس کے تمام قبیلے کو حراست میں لیا جاتا ہے۔ بالآخر پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ نے ایف۔ سی۔ آر (اور جرگہ سسٹم کو بھی) کو آئین میں دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق سے متصادم قرار دیا۔ اسی لئے یکے بعد دیگرے مختلف آرڈیننس کے ذریعے ایف۔ سی۔ آر کی جگہ دوسرے قوانین نافذ کئے جانے لگے۔ لیکن ان کے ذریعے قانون اور امن و امان کی حالت بر قرار رکھنے میں مدد نہیں ملی، اس لئے اعلیٰ عدالتوں نے صوبے کے ان علاقوں کو بھی باقاعدہ قانون کے دائرے میں لانے کے احکامات دیئے۔

لیویز کے نظام کے بارے میں بلوچستان ایجنسی کی سالانہ انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۵۔۱۹۱۴ء میں لکھا گیا ہے:

"یہ نظام بلوچستان کی انتظامیہ میں ہماری حکومت کے اوائل سے اہم جز کے طور پر رہا ہے۔ اس کے ذریعے دو بنیادی مقاصد کو پورا کرنا مقصود ہے۔ دونوں سرحد کے قبائلیوں کی مصالحت اور خود کی حکومت سے جڑے ہوئے ہیں۔ لیویز کے ذریعے نہ صرف، ہماری چند آباد علاقوں کو چھوڑ کر، پورے ملک میں نگرانی کی جاتی ہے اور جرموں کی تفتیش کی جاتی ہے بلکہ ان کے ذریعے ڈاک پہنچانے اور اس جیسے متفرق کام بھی کرائے جاتے ہیں ہم نے قصداً قبائلی لوگوں کو اپنی انتظامیہ کے ساتھ ملا کر رکھا ہے۔ اس میں ہمارا مقصد محض بلوچستان کے قبائلی لوگوں کو روزگار دینا نہیں بلکہ ان کے ذریعے قبائلی سطح پر ان کے اپنے علاقوں میں حکومتی اختیار کو دوام دینا ہے"۔

"اور اس طرح ہم فطری طریقے سے اپنے دوسرے مقصد یعنی قبائلی ذمہ داری کی طرف بڑھتے ہیں۔ بے شک قبائلی ذمہ داری لیویز کے نظام کے بغیر بھی وجود رکھتی ہے لیکن بلوچستان میں لیویز سسٹم اس قبائلی ذمہ داری کو فرسودگی سے نکال کر مضبوط زندگی دیتی ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ج. اجنبیوں کو زرعی زمین بیچنے اور ڈومیسائل سرٹیفیکیٹ کے اجرا کی ممانعت

برٹش بلوچستان اپنے پر امن حالات اور قدرے غیر ترقی یافتہ ماحول کی وجہ سے بہت جلد غیر مقامی لوگوں کے لئے بہترین موقع کی سرزمین بن گئی۔ مقامی لوگ غریب اور ناخواندہ تھے جبکہ باہر سے آنے والے (پارسی، ہندو، پنجابی وغیرہ) دولتمند تھے اور وہ زرعی زمینیں خریدنے میں کافی دلچسپی لے رہے تھے۔ برطانوی حکمرانوں اور سرداروں کو اس پر تشویش تھی جبکہ ضرورت مند اور غریب قبائلی، جو قرضوں تلے دبے ہوئے تھے، اپنے اباء واجداد کی زرعی زمینیں بیچنے لگے۔ اسی لئے شاہی جرگہ کے ۱۶ فروری ۱۹۲۳ء کے فیصلے کو بنیاد بنا کر اس وقت کے اے۔جی۔جی نے اس عمل پر پابندی لگا دی۔ فائل نمبر ۱۹۳۸ A/۶/Jirga بعنوان Refrence to the Shahi Jirga on the Question of Prohibition of Sale of Agricultural Lands to Aliens in Balochistan کے صفحہ ۹۷ پر ذیل میں دیا گیا نوٹ موجود ہے:

"شاہی جرگہ کے ۱۶ فروری ۱۹۲۳ء کا زمین سے متعلق فیصلے کو اے۔جی۔جی نے رواجی قانون کے طور پر قبول کر لیا۔ اس لئے اب قبائلی علاقے میں زمین صرف اسی شخص کو بیچی جائے گی جو درجِ ذیل معیار اہلیت پر پورا اترتا ہو:

ا۔ اسی قبیلے کا رکن اور قبائلی خطے کا مستقل رہائشی

ب۔ زرعی ماہر اور اسی علاقے کا مستقل رہائشی بشرطیکہ قبیلے کا سردار اس پر رضامند ہو۔

اسی طرح اے۔جی۔جی بلوچستان اے۔ایف۔بی پارسن نے سبی سے ۳ فروری ۱۹۳۹ء کو جاری کئے گئے اپنے فرمان میں اسی سوال کو مزید وضاحت کے لئے شاہی جرگے کے سامنے رکھا۔ شاہی جرگہ کے ارکان ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو سبی میں جمع ہوئے اور انہوں نے اپنے فیصلے کے ذریعے اس حوالے کو نمٹا دیا۔ بہر صورت گیارہ پشتون سرداروں نے سیوی کے افغانوں کے لئے متحد ہو کر ذیل میں دیا گیا اختلافی نوٹ لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"جہاں تک مری قبیلے کا تعلق ہے تو ہماری، ذیل میں دیئے گئے ارکان کی، یہ رائے ہے کہ مریوں کو سبی تحصیل میں مزید زمینیں خریدنے سے روکا جائے۔ باقی ہم ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کے فیصلے سے متفق ہیں۔

۱۔ ملک شیر علی خان عبداللہ زئی
۲۔ ملک فاضل خان مندوخیل
۳۔ خان بہادر سردار سمندر خان باروزئی
۴۔ خان صاحب دین محمد خان مرغزانی
۵۔ سردار باز محمد خان باروزئی
۶۔ خان صاحب سردار باز خان بیل خیل (موسٰی خیل)
۷۔ سردار پستہ خان لہرزئی (موسٰی خیل)
۸۔ سردار میا خان ایسوٹ
۹۔ خان صاحب سردار اللہ داد خان (جعفر)
۱۰۔ خان بہادر حاجی گلستان خان چھوہر خیل (شیرانی)
۱۱۔ خان صاحب حاجی محمد یعقوب خان حریفال

اسی فائل کے صفحہ ۱۴۷ اور ۱۴۸ پر اسی سے متعلق اس وقت کے اے۔جی۔جی بلوچستان ایچ۔اے۔ ایف میٹکیلف کا یہ نوٹ موجود ہے:

"میں نے اب اپنی عدالت میں خان واگہ محجک اور خان صاحب میر فیض محمد خان (لنگھانی) مری کے مابین دو معاملوں کو نمٹا دیا ہے۔ دونوں معاملے غلام سرور، فیض محمد خان کے خلاف پیش بندی کے طور پر لے کے آئے تھے جنہوں نے محجک کے قبائلیوں سے محجک گاؤں میں زمین خریدی تھی۔ یہ معاملات پہلے جرگے کو پیش کئے گئے تھے جس نے غلام سرور کے حق میں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

فیصلہ دیا تھا۔ اس فیصلے کو ۱۹۳۹ء میں سر آرتھر پارسن نے ایک طرف رکھ کر اس معاملے کو ایک اور جرگے کے حوالے کر دیا۔ پھر سبی میں اس کی فائل گم ہو گئی اور پھر ان معاملوں کا فیصلہ چند ہفتے پہلے کیا گیا۔ اس کے بعد ایک خصوصی جرگہ تشکیل دیا گیا جس نے غلام سرور کے پیش بندی کا دعویٰ اس بنیاد پر مسترد کر دیا کہ خان صاحب فیض محمد خان بھی اسی علاقے کے مقامی ہیں اور دونوں اس زمین کے حوالے سے اتنا ہی حق رکھتے ہیں جتنا کہ دیگر قبائلی حجک رکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان میں سے کوئی بھی اسی قبیلے کے نہیں ہیں، ایک واگہ ہے اور دوسرا مری، اس لئے میں نے غلام سرور کی درخواست اس بنیاد پر مسترد کر دی کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ زمینی حقائق کی رو سے یہ فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ معاملات اس سے قطعی تعلق نہیں رکھتے کہ مریوں کو سبی ایجنسی میں زمین خریدنے کی اجازت ہونی چاہیے یا نہیں۔ میں پی۔ اے صاحب کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ مریوں کی وجہ سے حجکوں کی بے دخلی کسی صورت مقصود نہیں ہے۔ اس طرح کے کسی بھی عمل میں خطرہ موجود ہے۔ کیونکہ مریوں کی نہ ہی یہاں زمین ہے اور نہ ہی وہ زمین کے مالک قبیلے کے ہمسائے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ اس فیصلے میں لی گئی پوزیشن کسی بھی اس طرح کی صورتحال سے بچاو کے لئے کافی ہے"۔

زمین کے حوالے سے بات کرتے ہوئے یہاں یہ مناسب ہو گا کہ انگریزوں کے ان مثبت اقدامات کا بھی ذکر کریں جو انہوں نے زرعی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے اٹھائے۔ ۲۱۔۱۹۲۰ء کے سالانہ انتظامی رپورٹ میں لکھا گیا ہے:

"سبی میں ہندوستان سے لائی ہوئی میوہ اور درختوں کی متنوع اقسام کو سبی اور کچھی کے میدانوں میں متعارف کرنے کے لئے سبی میں بیس ایکڑ پر مشتمل ایک تجرباتی فارم بنایا گیا اور اس میں پانی کی بچت اور دیگر زرعی تجربات بھی کئے جائیں گے۔ اس کا کام اگست ۱۹۲۰ء کے آخر میں شروع ہوا اور فارم کے لئے پلاٹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کے وسط تک ہموار کیا گیا۔ اگلے موسم بہار میں (۱۹۲۱ء) ہندوستان سے بے شمار میوہ جات کے اور دیگر درخت درآمد کر کے فارم میں لگا دیئے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گئے۔ زرعی کالج لائل پور سے فارغ التحصیل دو طالب علموں میں سے ایک (عطا محمد خان مرغزانی) کو اس کا انچارج بنا دیا ہے جس کی نگرانی کوئٹہ فروٹ فارم کے انچارج ای۔ اے۔ سی کریں گے۔ پانی کی بچت اور گندم کی زیادہ پیداوار کے حوالے سے مسٹر ہوورڈ کی ہدایات پر سبی فارم میں تجربات کئے گئے اور ان کے کامیاب ہونے کی توقع ہے"۔

زرعی زمین کے خریدنے پر پابندی کے ساتھ ساتھ صوبے کے برطانوی حکمرانوں نے صوبے سے آنے والے غیر دیسی لوگوں کے لئے مقامی ڈومیسائل کے فوری طور پر حصول کو بھی دشوار بنا دیا تھا۔ اس مقصد کے لئے ریونیو کمشنر نے ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کے فرمان نمبر ۶۳۲۵ کے ذریعے درج ذیل شرائط رکھیں:

"۱۔ کسی فرد کو بلوچستان کا ڈومیسائل صرف اس صورت میں دیا جائے گا کہ:

(i) وہ ایک مقامی قبائلی ہے

(ii) وہ ایک ایسے خاندان کا رکن ہے جو دو نسلوں سے بلوچستان کے ڈومیسائل ہیں اور اس حیثیت کو جاری رکھنا چاہتا ہے اور وہ درخواست گزار بذات خود مستقل رہائشی ہے۔

(ii) درخواست گزار کو، ان ثبوتوں کے علاوہ جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ طلب کر سکتا ہے، ایک حلف نامہ جمع کرانا ہو گا کہ وہ اور اس کے ابا و اجداد دو نسلوں سے یہاں رہائش رکھتے ہیں اور انہوں نے ڈومیسائل لے رکھے ہیں اور یہ کہ ڈومیسائل کے حصول کے بعد اس کی کوئی نیت اور ارادہ نہیں کہ وہ اپنے قدیم آبائی ملک جائے گا۔

۲۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے علاوہ اور کوئی بھی آفیسر اس طرح کا سرٹیفیکیٹ جاری کرنے کا مجاز نہیں ہو گا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۔ اس فرمان سے سے پہلے جاری ہونے والا کوئی بھی ڈومیسائل سرٹیفیکیٹ کو کسی بھی مقصد کے لئے استعمال کو درست نہیں مانا جائے گا۔

ایس۔ای۔یو بریمنور
ریونیو کمشنر بلوچستان"

د. ڈسٹرکٹ گزیٹیرز کی تالیف

انگریزوں کی عنایات کے باب کی بحث ختم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیرز کی تیاری اور اشاعت پر بھی بات کی جائے جو کہ برٹش بلوچستان کے حکومت کا ایک قابل تعریف کارنامہ ہے۔ اس ضمن میں ایسے ابتدا ہوئی تھی:

"مردم شماری کی رپورٹ مکمل کرنے کے بعد ہیوز بلر نے امپیریل گزیٹیر پر نظر ثانی کے لئے مواد اکھٹا کرنا شروع کیا جو ایجنسی میں توسیع اور علاقے کی ترقی کے لئے پھر سے لکھا جانا ضروری تھا۔ اس گزیٹیر پر نظر ثانی کا کام تحصیلداروں کی طرف سے حاصل ہونے والے مواد پر مشتمل ہو گا۔ سال کے آخر تک ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے سلسلے پر کام کی تیاری کا فرمان بھی آگیا اور اب اس کی ایک شکل آ چکی ہے ۔ مسٹر ہیوز بلر کو صوبے میں نسل نگاری (Ethnography) کا سپرنٹنڈنٹ بھی تعینات کیا گیا جس کا کام حال ہی میں سال کے آخر میں شروع ہوا۔ رائے صاحب دیوان جمعیت رائے پورے سال کے دوران ہیوز بلر کے معاون رہے"۔ (Admin Report for ۱۹۰۲-۱۹۰۳, p. ۷)

"مردم شماری اور گزیٹیر کے کام کے لئے متعین افسروں نے پورے ساڑھے چھ سال، اکتوبر ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۷ء کے آخر تک، کام کیا۔ اس دوران مردم شماری کی رپورٹ اور جدول کے علاوہ انہوں نے شماریات کی صوبائی جلد، دو ضلعی رسالے اور ایک جلد انڈیکس مرتب کیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گزیٹیر اور نسل نگاری سروے کے لئے بہت زیادا مواد اکھٹا کیا گیا۔ اس تمام عمل پر ۳۴۵۶۶۸ روپیہ کے اخراجات آئے۔ نسل نگاری سروے میں مری، کھیتران، مندوخیل، جٹ اور لوری قبیلے کے حوالے سے قیمتی معلومات ملی ہیں"۔

آخرکار یہ یادگار لیکن مشکل کام ۱۹۰۷ء میں مکمل ہوا۔ اس کے نتیجے میں گزیٹیر کی بارہ جلدیں مکمل ہوکر افسروں کے لئے دستیاب ہوئیں۔ اس کی ہر جلد متعلقہ ضلع کے بارے میں جامع معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ اس کام کی اہمیت اور بھی بڑھتی اگر انگریزوں کے جانشن ہمارے اپنے حکمران اس کو جاری رکھتے۔ لیکن افسوس پچھلے پچاس سالوں سے وہ ان پر نظر ثانی کرنے یا ان میں اضافہ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ البتہ ۱۹۸۹ء میں جب مجھے بلوچستان کے آرکایئوز محکمے کے ڈی۔جی کا اضافی چارج دیا گیا تو میں نے قریباً تمام گزیٹیر، برطانوی دور کی تمام انتظامی رپورٹ، 'قلات افیئرز کی کچھ جلدیں، تھل چٹیالی رپورٹ کی ایک جلد اور رائل ایشیاسوسائٹی کے ریکارڈ کی کچھ جلدیں دوبارہ شائع کیں۔

ذ۔ سڑکیں اور ریلوے

برطانوی حکمرانوں کے اہم کارناموں میں سے ایک مختلف قصبوں کو جوڑنے کے لئے ریلوے لائن اور سڑکوں کی تعمیر ہے۔ ان کے پیشرو (افغان حکمران) نے کبھی ریلوے کی بات تک نہیں کی تھی۔ ان کے دور میں تو سڑکیں بھی نہیں تھیں اور نہ ہی بڑے شہروں کو ملانے کے لئے پل تھے اسی لئے کوئٹہ کو سبی سے، کوئٹہ کو چمن سے، سبی کو ہرنائی سے اور ہرنائی کو پشین سے ملانے کے لئے سڑکیں دستیاب نہیں تھیں۔ اس وقت صرف وہی اونٹوں کے قدیم راستے ہی تھے۔ پرانے حکمرانوں کی یہاں دلچسپی شاید صرف زمینداروں سے محصول وصول کرنے اور جنگوں میں ان علاقوں سے مدد حاصل کرنے تک تھی۔ میجر لمسڈن (۱۸۶۰ء) کے الفاظ میں:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"افغان حکمرانوں کا اہم مقصد یہاں کے لوگوں کی آسودگی اور خوشحالی نہیں تھی بلکہ وہ ان سے جس حد تک ممکن ہو روپیہ بٹورنے کے لئے ان پر حکمرانی کرتے تھے"۔

اسی لئے ۱۸۸۷ء میں سبی۔بولان۔کوئٹہ ریلوے کی تکمیل اور پشین سے ہرنائی ریلوے لائن برطانوی حکمرانوں کا اہم کارنامہ ہے۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۴ء کے سالوں کی انتظامیہ کا جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے اے۔جی۔جی بلوچستان کرنل ییٹ کہتے ہیں:

"۱۹۰۲ء کی گرمیوں میں سبی اور کوئٹہ کے مابین براستہ ہرنائی ریل سروس کا افتتاح کیا گیا۔ ۱۹۰۳ء میں اس سروس میں تیزی لائی گئی اور گرمیوں اور سردیوں دونوں کے لئے سروس کو مستقل کیا گیا"۔

میرے بچپن میں مجھے بتایا گیا کہ سبی کے لوگ کوئٹہ اور مستونگ جانے کے لئے بولان ریل کی بجائے سندھ پشین ریل استعمال کرتے تھے۔ اپنی کتاب Coupling to the Khyber – The Story of the North Western Raiway (۱۹۶۹) کے صفحہ ۱۳۵ پر پی۔ایس۔اے بیرج اس ریلوے لائن (اسے کندھار ریاستی ریلوے بھی کہا جاتا تھا) کے بارے میں بڑی دلچسپ کہانیاں سناتے ہیں:

"۱۸۸۳ء میں مرو میں روسی پیشقدمی نے آمدورفت کے اس تذویری لائن پر کام پھر سے شروع کرنے کے لئے ضروری جواز فراہم کیا۔ لیکن یہ خاموشی سے بڑھنے والا منصوبہ بنا۔ اس کام کو آگے بڑھانے کا حکم مسٹر گلیڈسٹون کی حکومت سے آیا۔ لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر اس کو ریلوے لائن کی بجائے "ہرنائی کے سڑک کی بہتری کا منصوبہ" کہا گیا"۔

ر۔ سبی میلۂ اسپاں و مویشیاں کا آغاز

بلوچستان حکومت کے ریکارڈ میں ہاتھ سے لکھا ہوا ایک چار صفحوں کا نوٹ بعنوان Proceedings of a Darbar held by Sir Sandeman on November ۲۵,

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۸۲" موجود ہے جسے اوڈھو داس نے لکھا ہے اور اس پر آر۔جی سنڈیمن نے ۲۶ نومبر ۱۸۸۲ء کو دستخط کئے ہیں۔اس میں لکھا ہے:

"آج صبح گیارہ بجے سر رابرٹ سنڈیمن نے ایک دربار منعقد کی جس میں بلوچستان کے بڑے سرداروں موجود تھے۔

۱۔ سردار اسد خان ساراوان (رئیسانی)
۲۔ وڈیرہ شادی خان بنگلزئی
۳۔ سردار یار محمد خان کرد
۴۔ سردار دوست محمد لہڑی
۵۔ سید اورنگ شاہ رئیس آف ڈھاڈر
۶۔ فیض محمد نائب آف ڈھاڈر
۷۔ سردار مہراللہ خان تومندار آف مری
۸۔ سردار محمد خان باروزئی
۹۔ سردار سربلند خان باروزئی
۱۰۔ سردار سہراب خان ڈومکی
۱۱۔ سردار عظیم خان کہیری
۱۲۔ ملک طور خان شادوزئی
۱۳۔ سردار اسماعیل خان ترین آف تھل چٹیالی
۱۴۔ سردار کمال خان عمرزئی آف تھل چٹیالی

ان سرداروں کے علاوہ بہت سے عام لوگ بھی سنڈیمن کی انگلینڈ سے واپسی پر ان کو خوش آمدید کہنے کے لئے جمع ہوئے تھے اس مجمع سے خطاب کرتے ہوئے سنڈیمن نے عوامی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نوعیت کے مسائل پر بات کی۔ انہوں نے سردار اللہ ڈینہ کرد کی موت پر افسوس اور تھل چٹیالی کے ملکوں کی موجودگی پر مسرت کا اظہار کیا۔

اس موقع پر ترین ملکوں نے سنڈیمن سے درخواست کی کہ انہیں مریوں کی لوٹ مار سے محفوظ کیا جائے۔

"آخر میں سنڈیمن نے کہا کہ ان کے خیال میں ڈیرہ غازی خان کے طرز پر سبی میں یا کہیں اور میلہِ اسپاں کا آغاز کرنا بہت اچھا ہو گا۔ اس طرح کا میلہ سال میں ایک بار نہ صرف سرداروں کے میل ملاپ کا ذریعہ بنے گا بلکہ اچھی نسل کے گھوڑوں کی افزائشِ نسل اور تجارت کے لئے بھی فائدہ مند ہو گا۔ تمام سرداروں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور وعدہ کیا کہ وہ ہر سال فروری، مارچ میں اس میلے کے لئے اپنے گھوڑے لائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ افغانستان سے بھی گھوڑوں کے بہت سے سوداگر اپنے گھوڑے لائیں گے۔ بارہ بجے دربار برخاست ہوئی"۔

یہی سبی کے میلہ اسپاں و مویشیاں کا آغاز تھا جو ۱۸۸۵ء سے ہر سال باقاعدگی سے منعقد کیا جاتا ہے۔ اس میلے کو قدیم اور قوم پرستانہ ثابت کرنے کے لئے کئی دعوے کئے جاتے ہیں لیکن اس کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی دستاویزی ثبوت ہیں اور نہ کوئی زبانی روایات۔ بہرحال یہ میلہ ایک صدی سے زیادہ برٹش بلوچستان کے باشندوں کے لئے سماجی میل ملاپ اور تفریح کا مقصد پورا کر رہا ہے۔

ز۔ آبپاشی کے ذرائع کی تعمیر

برٹش بلوچستان کے مختلف علاقوں میں انگریزوں کے آبپاشی کے لئے کئے گئے کام بھی ان کے کارناموں میں شامل ہیں۔ ان کے بغیر پانی کے انتظام کے لئے محنت کر کر کے کسان یقیناً اپنی موت سے پہلے ہی مر جاتے۔ یہ کام بھی ان سے پہلے کے حکمرانوں کے لئے وجہ ملامت ہیں کیونکہ وہ اس طرز کے ترقیاتی کام کی بجائے ان کسانوں کو مارنے پر اتر آتے تھے جو ان کا محصول دینے کے قابل نہ ہوتے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۰

دریائے ناڑی۔ سیوی کے افغانوں کی خطِ زیست

دریائے ناڑی سبی قصبے کی شمال سے سات میل دور پہاڑوں کی گھاٹیوں سے آتا ہے۔ انگریز اسے ناڑی گورج کہتے تھے اور اسے ایک بند کے طور پر یاد کرتے تھے۔ یہ دریائے ناڑی بلاشبہ سیوی کے چالیس ہزار پنڑی افغانوں کی خطِ زیست ہے۔ اس سے پینے، دھونے اور آبپاشی کے لئے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ لورالائی خانوزئی سڑک پر سپیرہ راغہ کے مشرق میں چار میل پر واقع سار مومنگئی سے نکلتا ہے، سپیرہ راغہ سے چینہ اور وہاں سے آگے یہ دریائے مڑہ میں جاملتا ہے۔اس کا پانی دائمی نہیں ہے۔ پھر کچھ میل آگے یہ لورالائی کے مشرق میں لورالائی میختر سڑک پر دریائے سیہن اور دریائے وتگان سے ملتا ہے۔ان دونوں دریاوں میں مستقل پانی ہے۔مزید نیچے جاکے یہ دریائے انمبار، دریائے لاکھی اور دریائے نارپچی سے ملتا ہے جو سارے دکی تحصیل کے لونی افغان قبیلے کے علاقوں سے گزرتے ہیں۔ ان تین میں سے دو دریاوں کا پانی دائمی ہے۔ مزید نیچے جاکے گھاٹی پل کے بعد یہ دریائے بیجی بن جاتا ہے۔ کواٹ منڈائی میں دریائے داداکا دائمی پانی اس میں شامل ہو جاتا ہے جو وادی ہرنائی کے جنوب سے بہتا ہے۔ بابر کچھ کے مقام پر مغرب سے بہتا چشمہ اس میں شامل ہوتا ہے جسے سنگان چشمہ کہا جاتا ہے۔ آگے جاکر یہ مشترکہ دھار سبی کے میدان ناڑی گورج میں بہتا ہے اور اس کو دریائے ناڑی کہا جاتا ہے۔

سبی گزیٹیر کے صفحہ ۱۱ پر اس دریا کے حوالے سے عبارت ہے:

" یہ دریا نارپچی اور انمبار دریا کے علاقے سے پانی لیتا ہے اور تھل چٹیالی اور گورج کے مختلف پہاڑوں سے آنے والے دھارے بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔ خزاں کے موسم میں تو اس

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں اونچے درجے کا سیلاب بھی آتا ہے جو پچاس فٹ تک گہرا ہوتا ہے۔ جب یہ ناڑی گورج سے خارج ہوتا ہے تو یہ بند میں اور اس چینل میں جاتا ہے جہاں سے یہ چار نہروں میں تقسیم ہوتا ہے جو سبی اور آس پاس کے دیہاتوں کو آبپاشی کے لئے پانی فراہم کرتا ہے"۔

سبی تحصیل کے بندوبست زمین کی پہلی رپورٹ (۱۸۹۹۔۱۹۰۲ء) کے صفحہ ۱۲ پر درج ذیل عبارت موجود ہے:

"ناڑی گورج ریلوے سٹیشن کے پاس رودِ ناڑی کے پانی کو بند کے ذریعے نالوں میں لے جایا گیا ہے۔ اس پانی کو ساڑھے اٹسٹھ پاؤ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں سے چار پاؤ موضع لونی کا حصہ ہے۔ جو سب سے پہلے اس ایک علیحدہ تعمیر کئے ہوئے بند کے ذریعے یہ پانی حاصل کرتا ہے۔ بقایا ۲/۱۔۶۴ پاؤ کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اس میں سے ۲/۱۔۵۸ پاؤ ایک نالے میں جاتا ہوا مزید چار حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جبکہ بقیہ چھ پاؤ ایک اور نالے کے ذریعے گلوشہر اور بخرہ غلام بولک جاتا ہے۔ اس طرح ہر گاؤں اپنے حق کا پانی حاصل کرتا ہے"۔

لفظ "ناڑی" کی تاریخ دانوں نے مختلف توضیحات کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قریب یہ توضیح ہے کہ یہ لفظ ناہر قبیلے سے اخذ ہوا ہے جو سبی کے سب سے پہلے آباد باشندے اور حکمران تھے۔ نامور مورخ محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ کے مطابق اس کے بعد افغان ہندو قبیلہ "لنگا" نے پندرہویں صدی میں سبی پر حکمرانی کی۔ ہمیں ۱۳۲۲ء میں سیفی ہروی کی مرتب کردہ تاریخ نامہ ہرات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تاریخ میں افغانستان کی ریاستی حدود روجھان (مزاری) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسرے ذرائع کے مطابق کنکوٹ کا علاقہ، اسی طرح ڈیرہ غازی خان کی طرف روجھان مزاری کے علاقے بھی افغانوں کے ناہر قبیلے کے قبضے میں تھے۔ ناموں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ فتح نامہ / چچھ نامہ (۱۹۶۳ء ایڈیشن) کے صفحہ ۳۹۲ پر روجھان کا ذکر کرتے ہوئے وہ تاریخ نامہ کے مرتب سے اتفاق کرتے ہیں کہ اب

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

روجھان جمالی اور روجھان مزاری کہلانے والے علاقے افغانستان کا حصہ تھے۔ چونکہ ان دنوں مستونگ افغانستان کا دارالخلافہ تھا اور دکی پر بھی افغانوں کی حکومت تھی تو اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مستونگ، دکی اور جیکب آباد سے متصل علاقے اس ریاست کا مرکز تھے۔ عوامی نیشنل پارٹی کے عبدالرحمٰن ایسوٹ مرحوم نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ اس طرح کے کچھ ثبوت موجود ہیں کہ افغان قبیلہ ناہر موجودہ ضلع موسیٰ خیل کے پہلے رہائشی تھے۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۹۸ء کو کوہلو کے ایک باعلم زرکون نے مجھے بتایا کہ زرکون قبیلے کی چوبیس شاخوں میں سے ایک ناہر ہے جن کا کوہلو میں اپنا بڑا گاؤں ہے۔ نیازی، بہرام زئی، شاہوزئی، حجک، اندڑ، ایسوٹ، سلیمانخیل، استرانی، بارکزئی اور شاکرن (جعفر) زرکون کی کچھ دیگر شاخیں ہیں۔

مذکورہ بالا تاریخ نامہ ہرات میں " افغان ڈاکوؤں کے ایک گروہ " کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جن کا تعلق "کنگان اور ناہران" قبیلوں سے تھا اور وہ "سندان افغان" کی ملکیت دکی کے جنوب میں ۵۰ فرسخ کے علاقے میں سرگرم تھے۔ ناہران ناہر کی جمع ہے۔ تاریخ میں ہمیں ایک اور علاقے کا ذکر ملتا ہے جو دریائے ناڑی کے ساتھ ایک علاقے سے متعلق ہے۔ ناڑی گورج سے جنوب کی طرف چند میل دور، جس کو اب کچھ گورچانی کہا جاتا ہے، دراصل پرانے باروزئی اور نودھانی خاندانوں کی دستاویزات اور ۷۹۔۱۸۷۷ء میں برطانوی افسروں نے اس علاقے کو ناہر کچھ کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے لیکن اس کا صحیح اور موزوں نام "دریائے ناہری" اور "ناہری گورج" ہونا چاہیے۔

اے ڈبلیو ہیوز کی ۱۸۷۶ء کی کتاب "The Country of Balochistan" کے صفحہ ۹۰ پر ہمیں ذیل میں دی گئی تشریح ملتی ہے:

"یہاں ناڑی اور لہڑی چشمے بھی ہیں۔ ان میں سے ناڑی زیادہ بڑا اور اہم ہے۔ یہ افغانستان سے تعلق رکھنے والے ضلع سبی (یا سیوی) کے شمال سے نکلتا ہے اور ڈھاڈر کے مشرق میں بارہ میل پر واقع کچھی میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن سال کے اکثر مہینوں میں یہ خشک ہوتا ہے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور دیگر اوقات میں جب اس میں پانی ہوتا ہے تو وہ افغان ضلع میں آبپاشی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور گندواہ کی پیاسی زمین کے لئے تقریباً کچھ نہیں بچتا"۔

مسٹر ایم۔ایل ڈیمس نے ۲۶ مارچ ۱۸۷۹ء کی "سبی رپورٹ" میں لکھا ہے:

"ضلع کے پانی کا مرکزی ذریعہ دریائے ناڑی ہے جس سے نکل کر نالے مختلف دیہاتوں کو جاتے ہیں۔ ان نالوں کو پانی سے بھرنے کے لئے دریا پر پشتے بنائے گئے ہیں جو کہ انتہائی کمزور انداز سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ بند سے خزاں اور سردیوں کے موسم میں پانی کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ جب بھی جولائی اور اگست میں حسب معمول پہاڑوں پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے تو یہ بند ٹوٹ جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس وقت خریف کی کھڑی فصلیں اگر پوری طرح سے تباہ نہیں ہوتیں لیکن ان کو شدید نقصان ضرور پہنچتا ہے"۔

۰۳۔۱۹۰۲ء کے بلوچستان ایجنسی کی رپورٹ کے صفحہ ۹ پر درج ذیل عبارت ہے:

"ایک اور منصوبہ دریائے ناڑی کے نظام کو دوبارہ آبپاشی کے استعمال کے قابل بنانا تھا۔ یہ پہلے کچے بند کے طرز پر بنا ہوا تھا جس سے زمیندار اپنی زمینوں کے لئے پانی لیتے تھے۔ لیکن دریا کے کنارے سے نکلنے والا نالہ بدقسمتی سے سیلاب کی زد میں آیا۔ اس کے بعد اسے دوبار تعمیر نہیں کیا گیا تھا اور زمیندار واپس پرانے طریقے کچا بند سے اپنی زمینوں کے لئے دریائے ناڑی کا پانی استعمال کرنے لگے۔ موجودہ منصوبہ نالے کو اوپر اس جگہ تک بنانے سے متعلق ہے جہاں سیلاب کا پانی نہ پہنچ سکے"۔

بلوچستان ایجنسی کی ۱۵ اگست سے ۱۵ ستمبر ۱۹۰۸ء کی انٹیلجنس ڈائری میں ایک دلچسپ واقعہ کے بارے میں لکھا گیا ہے:

"جس بند سے دریائے ناڑی کا پانی سبی کو فراہم کیا جاتا ہے وہ سیلاب کی وجہ سے ٹوٹ گیا جس کے نتیجے میں کچھ دن کے لئے سبی کو پانی دینا ممکن نہیں تھا۔ ریلوے حکام نے بتایا کہ ان

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے اکثر ریلوے انجن خشک ہیں اور اگر مزید کچھ اور دن پانی کا بندوبست نہ ہوا تو ریل سروس کو معطل کرنا پڑے گا۔ مسلسل سیلاب کی وجہ سے بند پھر سے تعمیر کرنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن زمینداروں کے نالوں سے عارضی طور پر ریلوے کے لئے پانی کا بندوبست کیا گیا"۔

"سبی تحصیل کے لئے ایک ایری گیشن سکیم کا سروے کیا گیا اور اس کو فروری ۱۹۱۱ء میں سبی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں ایری گیشن کے انسپکٹر جنرل سے اس پر بات ہوئی امید ہے اچھا نتیجہ آئے گا۔ ناڑی کے موجودہ نہروں کی کارکردگی تسلی بخش نہیں ہے۔ زمیندار ہمیشہ اس میں سے بند نکالتے ہیں جو کہ اس کا ضیاع ہے۔ اور اس کی وجہ سے سبی میں پانی کی سپلائی متاثر ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک مذکورہ بڑی سکیم مکمل نہیں ہوتی، عارضی طور پر ریلیف دینے کے لئے اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ نہر کو اس طرح سے بنایا جارہا ہے کہ اس میں سے وہ رکاوٹیں دور ہوں جو پانی کو روکنے کا سبب بنتی ہیں"۔(Admin Report ۱۹۱۰-۱۱)

"دریائے ناڑی بڑے سیلاب لے کے آتا ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق سالانہ اوسط ۳۵۰۰۰ ملین کیوبک فٹ پانی ناڑی گورج سے گزرتا ہے۔ لورالائی میں سارے منصوبے مکمل کرنے کے بعد بھی ۲۵۰۰۰ ملین کیوبک فٹ پانی پھر دوسرے مقاصد کے لئے بچ جائے گا"۔

"فروری ۱۹۱۱ء میں سبی میں اس پر اور دیگر منصوبوں پر بحث کے لئے ایری گیشن کے انسپکٹر جنرل سے کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ریاستِ قلات نے ناڑی کے تمام پانی پر اپنا دعویٰ کیا"۔

بلوچستان ایجنسی کی انتظامیہ رپورٹ برائے سال ۱۸۔۱۹۱۷ء اور ۲۳۔۱۹۲۲ء میں ناڑی نہر سے متعلق درجِ ذیل عبارت ہے:

۲۴۔" ناڑی پشتہ مئی ۱۹۱۷ء میں مکمل ہوا تھا۔ لیکن اگست ۱۹۱۷ء کے شدید سیلاب نے پانی دریا کے بالائی رخ پر کنکریٹ سے بنے سارے فرش تباہ کر دیئے۔ اب اس کو باقاعدہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

چنائی سے چھ انچ کے کنکریٹ کے ساتھ دوبارہ بنایا گیا ہے۔ پچھلی سردیوں میں اس پشتے پر ساٹھ فٹ تک پڑے کانٹے دار چٹان کو ہٹا دیا گیا ہے"۔

۲۵۔ "اس سال (پشتے کی تعمیر کے بعد) دریا سے پچھلے سال کی نسبت زیادہ پانی حاصل کیا گیا۔ اب ان غیر استعمال شدہ نالوں کو نئے سرے سے ملا کر استعمال میں لانے کا ایک اور منصوبہ ہے۔ برٹش بلوچستان میں ناڑی واحد اہم دریا ہے اور جس علاقے کی کمان سنبھالنی ہے وہ بہت وسیع ہے۔ اس لئے دریائے ناڑی سے آبپاشی کو ترقی دینا بہت اہم ہے اور یہ یقیناً سود مند ثابت ہو گا"۔

۲۶۔ "عارضی طور پر مقامی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۱۸۔۱۹۱۷ء کے مالی سال سے زیر حکومت دیہاتوں سے حاصل ہونے والی آمدن کے ۲۵ فیصد کو ناڑی نہر سے آبپاشی کے محصول کے طور پر سمجھا جائے گا۔ اس سال آمدن سے نہر پر ۱۵۸۲۸ روپیہ خرچ کیا گیا"۔

بلوچستان ایجنسی کی انتظامیہ رپورٹ برائے سال ۳۵۔۱۹۳۴ء کے صفحہ ۵۸ پر درجِ ذیل عبارت ہے:

"اگست میں ناڑی دریا سے سبی میں شدید سیلاب آیا اور فروری میں دوبارہ آیا۔ پہلے سیلاب نے ریلوے کے املاک کو زیادہ نقصان پہنچایا اس کو بچانے کے لئے بند بنایا گیا جس کی وجہ سے دوسرے سیلاب نے شہر کے میونسپل کے علاقوں اور قریب دیہاتوں میں سرکاری اور نجی عمارتوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ اب اس مصیبت کو ٹالنے کے لئے ناڑی گورج پر بچاؤ کا کام زیرِ تعمیر ہے"۔

خان صاحب حاجی احمد خان لونی نے ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء کو سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ کو ایک درخواست دی جس میں انہوں نے خان بہادر کا خطاب عطا کرنے کے ساتھ دیگر امور کے حوالے سے بھی لکھا۔ انہوں نے لکھا کہ ۱۹۰۲ء میں اپنے بوڑھے والد حاجی عزیز خان لونی سے انہوں نے قبیلے کے معاملات سنبھالے۔ انہیں والد کی وفات کے بعد ۱۹۱۱ء میں جرگے کا رکن بنایا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گیا۔ اور یہ کہ ۱۹۳۳ اور ۱۹۳۴ء میں سیلاب کے بعد انہوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان سیلابوں میں سبی پولیس لائن اور دہپال بوستان خان گاؤں تباہ ہو گئے تھے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دریائے ناڑی اور اس سے فائدہ اٹھانے والے سیوی کے پنڑی افغان کئی نشیب و فراز سے گزرے ہیں۔ اب تک ان پر قبضے اور ان سے محصول لینے کے ۴۰۰ سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا ہے۔ پہلی بار ان کا ذکر ۱۵۸۸ء میں مرتب کردہ آئین اکبری میں ہوا ہے۔ دوسری بار ان کا ذکر ۱۶۹۰ء کے آس پاس ہوا ہے جب انہوں نے ڈھاڈر کے قریب جنگ کے میدانوں اور ناڑی گورج کی حدود میں درجنوں بار خانِ قلات کی براہوی فوجوں کو شکست دی تھی۔ انیسویں صدی میں جب حالات خراب ہوئے تو حجک اور دیگر پنڑی افغانوں کی ناڑی کے پانی کے اوپر آپس میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس سالوں میں سبی کے آس پاس رہنے والے دیگر نسلی گروہوں نے ناڑی کے پانی کے اوپر پنڑیوں سے کوئی جنگ نہیں لڑی جبکہ پنڑیوں کو کچھی سے نکالنے کے لئے سولہ سے زیادہ لڑائیاں ہوئیں اور سبی میں پنڑیوں کے گاؤں کو لوٹنے کے لئے مریوں نے کئی حملے کئے۔ تاہم پہاڑی فراریوں کی موجودہ سرگرمیوں پر یہاں کے لوگوں کی طرف سے نظر رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایک خطرناک رجحان ہے۔

۱۸۷۸ء میں جب انگریزوں نے سبی افغانستان سے قبضے میں لیا تو اس وقت ناڑی پر صرف ایک بند تھا جسے سیوی بند کہا جاتا تھا اور جو شیخ کٹا کے مزار تک تھا۔ اس کے بائیں کنارے سے تقریباً پانچ نالے نکلتے تھے۔ ان میں سے دو مرغزانی اور دہپال کی ملکیت تھے جو گلو شہر کے پل کے قریب سے نکلتے تھے۔ اس کے بعد کا پانی مزریوں، مرغزانی اور دہپال کی ملکیت تھا۔ پھر انگریز حکمرانوں نے اس کی تقسیم کے لئے پشتہ تعمیر کیا اور ۱۹۱۷ء میں چنائی کر کے اس پر لوہے کے گیٹ بنائے گئے جو سیلاب کے دنوں میں اٹھا لئے جاتے تھے اور پانی کی سطح نارمل ہونے پر پھر سے رکھ دیئے جاتے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انتظامیہ رپورٹ برائے سال ۱۹۔۱۹۱۸ء کے صفحہ ۱۰۱ پر درجِ ذیل عبارت ہے:

"اس سال کی ایک اہم بات یہ ہے کہ حکومت نے پرانے زمینداری کے نالوں کی جگہ ایک مکمل نئے سسٹم کی تعمیر کے لئے ۱۴۲۹۱۰ روپیہ کا تخمینہ لگایا ہے۔ یہ منصوبہ متعدی زکام کے وباء (اکتوبر ۱۹۱۸ء)، ریلوے ٹرانسپورٹ کی مشکلات اور ریلوے کے کام کی وجہ سے تاخیر کا شکار ہوا۔ تاہم توقع کی جارہی ہے کہ یہ کام جون ۱۹۱۹ء تک مکمل ہو جائے گا اور یہ پورا نظام اگلے ربیع کے موسم تک عملی ہو جائے گا"۔

سبی کے پینے کے پانی کے لئے ناڑی گورج پر دو ٹینکیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ انگریز حکمرانوں کے یہ دیرپا کام سبی پنڑی افغانوں کی زراعت اور سبی کے رہائشوں کے لئے اہم ثابت ہوتے رہے ہیں۔ ان یادگار کاموں میں سے کچھ اب بھی باقی ہیں اور یہ یاد دلاتے ہیں کہ ایک خیر خواہ انتظامیہ اپنے عوام کے لئے ایسے کام ہی کرتی ہے۔

اس معاملے میں حکومتِ بلوچستان کے چیف انجینئر عبدالسلام خان کی دلچسپی سے ایک برطانوی فرم (HALCROE) کی خدمات عالمی بنک کے توسط سے ناڑی گورج کے ہیڈورک کے امکانات کا تجزیہ کرنے کے لئے حاصل کی گئیں۔ اس کے نتیجے میں اس کے نالوں کی پختگی کے لئے مئی ۱۹۹۲ء میں ٹھیکیدار لئے گئے اور انہوں نے ستمبر ۱۹۹۳ء تک اس منصوبے کو مکمل کیا۔ اس کے بعد دسمبر ۱۹۹۴ء میں گورنمنٹ ہائی سکول لونی (سبی) میں یہ نظام واٹر یوزرز ایسوسی ایشن کے سپرد کیا گیا۔ اس معاملے میں زمینداروں کے مفاد میں ایک اور شخص حاجی عبدالرشید لونی نے بھی دلچسپی لی جو ۲۰۰۰ء میں حکومتِ بلوچستان کے ریونیو بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اسی طرح عالمی بنک کے امداد سے ان تمام نالوں کو (سوائے سبی نہر کے) بہتر بنایا گیا۔ اس کی وجہ سے ناڑی گورج کے آبپاشی کے نظام سے فائدہ لینے میں بہتری آئی اور اس نے سبی کے زمینداروں اور مزارعوں کو ان کی سالانہ صفائی کے زیادہ مشکل محنت سے بچالیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۱

سبی کے نودھانی بمقابلہ مری

برطانوی دور کی "قلات ڈائری" سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۷۴ء میں ملک عطر نودھانی کے مرنے کے بعد نودھانی حسنی ترین کے ہیڈ کوارٹر گلو شہر پر مریوں کے حملوں میں اضافہ ہوا۔ کچھ حملوں کا ذکر اس طرح سے ان ڈائریوں میں موجود ہے:

(ا)۔ "یکم جولائی ۱۸۷۷ء۔ تنگیانی مریوں نے گلو شہر (سبی کا علاقہ) پر حملہ کیا اور وہ شادی خان ولد عطر خان نودھانی کے بھیڑوں اور بکریوں کا گلہ اپنے ساتھ لے گئے"۔

(ب)۔ "یکم جولائی ۱۸۷۷ء۔ ایک معتبر درانی مری اپنے لوگوں سے جھگڑا کرنے کے بعد اپنے گاؤں بدرا کو چھوڑ کر گلو میں رہنے لگا"۔

(ج)۔ "۵ اپریل ۱۸۷۸ء۔ سبی کے سردار محمد خان باروزئی نے خبر دی ہے کہ ۱۲۵ گھڑ سوار اور پیادہ مریوں نے گلو شہر پر حملہ کیا اور وہ بہت سے مویشی اور بھیڑ اپنے ساتھ لے گئے"۔

(د)۔ "۴ جنوری ۱۸۷۹ء۔ اس جگہ سے میں آگے وہاں گیا جہاں پہاڑوں سے دریائے ناڑی نکلتا ہے اور وہاں سے یہ اس بند کی طرف مڑتا ہے جہاں سے مختلف نالوں کے ذریعے سبی کے میدانوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ بند بذاتِ خود بہت چھوٹا اور اور ناہموار سا بنا ہے اور ہمیشہ تازہ آنے والے پانی سے بہہ جاتا ہے اور پھر اسے آسانی سے دوبارہ تعمیر کر لیا جاتا ہے۔ میں نے ناڑی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سے نکلنے والے پانچ بڑے نالے ڈھونڈے۔ اوپر والا تجک، دوسرا کُڑک، تیسرا مرغزانی کے ملک پرانے سبی، چوتھا گلو (جو اب خشک ہو چکا ہے کیونکہ مریوں کے حملوں کے بعد اس کو انہوں نے بند کر دیا) اور پانچواں غلام بولک اور ناڑی کچھ کو جاتا ہے۔ ان نالوں کو بہتر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ابھی اس ضلع کا صرف ایک تہائی حصہ میں ہی کاشتکاری ہوتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ پورے علاقے میں کاشت کیوں نہ کی جائے"۔

"سبی بند سے میں گلو گیا جو ایک بڑا اور صاف ستھرا قصبہ ہے۔ اس کو آٹھ مہینے پہلے اپنے باشندوں نے، جو حسنی پٹھان تھے، مریوں کی طرف سے اپنے ایک آدمی کی موت کا بدلہ لینے کے خوف سے چھوڑ دیا ہے (تقریباً مئی ۱۸۷۸ء میں)۔ وہ گلو کے کچھ لوگوں کو لوٹ رہا تھا۔ مریوں نے دھمکی دی کہ وہ اس قصبے میں قیامت برپا کر دیں گے۔ اہل گلو اب کُڑک اور پرانے سبی میں رہتے ہیں"۔

مندرجہ بالا حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ نودھانیوں نے شادی خان کے ہمراہ گلو شہر چھوڑا اور وہ ۱۸۷۸ء کے آخری چھ مہینے اور ۱۸۷۹ء کے پہلے تین مہینوں تک بدرا میں پناہ گزین رہے۔ بجرہ کے قریب ان کے علاقے کی کچھ زمین ان کی غیر موجودگی میں غلام بولکوں نے قبضہ کر لی تھی۔

۱۲۹۸ھ بمطابق ۱۸۸۰ء کے ایک فارسی زبان کی دستاویز کا مواد (جس میں مدعی شادی خان ولد عطر خان نودھانی نے مدعی علیہ حسین بخش ولد غلام نبی غلام بولک اور وڈیرہ میر خان ولد عطائی خان غلام بولک کے خلاف درخواست جمع کی ہے) یہ بات افشا کرتا ہے کہ بجرہ کے قریب زمین کا ٹکڑا اس وقت (یعنی ۱۸۸۰ء) میں عبداللہ خیل، نودھانی ترین، اور محمود شہر کے لوگوں کی ملکیت تھی۔ ان تمام لوگوں کو ۱۸۸۰ء میں یہاں سے بے دخل کیا گیا تھا۔ ملک عطر خان ۱۸۷۴ء میں فوت ہوئے ان کا جانشین شادی خان ۱۸۸۵ء میں فوت ہوا جس کے بعد ان کا بھائی گلو

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خان جانشین بنا اور وہ ۱۹۲۰ء تک زندہ رہا۔ یہ فارسی زبان میں ۱۸۸۵ء کے ایک معاہدے ثابت سے ہوتا ہے جو گلو خان نے ملا کلو کے سامنے شادی خان کی بیوی اور بیٹی (رحمت اور خانول) کے تصرف کے حوالے سے کیا تھا جو کسی مرد کے بغیر فوت ہوئیں۔

نودھانی خاندان کی ایک اور دستاویز کے مطابق، جو عبدالغنی ولد شکر خان نودھانی ولد تگیہ کی ایک عرضی ہے (اس کی ایک نقل ملک کمال خان ولد گل محمد خان نے ۱۴ اگست ۱۹۲۸ء کو حاصل کی تھی) پرانے دنوں میں نودھانی ترین، دہپال پنڑی اور مرغزانی پنڑی یہاں سے گزرنے والے مری مسافروں کو اس لئے کھانا دیتے تھے کہ اس طرح ان سے اچھا تعلق بنے اور وہ ان کے حملوں سے بچ سکیں۔ اور ۱۹۹۴ء میں ایک زبانی روایت کے مطابق کُڑک کے سردار اور عوام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ ضلع لورالائی کے گزیٹیر کے مطابق کسی وقت دکی کے شادوزئی افغان بھی مریوں سے بلیک میل تھے اور ان کو ادائیگی کیا کرتے تھے۔

ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر اور ایک بار سبی میں خصوصی مہم پر آئے فریڈ فریر ۲۵ نومبر ۱۸۷۸ء کو اپنے ہاتھ سے لکھی رپورٹ میں گلو شہر کو "ویران" لکھتے ہیں جبکہ ان کے بعد اسی خصوصی مہم کے لئے آئے ہوئے آفیسر ایم۔ ایل ڈیمیس نے ۲۶ مارچ ۱۸۷۹ء کو سبی پر اپنے ہاتھ سے لکھی رپورٹ اور مسٹر بڈولف کے ہاتھ سے لکھی اپریل تا نومبر ۱۸۷۹ء کی رپورٹ میں درجِ ذیل معلومات ملتی ہیں:

"**نودھانی حسنی:** اس قبیلے میں ۲۶۴ افراد ہیں۔ شادی خان ان کے سربراہ ہیں۔ وہ اس وقت کُڑک، ٹھجک اور سبی میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن اب وہ اپنے گاؤں گلو شہر واپس لوٹ رہے ہیں جو انہوں نے چھ مہینے پہلے چھوڑا تھا۔ (ڈیمیس)"۔

"**سیلاچی:** سیلاچی تلی میں رہنے والا افغان قبیلہ ہے۔ یہ ۶۶۰ افراد پر مشتمل ہے۔ اور سید خان ان کے سربراہ ہیں۔ (ڈیمیس)"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"**دیگر پٹھان:** مذکورہ بالا کے علاوہ دیگر پٹھان قبائل درج ذیل ہیں: عبداللہ خیلی، پیرانی، جدانی، پیرنگ، ڈھاڈر اور داوی۔ یہ سب ۳۳۶ افراد پر مشتمل ہیں۔(ڈیمیس) "۔

"**گلوشہر:** جب میں نے ۴ دسمبر ۱۸۷۸ء میں کیپٹن مک نیر سے پہلی بار چارج لیا تو اس وقت گلوشہر ویران تھا۔ لیکن وہاں گھڑ سوار فوجیوں کی چوکی بننے کے بعد ایک دو باشندے واپس آ پائے تھے۔ اب تحصیلدار نے بتایا ہے کہ بہت سے گھر دوبارہ تعمیر کئے گئے ہیں اور زمین کے ایک اچھے خاصے حصے پر کاشت کاری کی گئی ہے۔ اب غالب امکان ہے کہ لوگوں کا برطانوی قبضے کی مستقلی کی وجہ اعتماد بڑھ رہا ہے اور وہ واپس اپنے گاؤں کو لوٹ جائیں گے جہاں سے وہ قلات، سندھ، سرحد کے مختلف علاقوں اور ہندوستان چلے گئے تھے۔(بڈلف) "

یہ دلچسپ امر ہے کہ مریوں سے بھاگ کر نودھانی سربراہ شادی خان نے نو مہینے تک بدرا گاؤں میں لنگھانی مریوں کے ہاں پناہ میں گزاریں۔ ان کی نسل کے موجودہ لوگ اس کی اس طرح تشریح کرتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے ایک موقع پر ایک ضرورتمند لنگھانی مری (درانی) کو پناہ دی تھی اس لئے انہوں نے پھر اپنے اس مجبور دوست نودھانی سربراہ کو اپنے پاس ان کی حفاظت میں آنے کی دعوت دی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔ ۱۲

گلو خان نو دھانی

برطانوی دور کی دو دستاویزات ایسی ہیں جن میں ۱۸۹۸ء میں گلو شہر کے رہائشی گل محمد کا ذکر ہے۔ ان میں سے ۱۷ ستمبر ۱۸۹۲ء کی دستاویز میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے سبی کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کو اپنے پانچ ایکڑ باغ کے حوالے سے محصول میں رعایت کی درخواست دی تھی۔ دوسری دستاویز ۱۸۹۲ء کی ہے جو محصول کے ایک معاملے میں اسحٰق خان ولد عطا محمد بہرامزئی حجک بنام عزیز خان اور جھان خان لونی وغیرہ کے حوالے سے ہے جس میں گل محمد نے اپنے آپ کو ضامن کے طور پر پیش کیا ہے۔ اپریل ۱۸۹۸ء کی ایک تیسری دستاویز بھی ہے جو زمین کی خرید و فروخت کے حوالے سے ہے اور اس میں گواہ کے طور پر گلو خان کی مہر ثبت ہے۔ یہ وہ آخری دستاویز تھی جس پر انہوں نے کندھار اور کابل جانے سے پہلے دستخط کئے تھے۔ ۱۹ اگست ۱۹۰۱ء کو تھل چٹیالی کے پولیٹیکل ایجنٹ مکڈونلڈ کی طرف سے اے۔ جی۔ جی ینٹ کو لکھے گئے خط میں بتایا گیا ہے کہ گلو خان اپنے بھائی پیر بخش کے ساتھ اپریل ۱۸۹۸ء میں سبی سے افغانستان چلے گئے ہیں۔ ۲۲ جنوری ۱۸۹۹ء کے ایک اور خط میں یہ ذکر ہے:

"گل محمد خان گلو شہر کا لمبر دار تھا۔ ان کی برطانوی حکومت کے خلاف کوئی ناراضگی نہیں تھی۔ وہ بہت مقروض ہو چکا تھا اور قرض داروں سے بچنے کے لئے افغانستان چلا گیا"۔

"پیر بخش ملک نہیں ہے۔ وہ گل محمد کا بھائی ہے اور وہ ایک غلام خاتون کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنے بھائی کے ہمراہ افغانستان چلا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"میں آپ کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ پیر بخش کندھار سے واپس سبی میں اپنے گاؤں گلو شہر آ چکا ہے (۱۶ فروری ۱۸۹۹ء کا خط) "۔

"گل محمد خان ابھی تک کابل میں ایک گیسٹ ہاوس میں رہ رہے ہیں۔ (۲ نومبر ۱۸۹۸ء کا خط) "۔

دو اور دستاویزات میں بتایا گیا ہے کہ وہ اگست ۱۸۹۸ء میں کابل سے کندھار آ چکے ہیں۔ ۲ ستمبر ۱۸۹۸ء کے کندھار نیوز لیٹر (جلد ۷) میں معلومات دی گئی ہیں کہ:

۱۔ "میر ان خان بگٹی کابل سے واپس آ چکا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے لئے چھ سو کابلی روپیہ کا وظیفہ مقرر کیا گیا ہے۔ سابق سرکاری اہلکار لال چند کا گھر ان کی رہائش کے لئے وقف کیا گیا ہے۔"

۲۔ "گل محمد خان کابل سے لوٹ آیا ہے۔ وہ اپنے لوگوں کے لئے پاسپورٹ لینا چاہتا ہے تاکہ وہ سبی جا کر اپنے خاندان والوں کو کندھار لا سکیں"۔

۳۔ "اب تک بلوچستان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کو غلہ اور پیسہ مہیا کیا جا چکا ہے۔ مستقبل میں ان کو صرف غلہ دیا جائے گا"۔

۴۔ "کچھ لوگ کندھار آئے ہیں جو اپنے آپ کو جام آف لسبیلہ (مراد علی) کے رشتہ دار بتاتے ہیں۔ ان کو کوکران میں رہائش دی جا چکی ہے"۔

تھل چٹیالی ایجنسی کی سالانہ انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۸۹۸ء اور ۱۸۹۹ء میں درج ہے:

"اس رویے سے مریوں نے یہ امید باندھی ہے کہ اس طرح وہ ہم پر دباو ڈالیں گے، ہم ان کو واپس بلائیں گے، اس کے نتیجے میں ان کو مزید معافیاں، انعامات اور چراگاہوں پر ٹیکس

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں رعایتیں ملیں گی۔ تاہم اپنی امید سے مایوس ہو کر وہ خود چپکے سے اپنے وطن لوٹ کر آ رہے ہیں اور اپنی خدمات کی بحالی میں لگے ہوئے ہیں۔ علی محمد نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ مندرجہ ذیل افراد ابھی بھی کابل میں ہیں:

۱۔ میر ان خان راہیجہ، شہباز خان بگٹی کا داماد
۲۔ مصری خان، کھیتران سربراہ کا بھائی
۳۔ گلو خان نودھانی آف گلو شہر"۔

ان حوالوں سے کوئی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ گلو خان اور ان کے لوگوں نے ۱۸۹۴ء میں ثالثوں کی طرف سے زمین کے تنازعے کے تصفیے کے بعد اپریل ۱۸۹۸ء میں سبی چھوڑ دیا تھا۔ اس بار ان کے اپنے لوگوں نے ان کی زمین پر کاشتکاری کرنے یا ان کو لمبرداری کا وظیفہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ حقائق جب گلو خان کی اولاد کے سامنے رکھے گئے تو انہوں نے کہا کہ ان کی افغانستان ہجرت کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمین، پانی اور لمبرداری وظیفے کا مقدمہ اپنے ہی قبیلے نودھانی کی شاخوں مندوانی، موسیانی، بازدانی اور غابیانی کے خلاف ہار چکے تھے۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے یہ سب گلو خان کے ماتحت تھے لیکن انگریزوں کی آمد کے بعد انہوں نے اپنے سربراہ کے خلاف مقدمہ شروع کر دیا تھا۔

اسی خاندان کے ایک اور عدالتی دستاویز کے مطابق، ۲۰ جولائی ۱۸۹۳ء کو درجِ ذیل افراد پر مشتمل جرگے نے نودھانی قبیلے کے اندرونی تنازعے کا فیصلہ کیا:

۱۔ ولہاڑی خان مرغزانی،
۲۔ خلیفہ یعقوب خان محجک،

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳۔ عزیز خان (لونی)

۴۔ آزات خان (حجک)

۵۔ ہر داس مل (افغان کاردار جو بعد میں پٹواری بنا)

۶۔ سردار محمد خان باروزئی

اسی موضوع پر ایک اور فیصلے کا متن نیچے نقل کیا جارہا ہے:

"گواہوں ہر داس مل پٹواری اور کنہیا لال دفعدار کا بیان دیکھ لو۔ یہی اس مقدمے کے حقائق ہیں۔ اس سے پہلے مدعی جلال خان کے والد گل محمد خان اور ان کی اولاد (مندوانی وغیرہ) پہلے متحد تھے۔ پیداوار پر لمبرداری کا حق تمام زمینداروں کے مشترکہ اخراجات کے ساتھ گڈمڈ تھا۔ دونوں فریق اس پر متفق تھے۔ ۱۸۹۳ء میں گل محمد خان اور ان کے لوگوں کے درمیان گلو شہر کی ملکیت پر تنازعہ پیدا ہو گیا۔ ۲۰ جولائی ۱۸۹۳ء کو ایک جرگے نے اس کا فیصلہ کیا۔ فیصلے کے مطابق پانچ میں چار حصے زمین پر اس کے لوگوں کا حق تھا اور گل محمد خان بقیہ موضع کا لمبردار اور مالک ٹھہرا۔ یہ بھی طے ہوا تھا کہ گلا شہر کو ۲۱ دھانوں میں تقسیم کیا جائے گا جس میں سے ۷ دھانہ گل محمد اور ۱۴ دھانہ باقی لوگ کاشت کریں گے۔ اس فیصلے کے بعد لمبرداری پر حق کا تنازعہ پیدا ہوا۔ فریقوں نے ثالثوں کے ذریعے اس کا فیصلہ کروایا۔ اس فیصلے کے مطابق لمبرداری وظیفے کے پانچ میں سے چار حصے باقی لوگوں کو اس شرط پر دیئے گئے کہ وہ گل محمد خان کی اطاعت کریں گے۔ اس فیصلے میں کاشت کاری کے لئے دھانوں کی تقسیم سے متعلق جرگے کے پچھلے فیصلے کو بھی برقرار رکھا گیا۔ دیکھیئے ثالثوں کے ۱۴ نومبر ۱۸۹۴ء کا فیصلہ۔

۱۸۹۸ تک اس فیصلے پر عمل کیا گیا۔ لیکن ۱۸۹۸ء میں رئیس محمد اور جھانڈا نے کاشت کاری کے حوالے سے ایک مقدمہ دائر کیا جس پر شاہی جرگے نے کوئٹہ میں فیصلہ دیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس فیصلے کے مطابق ان لوگوں کو کاشت کاری سے اس بنیاد پر باہر کر دیا کہ وہ گلو شہر کے غیر موروثی کاشت کار تھے۔ شاہی جرگے کا یکم اگست ۱۸۹۸ء کا فیصلہ دیکھیں۔ تب سے ان لوگوں نے گل محمد خان کی زمین پر کاشت کرنا چھوڑ دیا اور کچھ نے آدھے پانی کے ساتھ اپنی زمین آباد کرنی شروع کی۔ تب سے وہ اپنی زمین پر لمبر داری وظیفہ لے رہے ہیں"۔

اوپر بیان کیا گیا فیصلہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۴ء کو حجک گاؤں میں دستخط کیا گیا تھا اور دونوں فریقوں نے مان لیا تھا۔ تاہم گلو خان کی طرف سے اس فیصلے کو غیر مشروط طور پر ماننے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ثالثوں کے ایک سوال کے جواب میں وہ کہتا ہے:

"جناب میں نے شروع سے آخر تک سب سنا۔ اگرچہ مدعیان کو پانی اور اجارے وغیرہ پر کوئی حق نہیں ہے لیکن میں پھر بھی ثالثوں کے فیصلے پر ان کو یہ حق دینے پر رضامند ہوں۔ میں اسے قبول کرتا ہوں۔ دستخط گلو خان اور ان کا بیٹا جلال خان۔ مقام حجک، ۲۰ نومبر ۱۸۹۴ء"۔

اپریل ۱۸۹۸ء میں گلو خان نے اپنا گھر بار چھوڑا اور افغانستان چلا گیا۔ ان کی غیر موجودگی میں پولیٹیکل ایجنٹ سبی نے (فروری ۱۸۹۹ء میں ایک فرمان کے ذریعے) ان کے بڑے بیٹے جلال خان کو گلو شہر کا قائم مقام لمبر دار بنایا، جو گاؤں اس وقت اور اب بھی نودھانی حسنی پٹھان کی پانچ شاخوں کی ملکیت ہے۔ غالباً یہ فرمان سبی میں ہونے والے زمینوں کے بندوبستی نظام کے لئے ضروری تھا۔

دیوان جمعیت رائے کا ۱۸ فروری ۱۹۳۱ء کو مرتب کردہ بلوچستان کے رواجی قانون کے کتابچے میں صفحہ ۲۷۱ پر ایک سرخی ہے Dispute against the Grain Allowance Levied by Kamal Khan son of Gul Mohammad Khan

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

Datiani Noudhani of Gullushahr from Zamindars of Certain Sections of Naoudhani as Mehmani or Sardari Due"۔

اس سرخی کے نیچے درجِ ذیل رائے لکھی گئی ہے۔

" ۱۸۹۱ ء تک گل محمد خان (جو نودھانیوں کے موجودہ قائد کمال خان کے والد تھے) دیگر نودھانیوں سے غلے کا باقاعدہ حصہ وصول کرتے تھے۔ لیکن ۱۸۹۲ء میں پانی اور غلے کے حوالے سے ایک تنازعہ پیدا ہوا جو ۱۸۹۳ء میں تین ثالثوں (نواب شہباز خان بگٹی، میر ہزار خان رسالدار گیرانی، جلال خان مری رسالدار) کے حوالے کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ گل محمد خان ربیع کی فصل میں سے ۱۶ خروار گندم سرداری یا مہمانداری کے طور پر لینے میں حق بجانب ہیں۔ اسی طرح وہ جوار کے ایک دھانہ میں ۱۰ قصاص اور دو سیر کپاس فی من کے بھی حقدار ہیں"۔

نودھانی کے خاندانی دستاویزات کے مطابق یہ تنازعہ ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء میں شروع ہونے کے بعد کافی عرصے تک چلا۔ اس مقدمے کے دوران ایک بار تو ۲۹ اگست ۱۹۲۷ء کو سردار سمندر خان باروزئی نے اس وقت کی تین اسناد تک پیش کیں (جو سارے اصلی نہیں تھے) جب سنگان پر باروزیوں کی حکومت تھی۔ انہوں نے اے۔جی۔جی بلوچستان کو یہ اس لئے پیش کی کہ وہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ وہ اس ضلع میں واحد "سردار" ہیں اور گل محمد خان نودھانی اس خطاب کے حقدار نہیں ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ نودھانی ایک ذیلی قبیلہ ہے جو پانچ مزید ذیلی شاخوں بازدانی، موسیانی، غائبانی، مندوانی اور دتیانی پر مشتمل ہے۔ اس سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں: (۱) کہ باروزئی سے باہر ان کی سرداری کے مقابل نودھانی اور حجک تھے جن کے افغانستان میں سدوزئی کی حکومت کے خاتمے کے وقت اپنے سردار تھے۔۔ (۲) پنڑی وفاق کے سربراہ گلوشہر کے مندوانیوں کو نودھانی حسنی ترین کی ایک ذیلی شاخ مانتے ہیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۹۶۔۱۹۹۵ء میں میں نے سی تحصیل کے گلوشہر جدید میں مرحوم یوسف خان نودھانی کے بیٹوں پروفیسر محمد اقبال اور ڈاکٹر محمد قاسم نودھانی کے پاس موجود دستاویزات کا جائزہ لیا۔ ان میں ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۲ء کے دوران ہونے والے زمینوں کے بندوبستی کام کے حوالے سے اردو میں ایک بیان ملا۔ اس کا عنوان تھا "نقل فرد تقسیم آب و زمین، محل ویالہ گلوشہر موضع گلوشہر ٹپہ کُڑک، تحصیل سیوی ضلع تھل چٹیالی"۔ اس میں ۱۸۹۸ء کے گلوشہر کی زمین کے مالکان کے ناموں کے ساتھ دیگر تفصیلات بھی موجود ہیں۔ "حسنی ترین" کے الفاظ ان کی ذات کے شناخت کے طور پر ہر نام کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ جیسے ۱۳۔ مزار خان، ہزار اور نبی بخش ولد جنڈہ ذات ترین نودھانی بازدانی، ۱۴۔ جمال ولد اسمٰعیل اور صادق ولد خدا بخش ذات ترین نودھانی بازدانی، ۱۵۔ بروہہ ولد داد محمد، یار محمد ولد شاہ محمد، اللہ یار ولد ولد علی ذات ترین نودھانی بازدانی، ۱۶۔ مزار ولد فتح محمد ذات ترین نودھانی بازدانی، ۱۷۔ موسٰی، بائی خان، شربت خان اور آزاد خان پسر انِ غازی خان ذات ترین نودھانی موسیانی، ۱۸۔ مصری خان اور شکر خان پسر ان تگیہ خان ذات ترین نودھانی مندوانی، ۲۲۔ مولا داد، جان محمد اور فتح خان پسر ان خدا بخش ذات ترین مندوانی، ۲۳۔ اللہ بخش اور مراد پسر ان ابراہیم ذات ترین نودھانی مندوانی، ۲۵۔ بلوچ خان ولد حکیم، یعقوب خان ولد علی ذات ترین نودھانی مندوانی،"۔ موجودہ دور کے مندوانی، موسیانی اور بازدانی کے یہ زمیندار اباء واجداد اپنی ذات کے حوالے سے غلط نہیں ہو سکتے، انہیں گلو خان کا ڈر بھی نہیں تھا کیونکہ جس وقت انہوں نے یہ بیان دیا تھا اس وقت وہ سربراہ نہیں تھا وہ ان کے خلاف سرداری کی جنگ ہار چکا تھا اور کندھار ہجرت کر چکا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا جلال خان جو ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوا تھا، اس کی جانشینی کے وقت ان کی عمر محض بیس سال تھی۔ اس کے دو دیگر بھائی کمال خان اور علی خان اس سے بھی چھوٹے تھے۔

گلوشہر کے باشندوں کی اپنے آپ کو ضلع کچھی کے رند یا قلات ڈویژن کے براہویوں سے جوڑنے کا حالیہ رجحان افسوسناک ہے۔ کیونکہ تاریخی حقائق یہی بتاتے ہیں کہ گلوشہر کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مندوانی دراصل نودھانی حسنی ترین کا سلسلہ ہے۔ دویم ضلع کچھی کے گزیٹیر (صفحہ ۳۴) میں ڈھاڈر قصبے کے قبائل کے سربراہ افغان قبیلے بابئ سے اپنا سلسلہ جوڑتے ہیں۔ سویم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ محض قبیلے کے نام میں مشابہت کو کسی قبیلے کی بنیاد کا ثبوت نہیں مانا جاسکتا۔ اس کے لئے مزید ثبوتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

ایسا ہی کچھ معاملہ سبی کے مشرق میں واقع تلی گاؤں کے رہائشیوں سیلاچی قبیلے کا ہے۔ بہت سے تاریخی حوالے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ترین افغان کا سلسلہ ہیں لیکن دوسرے افغان قبیلوں کی طرف سے تعاون نہ ہونے، مریوں کے قریب ہونے اور ان کے قائدین کی طرف سے ان کی مناسب راہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے قبیلے کے اصل نسب کے حوالے سے تذبذب کا شکار ہیں۔ کچھ سال پہلے ملک محمد صدیق سیلاچی نے کچھ خاندانی دستاویزات کی مندجہ ذیل نقول مجھے دیں:

۱۔ ۲۲ فروری ۱۹۰۶ء کو پولیٹیکل ایجنٹ اور ڈپٹی کمشنر سبی ایف۔ڈبلیو۔پی میجر مکڈونلڈ کا خط بنام "محترم اللہ داد سیلاچی" ہے جس میں انہیں ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء کو کوئٹہ میں پرنس آف ویلز کے استقبالیے میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

۲۔ ۱۳ فروری ۱۹۱۱ء کو اے۔جی۔جی (کرنل سی۔ آرچر) کے ذاتی معاون کا خط بنام "ملک اللہ داد سیلاچی" ہے جس میں ان سے سبی گارڈن میں ایک چائے پارٹی میں شرکت کی درخواست کی گئی ہے۔

۳۔ ۱۲ فروری ۱۹۱۶ء کو اے۔جی۔جی (کرنل سر جون رامسے) کے ذاتی معاون کا خط بنام "ملک اللہ داد خان پنڑی" ہے جس میں ان سے سبی گارڈن میں ایک چائے پارٹی میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اگر ملک اللہ داد خان سیلاچی بلوچ یا افغان مخالف براہوی ہوتے تو انگریز کبھی بھی انہیں اس طرح مخاطب نہ کرتے۔ انگریزوں نے بھی انہیں افغان ہی مانا ہے۔

۱۸۹۹۔۱۹۰۲ء کے زمینوں کے بندوبستی نظام کے ریکارڈ میں بلیلیانی محل (سبی کے گلوشہر میں) کے حوالے سے دلچسپ حقائق موجود ہیں۔ اس ریکارڈ میں محل کے مالکوں کو "بلیلیانی نودھانی حسنی ترین" لکھا گیا ہے۔ انیسویں صدی کے مصیبت زدہ دنوں میں ان کے اباء واجداد میں سے دو لوگ دکی ہجرت کر گئے۔ لیکن سیوی واپسی پر ان کی زمین تو واپس کر دی گئی لیکن پانی نہیں۔ ان کی زمین کا کچھ حصہ (۳/۲۔۳) برطانوی حکومت نے اپنے پاس رکھا۔ ۱۹۰۷ء میں حاجی محمد اکبر خان نودھانی نے مجھے بتایا کہ بلیلیانی زمین سبی کے موجودہ سات مرلہ اسکیم کے جنوب میں تھی۔ جب اس کے مالک نارینہ اولاد کے بغیر کے فوت ہوگئے تو اس زمین پر گلوشہر کے مندانیوں نے دعویٰ کیا اور انہوں نے دتیانیوں کا اس کے اوپر کسی بھی قسم کے دعوے کو مسترد کر دیا۔ اور یہ کہا کہ ان کی طرف سے کسی بھی حصے پر دعوے سے خدا تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے۔

۷ جولائی ۱۹۰۵ء کو اے۔جی۔جی کے دویم معاون ڈینیس برے نے بلوچستان کے ریونیو کمشنر آرچر کو خط نمبر ۳۲۰۰ میں لکھا ہے:

"کالم ۸ میں دیئے گئے گل محمد خان لمبر دار کو ۵ ستمبر ۱۸۹۲ء کو تھل چٹیالی کے پولیٹیکل ایجنٹ نے ۱۵ جریب زمین پر معافی دی ہے جس پر باغ لگایا گیا ہے۔ اصل مالک گل محمد خان اب کندھار جا چکا ہے اور یہ معافی ان کے بیٹوں کے لئے ہے۔ لیکن وہ اس باغ کی بہتری اور نگرانی کے لئے کوئی خاص محنت نہیں کر رہے ہیں"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۰۵ء میں گل محمد خان کندھار میں تھے۔ اس (قریباً سات سال) کے دوران ان غیر حاضری میں ان کے تینوں بیٹے سبی میں آرام کی زندگی گزار رہے تھے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور ان کو زراعت میں کوئی دلچسپ نہیں تھی۔ اسی لئے وہ ہندوؤں کے قرض تلے دب کر اپنی چار دھانہ زمین و جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جب گلو خان چودہ سال بعد (غالباً ۱۹۱۳ء میں) اپنے گھر لوٹا تو ان کی مالی حیثیت بہت کمزور تھی۔ انہوں نے ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا اور گلو شہر کی آسان زندگی کو چھوڑ کر اپنی زمین کے سب سے زرخیز زمین پر آباد ہوا جسے "بیت" کہا جاتا تھا۔ وہاں پر انہوں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر نو سال تک (۱۹۲۰ء) جوار اگانے اور مویشی پالنے کے لئے سخت محنت کی۔ ان کی محنت رنگ لائی اور وہ اس قابل بنا کہ اپنی حالت بہتر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی گروی رکھی زمین چھڑانے کے لئے کچھ بچت بھی کر سکیں۔ اور واپس اپنے گھر آکر آرام سے باقی زندگی بسر کر سکیں۔ ۱۹۲۰ء میں وہ فوت ہوئے اور ان کے بیٹے ملک کمال خان نودھانی ان کے جانشین بنے۔ ان کے مرنے کے بعد سید ال خان لونی ولد خان صاحب حاجی احمد خان نے ان کی بھتیجی اور فقیر علی خان نودھانی کی بیٹی ماہ بی بی سے شادی کی۔ اس خاتون سے ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئی اور ان کا واحد بیٹا اس کتاب کا مصنف ۷ جنوری ۱۹۳۵ء کو سبی کے لونی گاؤں میں پیدا ہوا۔

۲۲ جون ۱۹۵۱ء کا اے۔ جی۔ جی بلوچستان امین الدین کا ایک حکمنامہ بھی ریکارڈ میں موجود ہے جو ایک مقدمے سے متعلق ہے اور اس کا عنوان "Recovery of Grain in Execution Proceedings" ہے۔ اس مقدمے کے فریق مدعا علیہ گلو شہر کے ملک شکر خان نودھانی اور مدعی تحصیل سبی کے گلو شہر کے کمال خان ولد گل محمد خان نودھانی ہیں۔ یہ تنازعہ سبی تحصیل کا سب سے طویل مقدمہ رہا ہے جو نصف صدی (۱۸۹۳ء سے ۱۹۵۱ء) سے زیادہ چلا۔ ۱۹۲۰ء میں گلو خان کی موت کے بعد پہلے ان کے بیٹوں اور بعد میں ان کے پوتوں ملک کمال خان، عمر خان پسر ان علی خان اور یوسف خان ولد کمال خان نے آگے بڑھایا تھا۔

۳۰ اپریل ۱۹۹۳ء کو ایک بوڑھے ہندو پہو مل ولد نہلا مل نے مجھے بتایا کہ اس کے آباء و اجداد کندھار سے ہجرت کر کے سیوی آئے تھے۔ اس کے خاندان کے کچھ لوگ خیلو مل کی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

قیادت میں ڈھاڈر گئے جہاں ان کے آباءواجداد پہلے مزری گاؤں، پھر کُڑک اور آخر میں گلوشہر میں آباد ہوئے۔ پہوملؔ نے بتایا کہ وہ گلو خان سے ملا تھا وہ چالیس ہزار روپیہ کے قرض تلے دبا ہوا تھا جو اسے ایک خاندان والے نے پیشگی طور پر دیا تھا۔ یہ قرض اس سے گندم وصول کرنے کے ذریعے قبول کیا گیا جو فی بوری چالیس روپے کے حساب سے تھی۔ ۱۹۱۵ء میں گندم کی یہ قیمت بہت زیادہ تھی۔ پہوملؔ نے مزید بتایا کہ کمال خان کا خاندانی اکاونٹنٹ مورومل ولد دھرما مل لہڑی سے آیا اور اس نے دوسروں کے ساتھ مل کر کمال خان کی رہائش گاہ کی فصیل کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اس طرح سگھا مل ولد پوکر بھی لہڑی سے لونی سے آیا اور عزیز خان لونی کے گھر کی فصیل بنانے کے لئے مقرر ہوا۔ اسی طرح گلوشہر کے جنوب میں واقع ہندو مسافر خانہ (جو حال ہی میں مسمار کیا گیا) دھرمومل اور اس کی بیوی پیدی نے ہندو فقیروں کے لئے ریسٹ ہاوس کے طور پر قائم کیا۔ اور یہ کہ موضع بخزہ میں کمال خان اور اس کے بھائیوں کی ایک دھانہ زمین اور پانی تھا جو انہوں نے ہمیں (ہندووں) کو بیچا تا کہ وہ اس مقدمے کے اخراجات پورے کر سکیں جو فقیر علی خان کا ایک مری کے قتل سے متعلق تھا۔ چونکہ اس وقت حکومتی حکم کے مطابق ہندو کوئی جائیداد نہیں خرید سکتے تھے اس لئے ہم نے اس کے کاغذات حاجی احمد خان لونی کے نام پر بنوائے۔ بعد میں ہم نے یہ زمین دہپال کے رہائشی منشی لال محمد بگٹی کو بیچی۔ اس زمین کی قیمت کی رقم سکوں میں تھی جو تھیلوں میں بھرے ہوئے تھے اور ایک تانگے میں سبی لائے گئے۔ یہ بیوپار یقیناً ۱۹۲۵ء میں ہوا ہو گا۔

میں نے موجودہ نودھانی معتبرین سے سنا ہے ناڑی گورج پر لیویز کی تھانیداری پہلے انگریزوں کی طرف سے نودھانیوں کو دی گئی تھی۔ لیکن ان کی تحویل میں دی گئی ایک مری خاتون کی حفاظت میں ناکامی کے بعد حکام نے انہیں اس عہدے سے ہٹایا۔ لیکن مجھے اس دعوے کے حوالے سے کوئی سرکاری دستاویز نہیں ملی۔ فائل نمبر ۱۹۲۸ of E/٦ بعنوان Levies XXXVII in Sibi District میں ٦ جون ۱۹۳٦ء کو وڈیرہ محمد علی ولد وڈیرہ رحیم ذات

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مری لنگھانی سکنہ بدرا تحصیل سبی ضلع سبی کی اے۔جی۔جی کو لکھی گئی ایک درخواست ہے جس کا ایک حصہ ذیل میں نقل کیا جارہا ہے:

"میرے والد کی خدمات کے عوض ابتدا میں برطانوی سرکار نے اسے ناڑی گورج تھانہ کا منصب دیا تھا اس وقت اس تھانے کی بنیاد رکھی جاچکی تھی۔ پھر میرے مرحوم والد نے صاحب داد کو اپنے بزگر کے طور پر اس منصب پر تعینات کیا۔ اس وقت ہم بدرا میں تھے۔ پھر ہم کاہان گئے اور وہاں آباد ہو گئے۔ جب تک صاحب داد اس منصب پر تھے میرے والد کاہان میں اپنی تنخواہ وصول کرتے رہے۔ صاحب داد کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے فیض محمد اس منصب پر کام کرتے رہے۔ فیض محمد نے میرے والد کو کوئی تنخواہ نہیں دی"۔

یہ اور اس طرح کے چند دیگر سرکاری دستاویزات نودھانی معتبرین کے اس دعوے کی تصدیق نہیں کرتے کہ ناڑی گورج کے لیویز کا منصب انگریزوں کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں ان کے بڑوں کے پاس تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۳

سبی میں باروزئی۔کُڑک تنازعات

سبی کے نودھانی حسنی ترین کے بعد طویل مدت تک چلنے والے اسی نوعیت کا دوسرا مقدمہ لونی سربراہ عزیز خان اور دیگر لونیوں کے مابین تھا۔اسی طرح کا تیسرا تنازعہ ایک جاگیر سے متعلق کُڑکوں اور سبی تحصیل کے باروزئی سرداروں کے مابین تھا۔

اس تیسرے تنازعے کے متعلق زیادہ تر تفصیلات ریونیو کمشنر کے دفتر کی ۱۹۰۶ء فائل نمبر ۶۸ میں موجود ہیں جس کا عنوان Settlement of Disputes between Kuraks and Barozais of Sibi arising out of Muafi to Barozais ہے ۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی سبی کے سردار محمد خان باروزئی کا اے۔جی۔جی رابرٹ سنڈیمن کے نام ۱۹ اکتوبر ۱۸۸۹ء کا خط ہے۔اس خط میں سردار محمد خان باروزئی انگلینڈ میں چھٹی گزارنے کے بعد واپسی پر سنڈیمن کو خوش آمدید کہتا ہے اور آگے جا کے شکایت کرتا ہے:

"میری زمینوں پر کاشت کرنے والے کُڑک اب دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ یہ زمین ان کی ملکیت ہے اور انہوں نے مقامی معاون آر۔بی ہتورام کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے جو اس معاملے میں تحقیقات کرنے والا ہے۔ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مذکورہ زمین بلا شرکت غیرے باروزئی سرداروں کی ملکیت ہے۔ ہم بیس خاندانوں پر مشتمل باروزیوں کا اس جاگیر کے علاوہ اور کوئی سہارا نہیں ہے اور اس کے خلاف کاشتکاروں نے دعویٰ کر رکھا ہے۔میرا آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو میرے ساتھ انصاف کریں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس خط کو تھل چٹیالی کے پولیٹیکل ایجنٹ کو اس پر رپورٹ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ پی۔اے تھل چٹیالی کیپٹن مکلوور نے ۱۰ دسمبر ۱۸۸۹ء کو رپورٹ جمع کی جس میں لکھا گیا تھا:

"کچھ وقت پہلے باروزئی سرداروں اور کُڑک کے مابین غلط احساسات اس سول معاملے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ سرداروں نے شکایت کی کہ اس واقعہ کے بعد کُڑک ان سے گستاخی کرنے لگے۔ اور وہ خدمات بجالانے سے روگردانی کرنے لگے جو وہ کچھ سال پہلے بجالاتے تھے۔ دوسری طرف کُڑک یہ دعویٰ کرنے لگے کہ زمین ان کی ہے باروزیوں کی نہیں۔ اور موخرالذکر کو صرف بٹائی حاصل کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ انہوں نے اے۔جی۔جی کے مقامی معاون کے پاس دو مقدمے دائر کئے۔ ایک زمین پر اپنا حق قائم کرنے اور باروزیوں کو اس پر کاشتکاری سے ہٹانے کے لئے اور دوسرا غلے یا انعام کی بحالی کا۔ میں نے سوچا کہ یہ زیادہ اہم ہے کہ وہ آپس کے اختلاف کو دور کریں اور کسی ممکنہ حل کی طرف جائیں۔ دونوں فریقوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور کافی بحث کے بعد انہوں نے اس فیصلے پر دستخط کئے کہ جب تک وہ حق مالکانہ کی ادائیگی کرتے رہیں گے باروزیوں کو کُڑک کی زمینوں پر کاشتکاری سے بے دخل نہیں کیا جائے گا"۔

مذکورہ بالا معاہدہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ بمطابق ۷ دسمبر ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اور اس پر سردار محمد خان باروزئی، سردار سربلند خان باروزئی، سردار اختیار خان باروزئی، اسمٰعیل خان کُڑک، عیسیٰ خان کُڑک، کمال خان کُڑک اور موسیٰ خان باروزئی کے دستخط ہیں۔ اس معاہدے کے گواہ ولہاڑی خان مرغزانی، کمال خان صافی اور ابرہیم خان ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ اس معاہدے پر ۱۹۰۰ء عمل کیا گیا اور جب زمینوں کے بندوبستی عمل کا آغاز ہوا تو اس کے نتیجے میں باروزئی اور کُڑک کے مابین یہ جھگڑا پھر سے تازہ ہوا کہ اس جاگیر پر کس کا حق کس حد تک ہے۔ لہٰذا یکم مارچ ۱۹۰۶ کو ایک اور معاہدہ ہوا جس پر سردار مصطفیٰ خان باروزئی، سربلند خان باروزئی، بختیار خان باروزئی، موسیٰ خان باروزئی، یوسف خان کُڑک، فتح خان

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کُڑک، کمال خان کُڑک اور احمد خان کُڑک کے دستخط ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سردار محمد خان باروزئی، اختیار خان باروزئی، اسمٰعیل خان کُڑک اور عیسٰی خان کُڑک اپنی گدی چھوڑ چکے تھے یا ۱۸۸۹ء اور ۱۹۰۶ء کے دوران وفات پا چکے تھے اور اس دوسرے معاہدے پر دستخط کے لئے دستیاب نہیں تھے۔ حجک کے سربراہ سردار اسمٰعیل خان ۱۹۰۵ء میں بھی زندہ تھے اور مئی ۱۹۰۶ء میں کوئٹہ میں منعقد ہونے والے دربار میں سبی کے دیگر معتبرین کے ساتھ شریک ہوئے تھے۔

۱۹۰۴/ ۱۹۰۵ء کی اپنی خفیہ رپورٹ میں ڈپٹی کمشنر سبی میک کونگی لکھتے ہیں:

" سبی اور سنگان کے باروزئی (پٹھان): افغان قبضے کے دوران سبی کا اہم قبیلہ باروزئی اب اپنی سیاسی اہمیت کھو چکا ہے۔ ان کے موجودہ سربراہ مصطفٰی خان ہیں جنہوں نے اپنے والد کے بڑھاپے اور صحت کی وجہ سے مستعفی ہونے پر یہ سربراہی سنبھالی ہے۔ وہ ایک اچھی وضع کا لیکن کمزور اور ناتجربہ کار جوان آدمی ہیں۔ اس قبیلے کے نمایاں شخص میر سربلند خان ہیں جو ایک قابل لیکن سازشی اور ہر کام میں دخل دینے والا آدمی ہے۔ قبائلی اچھے اخلاق کے مالک ہیں"۔

سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر مکڈونلڈ اپنی ۱۹۰۵/ ۱۹۰۶ء کی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

"۱۳۔ سبی کے باروزئی: مجھے یہ بتاتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ باروزئی اور کُڑک کے مابین کے تنازعات حل کر لئے گئے ہیں۔ یہ تنازعات کئی سالوں سے جاری تھے اور ۱۹۰۵ء کی گرمیوں میں یہ ایک سخت مرحلے میں داخل ہوئے۔ پچھلے دسمبر (۱۹۰۵ء) میں مجھے بتایا گیا کہ ان پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، اور اس کا بندوبست کرنے میں دو مہینے لگے۔ یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو تمام فریقوں نے میری موجودگی میں ایک معاہدے پر دستخط کئے، مجھے یقین ہے کہ اس سے یہ معاملہ ختم ہو جائے گا۔ سربلند خان نہ صرف ایک سازشی اور ہر بات میں دخل دینے والا شخص ہے بلکہ وہ انتہائی غیر مقبول بھی ہیں اور ان کا قبیلے کی سربراہی حاصل کرنے کی کوششوں کی وجہ سے ہی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

یہ سارا مسئلہ پیدا ہوا۔ میر سربلند خان کو اب اہمیت نہیں دی گئی ہے اور مصطفٰی خان نے اپنی مناسب جگہ لے لی ہے اور وہ پہلے ہی یہ ثبوت دے چکا ہے کہ وہ توقعات سے زیادہ کرنے کے قابل ہیں۔ اب سارے باروزئی اور کُڑک ایک دوسرے سے مطمعین ہیں اور مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک دوسرے سے ان کا یہ رویہ خراب ہو۔

۱۴۔ سنگان کے باروزئی: باروزئی خاندان کی اس حصے کو معافی دینے کی درخواست پہلے ہی اے۔جی۔جی کو دی جا چکی ہے۔ میں یہاں ان کا ذکر صرف اس لئے کرنا چاہوں گا کہ وہ اس خاندان کی بڑی شاخ ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کو تسلیم کرنا درست ہو گا۔ سنگان کے تاج محمد خان واقعی سردار کہلانے کے مستحق ہیں۔ حال میں وہ ایک کمزور اور غیر موثر آدمی ہیں، مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں۔ بغیر دولت اور ہماری طرف سے تسلیم نہ کئے جانے کی وجہ سے یہ فطری ہے کہ وہ غیر موثر ہوں گے۔ اگر جاگیر کے حوالے سے ریونیو کمشنر کی سفارشات کو قبول کیا جائے تو تاج محمد خان کی مالی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اسے تسلیم کریں اور اسے وہ مقام دیں جس کے وہ مستحق ہیں تو یہ بعید از قیاس نہیں کہ اپنے خاندان کے سبی شاخ کے مصطفٰی خان کی طرح وہ بھی بہت کچھ کرنے کے لئے اپنے آپ کو ثابت کر سکیں۔ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ بغیر دولت اور مقام کے ایک جوان آدمی سے اپنے قبیلے اور ضلع کے اہم امور میں حکومت کے لئے مفید کردار ادا کرنے کی امید لگائی جائے۔ اس صورتحال میں جب تک اسے کچھ دکھانے کا موقع نہ دیا جائے ان کو "کمزور" اور "نکما" قرار دینا جائز نہیں"۔

افسوس کی بات ہے کہ ڈھاڈر، سنگان اور سیوی کے باروزیوں نے زیادہ وقت سفارتی، قانونی اور زمین کے اوپر اپنے ہی رشتہ داروں یا سبی کے دیگر افغان جیسے مزری، کُڑک، مرغزانی، نودھانی اور حجک کے ساتھ لڑنے میں گزارا۔ اس تلخی میں انہوں نے اپنا قیمتی وقت اور توانائی گنوائی اور اسی کے نتیجے میں وہ کمزور رہیں اور اسی وجہ سے وہ مریوں کی لوٹ مار کا شکار رہیں جن کو خانِ قلات کی معاونت بھی حاصل تھی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۴

لمبر دار حاجی عزیز خان لونی، ان کے مخالفین اور آخری ایام کے صافی

عزیز خان لونی صاحب خاتون کا کڑ اور ان کے خاوند مولا داد خان کے ہاں ۱۸۳۰ء میں کُڑک میں پیدا ہوئے۔ یہ معلومات ۱۸۹۵ء کے ملامکلا اعوان کے ایک عدالتی بیان سے لئے گئے ہیں جو اس وقت قریباً اسی سال کے تھے اور دہپال گاؤں میں رہتے تھے۔ ان کے مطابق اپنے بچپن میں وہ بدراہ پیر کے نزدیک سابق لونی گاؤں میں رہتے تھے۔ اس لئے وہ اس حقیقت کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ ان دنوں موضع لونی کی ساری زمین اور پانی عزیز خان لونی کے آباءواجداد کی ملکیت تھے۔ ملامکلا اعوان اس وقت (۱۸۲۸ء) یقیناً ۱۳ برس کے ہونگے جب لونیوں نے اپنے سابق گاؤں گلوشہر کو چھوڑا تھا۔ زمین کا ایک حصہ صاحب خان ولد عالم خان لونی نے ایک بار تریہڑ (نزد لہڑی) کے ایک سید کو بیچا جسے ۱۸۸۲ء میں لونیوں نے دوبارہ خرید لیا۔ یہ عمل یقیناً ان پچاس سالوں (۱۸۲۸ء سے ۱۸۷۸ء) کے دوران ہوا ہو گا جب لونی جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولا داد خان، رحیم خان اور صاحب خان، جو اسی قبیلے کی مختلف شاخوں کی سربراہی کر رہے تھے، وہ تینوں ۱۸۲۸ء میں زندہ تھے جب مریوں اور مگسیوں کی طرف سے دھمکیوں کے بعد لونیوں نے گلوشہر ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا جہاں وہ صرف دو سال رہیں۔ بعد میں عمر خان ولد احمد خان لونی کی منگنی ایک براہوی لڑکی سے ہوئی۔ یہ ایک چوری کے نتیجے میں ہوئی جب براہویوں نے لونیوں پر جھوٹا الزام لگایا کہ انہوں نے ہندو دکاندار سے ان کے کچھ من تمبا کو چوری کئے۔ اسی الزام کی وجہ سے انہوں نے عطر خان کے قصبے کو چھوڑا۔ پھر عمر خان کی وفات ہوئی اور ان کا بھائی مولا داد خان مذکورہ زمین اور پانی کا مالک اور اپنے قبیلے کا سربراہ بنا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصے بعد ان دنوں کے باروزئی سربراہوں مصری خان اور بختیار خان پسران مرحوم حبیب خان نے لونیوں کو گلوشہر بلایا (اور کچھ کے خیال میں لونی گاؤں بلایا)، تاکہ ان کو کُڑک گاؤں کے ہیڈ کوارٹر جانے کے لئے راضی کیا جائے اور جہاں وہ مری اور حجک جیسی بلاوں کا مقابلہ کریں۔ یہ دونوں بھائی دیگر افغان باشندوں تک بھی رسائی حاصل کر رہے تھے تاکہ انہیں کُڑک گاؤں کی طرف بھیجیں۔ اس کے نتیجے میں مولاداد خان لونی اپنے رشتہ داروں اور باقی لوگوں کے ساتھ پہلے عطر خان نودھانی کے گلوشہر گئے اور پھر مصری خان اور ان کے بھائی کے گاؤں کُڑک گئے۔ اسی گاؤں میں قیام کے دوران عزیز خان، جن کے دو بھائی داود خان اور احمد خان وہی فوت ہو گئے تھے، نے مریم کاکڑ سے شادی کی جس سے ان کی صرف ایک بیٹی (راج بی بی) پیدا ہوئی اور کوئی نارینہ اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے والدین مولاداد خان اور خاتون بھی وہی فوت ہوئے اور وہاں قریب میں اخوند ملا ملی صافی قبرستان میں دفن ہوئے۔ ایک بوڑھے شخص سہراب خان ولد عزیز خان صافی کے مطابق کُڑک میں اپنے قیام کے دوران عزیز خان اللہ یار لاشاری کے قلعے میں رہتا تھا۔ وہی پر سبی تحصیل میں صافی قبیلے کے سربراہ ملک عبدالوہاب صافی (ولد محمد یعقوب ولد حاصل خان صافی) اور ان کے بیٹے ملک دوست محمد خان صافی سے ان کی دوستی بھی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد اور انگریزوں کی آمد کے ساتھ تمام لوگ اپنے اپنے گاؤں لوٹ گئے۔ دوست محمد نے بھی اپنے گھر کو چھوڑا اور موجودہ لونی گاؤں ہجرت کی جہاں ان کا بھتیجا ملک حیات خان صافی ولد حاصل خان صافی ۱۹۶۰ء میں اپنی وفات تک یہاں رہے۔ لونی گاؤں میں صافیوں کے رہنے کی علامت کے طور پر صرف لونی گاؤں کے جنوبی حصے میں واقع "مسجد حیات خان صافی" باقی ہے۔ نبی بخش لالوزئی کُڑک کی بہن مسماۃ نور محل سے شادی کرنے کے بعد دوست محمد خان گاؤں لونی سے کُڑک واپس آیا۔ یہ عزیز خان لونی کی زندگی میں ہوا (۱۹۱۱ء سے پہلے)۔ مولوی خدا بخش لونی کے ۳۱ مئی ۱۹۲۹ء کے ایک عدالتی مچلکے (۴۳۴ روپیہ کے قرض کا) کے مطابق ملک دوست محمد خان صافی ولد ملک عبدالوہاب اس وقت زندہ تھے۔ وہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ کو فوت ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ حاصل خان ولد عبدالوہاب خان موجودہ لونی گاؤں میں فوت ہوئے جبکہ حاصل خان ولد دوست ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو کوئٹہ میں فوت ہوئے۔ اس سے پہلے انہوں نے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۹۶ء میں اپنی زمین اور پانی کا چھ راکھی بجارزئی براہویوں کو اور تین راکھی کُڑک کے ہندووں روچھو اور چھیرو پسران روپا کو بیچیں۔ ملک عبدالوہاب خان نے بذاتِ خود ۱۸۹۵ء میں اپنی جائیداد کا اٹھارہ راکھی اسمٰعیل خان اور رحیم خان لالوزئی کُڑک کو بیچی۔ اسی طرح ۱۸۵۶ء میں وہ پہلے ہی نورا کھی سید محمد شاہ ولد احمد شاہ بخاری کو بیچ چکے تھے۔ اس طرح چالیس سال کے عرصے میں باپ اور بیٹے نے صافی کی زمین اور پانی کے ۳۶ راکھی غیر افغانوں کو بیچ چکے تھے۔ اس حقیقت سے کہ اس کے بیٹے نے ۱۸۹۶ء میں اپنے آباء و اجداد کی زمین بیچیں، ظاہر ہوتا ہے کہ ملک عبدالوہاب نے اپنے بیٹے اور بھائی ملک دوست محمد خان کے درمیان زمین پہلے سے ہی تقسیم کر رکھی تھی۔

۱۸۹۳ء میں ملک عبدالوہاب زندہ تھے جب قریباً آدھے صافیوں نے زمین کا اپنا حصہ الگ کیا اور اس پر ایک نئی آبادی قائم کی جسے موضع عبدالوہاب کے مقابلے میں "موضع صافی پیرک" کا نام دیا گیا۔ محصول کے ریکارڈ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب ۱۹۰۲ء میں سرکاری اہلکار سبی میں زمینوں کا ریکارڈ مرتب کر رہے تھے تب بھی عبدالوہاب زندہ تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باسٹھ سال تک (۱۸۴۰ء تا ۱۹۰۲) متحرک رہے تھے۔ لیکن پھر بھی سرکاری اہلکاروں نے علاقے کی معتبر شخصیات کی فہرست میں عبدالوہاب یا کسی اور معتبر صافی کا نام شامل نہیں کیا ہے۔ سیوی میں صافیوں کے عروج و زوال کا موضوع اسی قبیلے کے کسی نوجوان کے لئے تحقیق کا بہتر موضوع ہو سکتا ہے۔ وہ یہ جانچ سکتے ہیں کہ عیش و آرام کی زندگی سبی کے صافیوں کے زوال کا سبب ہو سکتی ہے لیکن ژوب ایجنسی یا افغانستان کے صافیوں کی کیا حالت رہی ہے؟

دریائے ناڑی کے ساڑھے اٹسٹھ پاؤ پانی میں سے صافیوں کے ان دونوں گاؤں کا حصہ آٹھ پاؤ تھا۔ شاید جب اس کے مالکوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو ۱۶ جولائی ۱۸۹۲ء میں صافیوں نے اپنی جائیداد آپس میں تقسیم کر لی۔ انہوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے تین پاؤ زمین اور پانی حاصل کرنے والے ایک گروہ نے کُڑک چھوڑ کر ایک نئی بستی بسائی۔ لیکن پھر ۱۸۹۷ء میں یہ گروہ واپس کُڑک آیا اور پھر دوبارہ ۱۹۰۰ء میں صافی پیرک میں آباد ہوا۔ صافی کے بزرگوں کا اپنی جائداد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بیچنے، اپنے گاؤں چھوڑنے، بار بار اپنی رہائش بدلنے اور علاقے کے معتبرین کی فہرست میں ان کے نام نہ آنے کی بنیادی وجہ ان میں قیادت کے بحران کی علامت ہے۔ کم و بیش یہی کچھ سبی کے مزریوں کے ساتھ بھی ہوا۔

سبی کے ضلعی گزیٹیر کے صفحہ ۸۲ پر درجِ ذیل معلومات ہیں:

"سبی کی اہم زیارتیں یہ ہیں (۱) مالی یا اخوند صاحب نزد سبی، (۲) پیر ک پیر، (۳) پیر حاجی اور پیر بخاری جو سبی کے قریب ہیں، (۴) شیخ کاٹے نزد ناڑی، (۵) ہو تمن مری، (۶) سنگان میں سید نور محمد شاہ۔ سبی میں ایک اور مشہور پیر سید باچن شاہ تھے جنہوں نے نواب مصری خان باروزئی کو اپنی کرشماتی قوت دکھانے کے لئے اپنے ہی بیٹے جمن شاہ کو آگ میں ڈالا اور صحیح سلامت باہر نکالا"۔

سلطان حامد ولد حضرت شیخ غلام باہو نے اپنی سوانح "مناقب سلطانی" میں صفحہ ۵۶ پر "صوبہ کندھار کے سیوی اور ڈھاڈر کے حضرت خلیفہ ملا ملی" کے حوالے سے لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سبی اور ڈھاڈر کے پہاڑوں میں کُڑک نام کا ایک قصبہ ہے اس میں پیر کی زیارت کے لئے ہر سال لاکھوں لوگ آتے ہیں۔ اس میں مزید کہا گیا ہے کہ جب اخوند ملا ملی سلطان باہو سے (جھنگ پنجاب میں) ملے تو ملا مصری (افغان) اور عالم شاہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر ڈھاڈر میں دفن ہیں اور موخر الذکر کی زیارت کندھار میں ہے۔ جب وہ روانہ ہو رہے تھے تو ان کے استاد سلطان باہو نے اعلان کیا کہ "ملا ملی اکیلے (اس علاقے کے) تمام درویشوں کے برابر ہیں۔ اس مذکورہ کتاب کے مصنف ملا ملی صافی کی اولاد میں سے ایک شخص خلیفہ خدا بخش سے ملے۔ وہ درویشوں کے ایک گروہ کے ساتھ پہاڑوں کے راستے کا مشکل ترین سفر کر کے سلطان باہو کی زیارت پہنچے تھے۔ کچھ عرصے بعد وہ چلے گئے لیکن وقتاً فوقتاً وہ اس پیر کے احترام میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

اس کتاب کے مذکورہ بالا اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ اخوند صاحب ملا مصری افغان کے ہم عصر تھے اور یقیناً ۱۷۰۰ء میں زندہ رہے ہوں گے۔ اس ملا کا ذکر ہم داراشکوہ کا ڈھاڈر فرار ہونے اور

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور نگزیب کے کمانڈروں کا اس کے تعاقب میں بھی سنتے ہیں اور اسی طرح ڈھاڈر کے قریب اور ناڑی گورچ کے پاس براہوی اور افغانوں کی اٹھارہ لڑائیوں میں بھی سنتے ہیں جو ستر ہویں صدی کے آخر میں ہوئیں۔ چونکہ اخوند صاحب نے کسی فوجی اور سیاسی معاملات میں حصہ نہیں لیا اسی لئے سبی کے مورخوں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ چونکہ وہ خلوت نشین تھے اس لئے ملا محمد شادوزئی کے ۱۷۶۶ء کے قلمی نسخے میں بھی ان کا ذکر نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اخوند کی زندگی اور ان کا دور پنڑی اور قلات کے براہویوں کے درمیان ہونے والی لڑائیوں سے پہلے ہو کیونکہ ان لڑائیوں میں بھی اخوند صاحب کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ان کی موت کے وقت ان کے رشتہ دار جانشین کی کوئی نارینہ اولاد نہیں تھی۔ موجودہ اللہ بخش اور ان کے بھائی فقیر خدا بخش صافی پسران فقیر رسول بخش ولد فقیر خدا بخش صافی اخوند کے قریبی رشتے کی نسل سے ہیں۔ فقیر رسول بخش مثنوی مولانا روم بیان کرنے کے شوقین تھے۔ وہ باقاعدہ طور پر اخوند صاحب کی زیارت آتے تھے اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر پورا دن سفر کر کے کُڑک لوٹتے تھے۔ وہ ۱۹۶۵ء میں وفات پا گئے۔

انیسویں صدی میں سیوی اور سنگان میں امن و امان کی مخدوش صورتحال کے پیش نظر اخوند صاحب کی زیارت محجکوں اور پنڑیوں کے مابین امن کانفرنسوں کا مرکز بنا رہا۔

آج بھی بہت سے مقامی اور باہر سے زائرین ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ان کی قبیلوی شناخت سے مبرا سیوی اور اس کے ارد گرد رہنے والے لوگ اخوند صاحب کی عزت کرتے ہیں۔

۱۸۵۵ء میں اپنے ہی قبیلے کے لوگوں سے اختلاف کے نتیجے میں عزیز خان اور رحیم خان لونی نے کُڑک سے محجک گاؤں ہجرت کی اور آزاد خان محجک کے پاس رہنے لگے۔ ۱۴ مارچ ۱۹۰۵ء کے ایک عدالتی دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز خان نے ۱۸۵۵ء میں باروزئی کے سربراہ مصری خان کی موت کے وقت کُڑک چھوڑا اور وہ ان کے جانشین بختیار خان باروزئی کے دور میں محجک گاؤں میں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

رہیں۔ جب لونیوں نے کُڑک اور حجک قصبوں کو چھوڑا تو پھر انہوں نے اپنی ایک نئی بستی بسائی جسے اب لونی گاؤں کہا جاتا ہے۔ عزیز خان کو کُڑک چھوڑنے کی بنیادی وجہ ان کے اپنے لوگوں کا اس موقع پر ان کا ساتھ نہ دینا اور ان کا دفاع نہ کرنا تھا جب اپنے ملازم کے ساتھ وہ مٹھڑی قصبے جا رہے تھے اور مریوں کے ایک گروہ نے گھات لگا کر ان پر حملہ کیا تھا۔

خاندانی دستاویزات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جلاوطنی کے دوران بھی عزیز خان اور رحیم خان کے لوگ اپنی زمینوں پر خود کاشتکاری کیا کرتے تھے یا پھر انہوں نے زمین پٹے پر حجک مزارعوں کو دے رکھی تھی۔ انہی کشیدہ حالات کے دوران احمد خان ولد رحیم خان کو ایک حجک "دیا" نے اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا جب وہ اپنے بیلوں پر بھوسہ لاد رہا تھا۔ اسی دور میں ایک مرتبہ عزیز خان فاضل خان لونی ولد جمعہ خان لونی کے سسر اسمٰعیل خان کی موت پر تعزیت کے لئے کُڑک آئے۔ وہاں اس نے موجود اپنے ہی بادوزئی لونی بزرگوں کی گستاخانہ باتیں سنیں۔ وہاں اس نے عام گفتگو میں اپنے سر میں رہنے والے مستقل درد اور چکر آنے کی بات کی اور یہ بھی کہا کہ چونکہ ان کی کوئی نارینہ اولاد نہیں ہیں اس لئے وہ اپنی پوری جائیداد اپنی بہن بخت بی بی کے بیٹے (اللہ داد ولد حسین لونی) کے نام کریں گے۔ وہ پریشان ہو گیا جب اسحٰق خان، داد خان، یعقوب خان اور فاضل خان نے یہ کہا کہ چونکہ وہ ان کے قبیلے کی شاخ بادوزئی سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کی جائیداد ان کے بھانجے کی بجائے ان کو ملنی چاہیے۔ اس وقت تک عزیز خان کی ایک ہی بیوی مریم کاکڑ تھی جس سے ان کی کوئی نارینہ اولاد نہیں تھی۔ اس لئے اس نے پھر مومن لونی کی بہن ناز خاتون بنت عبدالرحیم لونی سے دوسری شادی کی۔ اس منگنی کی رسومات ملا ملی صافی کے زیارت پر ادا کی گئیں۔ کوئٹہ سے ۱۸ نومبر ۱۹۰۲ء کو فارسی میں اے۔جی۔جی کی طرف سے "الحاج عزیز خان لونی" کے نام خط میں اے۔جی۔جی ینٹ نے انہیں یکم جنوری کو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی دہلی میں ہونے والی تاجپوشی میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ ۲۲ فروری ۱۹۰۶ء کو لکھے گئے ایک مراسلے میں پولیٹیکل ایجنٹ سبی ایف۔ڈبلیو۔پی میجر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مکڈونلڈ نے "عزت عصر عزیز خان لونی" کو ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء کو کوئٹہ میں پرنس آف ویلز سے ملنے کی دعوت دی ہے۔

۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو ان کے پہلے بیٹے احمد خان کی پیدائش کے چالیس دن بعد عزیز خان نے اپنا بوریا بستر باندھا اور حجک گاؤں سے واپس اپنے گاؤں آیا۔ ان کی دوسری بیوی سے انہیں پانچ بیٹے ہوئے جو ۱۹۱۱ء میں ان کی وفات کے بعد عزیز خان کی تمام جائیداد کے مشترکہ وارث ٹھہرے۔ ہم عزیز خان کی وفات کے سال کا اندازہ ان کے خاندانی بیاض کے مواد سے لگاتے ہیں۔ اس بیاض میں ان کے نام ۱۰ فروری ۱۹۰۹ء کا ایک دعوت نامہ ہے جس میں اس وقت کے اے۔ جی۔ جی بلوچستان سر ہنری مک موہن نے انہیں سبی ریذیڈنسی میں ایک چائے پارٹی میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ انہیں لمبر داری کی سند پولیٹیکل ایجنٹ میجر اے۔ ایل جیکب ائی۔ اے (۱۱ اپریل ۱۹۰۹ء تا ۱۷ ستمبر ۱۹۰۹ء) نے ۱۴ ستمبر ۱۹۰۹ء کو بنام عزیز خان ولد مولا داد خان لونی سکنہ موضع لونی جاری کیا ہے۔ ان کے قدیم خاندانی بیاض کے مطابق وہ یکم ستمبر ۱۹۱۰ء کو حج کرنے گئے اور ۱۰ محرم ۱۳۲۹ھ (جنوری ۱۹۱۱ء) کو واپس آئے۔ اس کے بعد خاندانی یا سرکاری دستاویزات میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ایک عدالتی مچلکے کے مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۱۱ء کو خلیفہ شکر خان لمبر دار دولت زئی حجک نے پانچ سو روپیہ کے عوض اپنے کچھ خشک آبے کے بندات احمد خان اور حاجی محمد خان پسران ملک عزیز خان لونی کو بیچیں۔ اس پر گواہ کے طور پر دین محمد خان ولد خان صاحب ولہاڑی خان مرغزانی اور عبدالرحیم خان ولد اللہ داد خان مرغزانی کے دستخط ہیں۔ اس کو مذکورہ خلیفہ نے اپنے بالغ بھائی احمد خان اور چھوٹے بھائیوں محمد خان ، محمود خان اور عیسیٰ خان کی طرف سے نبھایا ہے۔ ضلع سبی کے گزیٹیر کے صفحہ ۲۱۰ پر یہ معلومات موجود ہیں کہ خلیفہ شکر خان کو برطانوی حکام کی طرف سے ۷۷ روپیہ نقد وظیفہ (انعام) ملتا تھا اور شاید یہ ان کے والد خلیفہ یعقوب خان کی انتہائی ادھیڑ عمری کی وجہ سے ملتا تھا۔ اس کے علاوہ نومبر ۱۹۱۱ء کا ایک دعوت نامہ بنام ملک احمد خان لونی (ولد حاجی عزیز خان) موجود ہے جس میں انہیں دسمبر ۱۹۱۱ء

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں دہلی میں ہونے والی تاجپوشی کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ حاجی عزیز خان جنوری سے نومبر ۱۹۱۱ء کے دوران شاید موسم بہار میں فوت ہوئے ہیں۔

خان صاحب حاجی احمد خان لونی ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو رمضان کے مہینے میں حاجی عزیز خان لونی اور ناز خاتون لونی کے ہاں حجک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ وہ ابھی چالیس دن کے تھے جب سبی کے مقامی معاون ہیتورام کے حکم پر ان کا خاندان موجودہ لونی گاؤں واپس آیا۔ غالباً پانچ سال کی عمر میں، ۱۸۸۴ء میں، ان کے والد نے انہیں اینگلو ورنیکولر سکول سبی میں داخل کرایا۔ یہ سکول ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے قائم کیا تھا۔ یہ سکول بلوچستان کا پہلا جدید تعلیمی ادارہ تھا۔ میرے بچپن میں خان صاحب (میرے دادا) اپنے سکول کے زمانے کے قصے سنایا کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اسے گھوڑے پر سبی سکول بھیجا جاتا تھا اور وہ اکثر سات میل پیدل چل کر بھی سکول جایا کرتے تھے۔ ۱۸۹۹ء میں بیس سال کی عمر میں ان کی شادی مسماۃ گنجول بنت صاحب داد (ناکیزئی) لونی سے ہوئی۔ یہ ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء کی تاریخ خان صاحب نے پیتل کے ایک برتن پر لکھی ہے جو یقیناً ان کی بیوی کے جہیز میں آیا ہے۔ اس شادی سے ان کے ہاں ایک بیٹا سید ال خان (۲۲ دسمبر ۱۹۰۳ء) اور دو بیٹیاں جنت خاتون (۱۲ اپریل ۱۹۰۸ء) اور ناز خاتون (۲۷ جولائی ۱۹۰۱ء) پیدا ہوئیں (اب یہ سب فوت ہو چکے ہیں)۔ ۱۹۰۲ء میں انہوں نے لونی گاؤں کے معاملات جزوی طور پر سنبھالے، لیکن ۱۹۱۱ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد انہوں نے مکمل طور پر یہ ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ۱۹۱۸ء کے ابتدائی دنوں میں اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے اس وقت لونی گاؤں میں رہنے والے ملک دوست محمد خان صافی (وفات: ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء) کی بیٹی بی بی فاطمہ سے دوسری شادی کی۔ اس بیوی سے ان کا پہلا بیٹا مولا داد ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوا۔ جبکہ ان کے دیگر دو بیٹے مرحوم حاجی نصر اللہ خان اور حاجی عبدالرحمٰن (پیدائش ۲۵ اگست ۱۹۳۸ء) اور دو بیٹیاں مرحومہ بی بی مریم اور شاہ بی بی تھیں۔ بی بی مریم کا انتقال ۳۰ جنوری ۱۹۹۵ء کو ہوا جبکہ شاہ بی بی جو محمد عثمان لونی کی پہلی بیوی ہے، ابھی زندہ ہیں۔ غالباً انہوں نے ۱۹۱۴ء کے آخر میں حج کی سعادت حاصل کی۔ کیونکہ ۱۰ فروری ۱۹۱۵ء کو ان کو اے۔ جی۔ جی کے ذاتی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

معاون کی طرف سے آئے ایک دعوت نامے ان کو "حاجی احمد خان لونی" مخاطب کیا گیا ہے۔ خان صاحب کے چھوٹے بھائی حاجی محمد خان نے ان سے پہلے حج کی سعادت حاصل کی تھی۔

اس سے پہلی پشت کے لونیوں میں دکی کے سردار نواب خان لونی اور سبی تحصیل کے خان صاحب حاجی احمد خان لونی کی پہلی ملاقات کے موقع کے بارے میں ایک کہانی بیان کیا کرتے تھے جب وہ پہلی بار ایک دوسرے سے شناسا ہوئے۔ ۱۹۱۲ء میں ایک لیویز سوار دوست محمد ولد مولوی خدا بخش لونی کو سبی کے شمالی مضافات میں لیویز تھانہ سبی کے خدو گورگیج لیویز سوار نے قتل کر دیا۔ اس تھانے کے سربراہ رسالدار ارباب خان لونی (وفات: ۲ ستمبر ۱۹۶۰ء) تھے۔ مقتول نے پہلے خدو کو لیویز کے حوالات میں موجود ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ ناجائز تعلق رکھنے پر تنبیہہ کی تھی۔ اس قتل کی تفتیش ہوئی اور اس کا نتیجہ اخذ کرنے کے لئے یہ معاملہ جرگے میں پیش کیا گیا۔ اسی جرگے کی کاروائی کے دوران دولونی سربراہوں کی پہلے شناسائی ہوئی اور پھر دوستی ہوئی۔ اسی وجہ سے سبی کے نوجوان لونی کئی بار سردار نواب خان لونی کی دعوت پر شکار کے لئے دکی گئے۔ سردار نواب خان لونی کے حوالے سے کتاب۔۱۹۰۶) Personages In The Native States in India) میں درج ذیل معلومات دی گئی ہیں:

"خان بہادر سردار نواب خان لونی ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹۳ء میں اپنے باپ سمندر خان کی وفات کے بعد لونی قبیلے کے سربراہ بنے۔ انہیں ۱۹۰۰ء میں خان بہادر کا خطاب دیا گیا۔ ان کے پانچ بیٹے ہیں، ان کے بڑے بیٹے بہرام خان ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے چار بھائی ہیں، میر خان، فضل خان، ظواہر خان، اور قلندر خان۔ میر خان کو ۱۲۵ روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا ہے جبکہ فضل خان اور ظواہر خان کو مشترکہ طور پر لیویز کی جمعداری کے لئے ۴۵ روپیہ ماہوار ملتا ہے۔ نواب خان کا لونیوں پر کافی اثر ورسوخ ہے لیکن ان کی خود پسندی نے بعد میں انہیں غیر مقبول بنا دیا۔ وہ ۲۵۰۰ روپیہ کا سالانہ وظیفہ وصول کرتے ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کتاب (۱۹۲۲) Leading Personages in Balochistan میں انہیں "حاجی" بتایا گیا ہے جنہوں نے ۱۹۰۶ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔ اس کتاب میں درج ذیل اضافی معلومات بھی دی گئی ہیں:

"ان کی حرص، خود پسندی اور وعدوں کا پاس نہ رکھنے کی ساکھ نے ان کو غیر مقبول بنا دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کا اثر ورسوخ کم ہو گیا ہے۔ ۱۹۱۳ء میں حالات یہاں تک پہنچے کہ انہیں اپنے بیٹے کے حق میں مستعفی ہونے کی نوبت آئی۔ ان کے نو بیٹے ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا بہرام خان ۱۸۹۷ء(؟) میں پیدا ہوا ۱۹۱۸ء کے مری۔ کھیتران بغاوت کے دوران وہ بظاہر وفادار رہے۔ جب انہیں مری سردار کے پاس پیامبر کے طور پر بھیجا گیا تو ان پر فائرنگ ہوئی اور وہ زخمی ہوئے۔ اس سے پہلے ان پر شک تھا کہ وہ مریوں کو غلہ فراہم کرتے تھے"۔

سردار نواب خان یکم اپریل ۱۹۳۲ء میں اپنے گھر میں نمونیہ کی وجہ سے فوت ہوئے اور ان کے بیٹے سردار گوہر خان والد سردار محمد ہاشم خان لونی ان کے جانشین بنے۔ سردار محمد ہاشم خان لونی ۱۹۳۸ء میں سردار بنے اور دسمبر ۱۹۹۲ء میں اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔ جس دوران سردار ہاشم چھوٹے تھے تو محمد نواز خان ان کے سربراہ کے طور پر رہے۔ سردار ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے عصمت اللہ خان ایم۔اے اب لونی قبیلے کے سردار ہیں۔

میرے والد (سید ال خان لونی) نے تحصیل دکی کے لونیوں کے حوالے سے اپنی ڈائری میں کچھ اس طرح کی معلومات لکھی ہیں کہ ۱۹۳۲ء کے جولائی کے مہینے میں خان صاحب حاجی احمد خان اور ان کے بہنوئی حاجی خیر محمد خان لونی، بہرام خان ولد سردار نواب خان کی تعزیت کے لئے ٹل (دکی) گئے۔ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء کو سردار گوہر خان، بہت سے لونی معتبرین کے ہمراہ پانچ دنبے لے کر حاجی احمد خان لونی کو "خان صاحب" کا خطاب ملنے کی مبارکباد دینے کے لئے ہمارے گاؤں لونی آئے۔ بدقسمتی سے یہ لونی سردار ۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء کو جوانی میں ہی فوت ہوئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خان صاحب کی ریکارڈ سے ملنے والی ایک دستاویز میں بڑی دلچسپ کہانی موجود ہے کہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۵ء کو آدھی رات کُڑک کے رہائشی رسول بخش گورگیج ہمارے گاؤں لونی آئے۔ انہوں نے مولوی داؤد خان لونی کو نیند سے جگا کر مطلع کیا کہ ان کو جمعہ خان اتوزئی حجک کے بیٹے نے بتایا ہے کہ حجک لونی گاؤں پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مولوی نے صبح سویرے اپنے بڑے بھائی کو اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ اس بات پر یقین نہ کرتے ہوئے خان صاحب ناڑی گورج روانہ ہوئے جہاں ان کی اری گیشن محکمہ کے اہلکار دیوان فتح چند سے ملاقات طے تھی۔ کچھ دیر بعد لونی گاؤں کے چرواہے فوجن کرد آئے جسے حاجی محمد خان نے بھیجا تھا، اس نے خان صاحب کو بتایا کہ حجک لونی گاؤں پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اگر یہ حملہ ہوا تو انہیں کیا کرنا چاہیے۔ "وہ فوراً سبی میں حکام کو اس کی خبر دے دیں" خان صاحب نے یہ مشورہ دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا گھوڑا جمعہ موچی کے حوالے کیا اور ہرنائی۔ سبی ریل میں سبی جانے کے لئے تیار ہوئے۔ اس دوران انہوں نے میاں خان جعفر زئی کو ریلوے سٹیشن کے گرد مشکوک انداز میں گھات لگائے دیکھا۔ اسی وقت جمعہ موچی نے آکر خان صاحب کو بتایا کہ چونکہ تحصیلدار سبی اور حجک پہلے ہی وہاں پہنچ چکے ہیں لہٰذا انہیں بھی جلد اپنے گاؤں لونی پہنچنا چاہیے۔ جب وہ گاؤں پہنچے تو حاجی محمد خان نے انہیں بتایا کہ ان کے مشورے کے مطابق حاجی مصری خان کو سبی بھیجا گیا اور یہ کہ مجکوں نے داداشاہ کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ مجکوں سے ملنے رود مجک آئے۔ ان کا یہ مطالبہ نہیں مانا گیا کیونکہ وہ اس طرح محض حاجی کو بے عزت کرنا چاہتے تھے۔ خان صاحب کو مزید بتایا گیا کہ تحصیلدار سبی کے آنے کے بعد زیادہ تر مجک چلے گئے اور کچھ بیان دینے کے لئے رکے۔ ۱۵ جون ۱۹۲۵ء کے رد جواب میں تمام مجکوں بشمول ملک شہباز خان، ملک عبدالرحمٰن خان اور ملک عبدالرحمٰن خوشی نے الزامات کو رد کیا انہوں نے کہا کہ چونکہ لونیوں نے ان کے پانی کو روکا ہے تو وہ صرف یہ دیکھنے آئے تھے کی ایسا کس نے کیا ہے۔

" ۱۲ جولائی ۱۹۲۸ء اور ۲۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کے خطوط میں پولیٹیکل ایجنٹ سبی نے ان کے بارے میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ "حاجی احمد خان لونی ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سبی تحصیل کے لونی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

زمینداروں میں سے ایک بڑے اور اثر ورسوخ رکھنے والے مانے جاتے ہیں۔ وہ کئی سال تک جرگہ کے مفید رکن رہے ہیں۔ وہ ۱۹۳۴ء میں خان صاحب بنائے گئے"۔

ان دنوں زیادہ معتبرین کے پاس یہ اعزازی خطابات نہیں تھے۔ مثال کے طور پر ۲۳ فروری ۱۹۳۵ کو سبی ڈویژن سے مندرجہ ذیل معتبرین سبی دربار بلائے گئے تھے:

۱)خان بہادر سردار سمندر خان باروزئی
۲)سردار باز محمد خان باروزئی
۳)شہباز خان باروزئی
۴)عیسٰی خان باروزئی
۵)شاہ نواز خان باروزئی
۶)دین محمد خان مرغزانی
۷)خان صاحب حاجی احمد خان لونی
۸)ملک محمد خان خجک
۹)ملک حیات خان صافی
۱۰)ارباب خان لونی
۱۱)ملک کمال خان نودھانی
۱۲)ملک نظر خان خجک
۱۳)ملک ولی داد خان ناصر
۱۴)عطا محمد خان مرغزانی
۱۵)خلیفہ شکر خان خجک
۱۶)گل شاہ خان ناصر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سبی رشاہرگ نے اپنے ۱۸ اگست ۱۹۴۱ء کے خط میں لکھا:

"خان صاحب حاجی احمد خان صاحب ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے، وہ حاجی عبدالعزیز لونی کے بیٹے ہیں۔ وہ سبی تحصیل کے ایک بڑے اور موثر زمیندار ہیں۔ وہ سبی کے سب سے بہترین زمیندار ہیں جو زمینداری اور افزائشِ مویشی میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے گاؤں نے حکومت کے بیلوں سے سب سے زیادہ فائدہ لیا ہے ان بیلوں میں سے ایک ان کی نگرانی میں ہے۔ وہ جرگے کے ایک مفید رکن ہیں۔ لونی، تجک اور صافی میں ان کی کافی جائیداد ہیں۔ انہیں ۱۹۳۴ء میں خان صاحب بنایا گیا"۔

۱۷ اپریل ۱۹۴۵ء کو تین اہم گواہوں کی موجودگی میں خان صاحب حاجی احمد خان لونی نے اپنا وصیت نامہ لکھوایا۔ اس وصیت نامے میں انہوں نے لکھوایا:

"میرے تین بیٹے سعد اللہ خان، نصر اللہ خان اور عبدالرحمٰن خان تھے۔ خدا کی مرضی سے بڑا بیٹا سعد اللہ خان قبل از وقت فوت ہوا اور ان کا ایک بیٹا عبدالعزیز خان زندہ ہے۔ چونکہ وہ میرے بڑے بیٹے کا بیٹا ہے اس لئے خاندان میں ان کا وہی مقام ہے جو ان کے والد کا تھا۔ اس لئے وہ میری منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی ایک تہائی حصے کے وارث ہیں۔ میں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ عبدالعزیز خان میری لمبرداری کے حقوق سمیت دیگر مراعات اور مقام کے واحد حقدار ہیں۔ میری لمبرداری اور دیگر مقام اور مراعات پر میرے باقی بیٹوں کا کوئی حق نہیں ہیں"۔

اس دستاویز پر خان صاحب اور ان کے بیٹے نصر اللہ خان کے دستخط ہیں۔ گواہوں کے طور پر محمد یعقوب خان ولد بختیار خان باروزئی اور ملک رسول بخش خان دہپال کے دستخط ہیں۔ اس وصیت نامے کو اسی دن سبی کے سب رجسٹرار میرزا خان کے پاس باہی نمبر ۳، جلد ۴ اور صفحات ۱۳ اور ۱۴ پر رجسٹر کرایا۔ اس پر عملدرآمد کے لئے زیارت سے پولیٹیکل ایجنٹ سبی مسٹر بیکن نے ای۔ اے۔ سی سبی رشاہرگ کو یکم ستمبر ۲۹۴۸ء کو لکھے گئے مراسلے میں تاکید کی کہ "نصر اللہ خان لونی کو خان صاحب

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

حاجی احمد خان لونی کی جگہ پر تب تک سربراہ لمبردار تعینات کیا جاتا ہے جب تک عبدالعزیز جوان ہوتے ہیں"۔

خان صاحب نے جمعہ ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اپنے گاؤں لونی (جدید) میں آخری سانس لی اور اسی گاؤں میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کی زوجہ بی بی فاطمہ کا انتقال ۱۰ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ اور ان کے دوسرے بیٹے نصراللہ خان ۱۹۹۷ء میں فوت ہوئے۔

خان صاحب کی زندگی میں ماما گلو کوری، محمود عرف ہاکو جمعدار، ماما شفیع محمد چاچڑ اور ماما عبدالحکیم قریشی نے بڑی ایمانداری سے خدمت کی۔ یہ تینوں ان کی موت کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے اور برے حالات کا شکار رہے۔ میرے پاس ایک عدالتی مچلکہ ہے جس میں لکھا گیا ہے:

"۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو گل محمد خان ولد جنگی ذات ماچھی سکنہ لونی نے تحصیل سبی کے موضع چاچڑ میں اپنے پٹے کے حقوق ۷۵۰ روپیہ کے عوض کامل خان اور مصری خان پسران مصری خان لونی کو بیچ دیئے۔ عبداللہ جان ولد عبدالرحمٰن بہرامزئی محجک اور مالک کریم بخش خان ولد جمعہ خان عبداللہ خیلی سکنہ دہپال باچاخان اس معاہدے کے گواہ ہیں"۔

مستونگ میں حاجی محمد صدیق نام کے ایک بزرگ اور مذہبی عالم تھے۔ یہ شخص ۱۹۰۶ء میں مرحوم خان صاحب کے مرشد اور ان کے بھائی حاجی محمد خان لونی اور استاد محمد قاسم اور سبی میں چمڑے کے سوداگر ملا صالح محمد کے استاد بنے۔ ۱۹۰۷ء میں ان کی موت ہوئی۔ وہ ولی محمد کندھاری کے شاگرد بتائے جاتے ہیں اور موت کے بعد جامع مسجد مستونگ کے پاس دفن ہیں۔

عزیز خان لونی کی والدہ صاحب خاتون کاکڑ کی دوراندیشی کی کہانی بتائی جاتی ہے۔ انہوں نے سب سے قدیم اور اہم خاندانی دستاویز کا بڑی غیر تمندی سے تحفظ کیا ہے (اس نے ۱۷۱۷ء میں خاندان کے ایک بزرگ داود خان ولد حسن خان لونی نے اپنے بیٹے احمد خان لونی والد مولاداد خان لونی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے حق میں لکھا ہے)۔ اس پر میاں نور محمد (کلہوڑا) کی مہر لگی ہوئی ہے جو سندھ کے تاریخ دانوں کے مطابق ایک سال یا اس سے پہلے سندھ اور سبی کے حکمران تھے۔ خاندانی دستاویز پر ان معتبر ہستی کی سرکاری مہر پر فارسی میں ثبت ہے کہ "زے نورے محمد جہان روشن است" جس کا ترجمہ "یہ دنیا محمد (صلعم) کے نور سے روشن ہے" بنتا ہے۔ مولاداد خان کی والدہ صاحب خاتون کا کڑنے کچھ دوپٹے بھی چھوڑے ہیں جو "شیت خانی" کے بنے ہیں ان میں سے ایک ۱۹۶۸ء تک سالم حالت میں تھا اور تمام لونی دلہنوں کے سر پر رسماً ڈالا جاتا تھا تا کہ ان پر رحمت ہو اور ان کی شادی کی حفاظت ہو۔ صوفی عبد اللہ خان لونی کی زوجہ جنت خاتون نے مجھے بتایا کہ صاحب خاتون کے درجن بھر چاچا تھے جو سب ایک وبائی مرض کی وجہ سے انتقال کر گئے (یہ غالباً ۱۸۵۵ء ہے جس کا ذکر کندھار کے نور محمد نوری کی فارسی کتاب "گلشنِ امارت" میں موجود ہیں)۔ مولاداد لونی ولد احمد خان لونی ۱۸۵۵ء میں کُرک میں جلاوطنی میں فوت ہوئے اور اخوند صاحب کے قبرستان میں دفن ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں راقم الحروف، مرحوم حاجی سیف اللہ خان لونی اور حاجی عبد الرشید لونی کی ہمراہ مذکورہ قبرستان گئے اور مولاداد کی قبر معلوم کر کے اس پر ان کے نام کا کتبہ لگا آئے۔

۱۸۸۹ء میں جہان خان ولد سید ال خان ولد صاحب خان (عزیز خان کے چچازاد) نے نور بی بی نامی خاتون سے شادی کی۔ وہ داد خان لونی کی بیٹی اور مرحوم رسالدار ارباب خان لونی کی بہن تھی۔ یکم اپریل ۱۸۹۵ء کو مغرب کہ نماز ادا کرنے کے بعد وہ جمعہ مسجد لونی میں بیٹھے تھے جب عزیز خان پر ان کے چچازاد جہان خان ولد سید ال خان لونی نے حملہ کیا اور سر پر پتھر لگنے سے وہ بیہوش ہو گئے۔ انہیں فوری طور پر اللہ داد ولد عمر (ناکیزئی) لونی نے اپنی حفاظت میں لیا۔ اس کی غصے کی وجہ یہ تھی کہ عزیز خان نے دادا خان کے ساتھ مل کر اس سے فوری پہلے جائداد کے انتقال کے ایک معاہدے (۲۹ مارچ ۱۸۹۵ء) کی وجہ سے جہان خان اور اس کے ساتھیوں کی خلاف ببانگ دہل احتجاج کیا تھا۔ جہان خان یہ انتقال اپنی بیوی نور بی بی کے نام کرنا چاہتے تھے۔ اس احتجاج نے جہان خان کو مجبور کیا اور انہوں نے عزیز خان پر حملہ کیا۔ ملزم کے خلاف تعزیراتِ ہند اور کریمنل پروسیجر کوڈ کی دفعہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۷۱۰/۳۲۳ کے تحت مقدمہ درج ہوا۔ تاہم کچھ عرصے کے بعد عزیز خان کے زخم بھر گئے۔ ۲۱ جولائی ۱۸۹۹ء کی ایک دستاویز ہے جو جہان خان لونی نے عبدالرحمٰن اور جمال خان پسران مولاداد ذات نودھانی کے حق میں دی ہے، اس دستاویز کے ذریعے انہوں نے ۵۰۰ روپیہ کے قرض کے لئے اپنی زمین کا ایک بڑا حصہ ضمانت کے طور پر گروی رکھا ہے۔ یہ قرضہ ارباب خان لونی نے ۱۹ جنوری ۱۹۰۲ء کو چکایا۔ جہان خان کی ۱۹۰۰ء میں فطری موت واقع ہوئی تھی۔ ان کا ایک ہی بیٹا محمد عثمان بھی ایک سال بعد نومبر ۱۹۰۱ء میں فوت ہوا۔ جہان خان اپنے خاندان کے وہ آخری سربراہ تھے جو سابق لونی گاؤں کے بدرا قبرستان میں دفن ہوئے۔ ۷ جنوری ۱۹۱۰ء کو موجودہ لونی گاؤں کے قبرستان میں دفن ہونے والی پہلی ہستی مسماۃ ناز خاتون تھی جو عزیز خان کی دوسری بیوی اور ان کے پانچ بیٹوں کی ماں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی قبر بنانے کے لئے حاجی دھنی بخش لونی ولد محمد یعقوب کے گندم کا سبز قطعہ کاٹا گیا تھا۔ اب (۲۰۰۲ء تک) یہ قبرستان کوئی دس ایکڑ پر مشتمل شاملات پر پھیل چکا ہے اور اب یہ تجویز سامنے آئی ہے کہ تیسرے قبرستان کے لئے کئی اور زمین ڈھونڈی جائے۔ جہان خان کی موت کے ساتھ لونی سربراہوں کی اس شاخ کا ایک تہائی سلسلہ ختم ہوا جو مورثِ اعلیٰ اسد خان کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ دوسرا ایک تہائی رحیم خان کے کندھار جانے، ان کے بیٹوں حسن خان اور عالم خان کا آبائی زمینیں فروخت کرنے کے ساتھ خاتمہ ہوا۔ بقیہ ایک تہائی حصہ عزیز خان کی نسل کے ساتھ باقی ہے اور ترقی کر رہا ہے۔

زیارت سے ۳۰ جولائی ۱۹۰۳ء کو عزیز خان لونی کی ایک عرضی پر کرنل ای ییٹ نے فیصلہ دیا کہ سائل جہان خان کا قانونی وارث ہے اور یہ کہ اس کی بیوہ مسماۃ نوربی بی پوری زندگی کے لئے گزربسر کے وظیفے کی حقدار ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ۲۲ اپریل ۱۸۸۵ء کو رحیم خان کے بیٹے حسن خان اور عالم خان کندھار سے واپس آئے اور انہوں نے اپنی زمین اور پانی کا حصہ عزیز خان کو بیچ دیا تھا۔ اس کا معاہدہ سب رجسٹرار سبی دیوان چند کے سامنے ہوا جس کے گواہ سردار محمد خان ولد شکر خان باروزئی اور خان صاحب ولہاڑی خان ولد شکر خان مرغزانی تھے۔ یہ فروخت شدہ جائیداد ایک پاؤ پانی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور متعلقہ زمین پر مشتمل تھی جو ۸۴۰ روپیہ میں فروخت ہوئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد رحیم خان اور اس کے بیٹے سردیوں میں کندھار سے واپس لونی گاؤں آئے۔ لیکن سردار بی بی کندھاری کے ساتھ ان کی شادی کے بعد ان کا آنا بند ہوا اور آہستہ آہستہ ان کے قبیلے کے لوگوں نے ان کو بھلا دیا۔ ۱۲ اگست ۱۹۳۶ء سے ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء تک حاجی محمد خان لونی اپنے رشتہ داروں کو ڈھونڈنے کندھار اور سلیمانخیل ملک گئے لیکن ناکام رہے۔ مئی اور جون ۱۹۶۸ء میں وہ دوبارہ کندھار، قلات، غزنی، کابل اور سالنگ گئے لیکن انہیں رحیم خان یا ان کے بیٹوں حسن خان اور عالم خان لونی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

دستیاب ثبوتوں کے مطابق عزیز خان لونی ۱۹۰۲ء میں اپنی تمام ذمہ داریاں اپنے بڑے بیٹے احمد خان کو سونپ چکے تھے اور ۱۹۱۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ مکہ میں حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ وہ اپنے لونی، تحجک، نودھانی، انصاری اور شیخ مخالفین سے اپنی جائیداد کے کئی مقدمے جیت چکے تھے۔ اپنی جائیداد کے علاوہ انہوں نے صافی اور تحجکوں سے بھی کافی جائیدادیں خریدیں۔ ان کا بڑا بیٹا احمد خان ان کی مہاجرت کے دنوں میں ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء میں تحجک میں پیدا ہوا جبکہ محمد خان، داود خان، حسن خان اور مصری خان ان کے اپنے گاؤں لونی میں پیدا ہوئے۔ حاجی مولوی داود خان ۱۳ جولائی ۱۹۴۲ء کو بروز پیر فوت ہوئے، حاجی مصری خان ۸ جولائی ۱۹۴۳ء بروز جمعرات، خان صاحب حاجی احمد خان ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء بروز جمعہ، حاجی محمد خان ۶ مارچ ۱۹۵۶ء اور حاجی حسن خان ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو فوت ہوئے۔ ان میں سے ان کے چار بیٹوں کی نارینہ اولاد تھی جن میں سے کچھ اب فوت ہو چکے ہیں (مصطفٰی خان، سید ال خان، صوفی عبد اللہ خان، عالم خان، حاجی سیف اللہ خان، حاجی حبیب اللہ خان، اور حاجی نصر اللہ خان)۔ جبکہ باقی ابھی زندہ ہیں اور مختلف موضعوں میں عزیز خان کی جائیداد کے مالک ہیں۔ ان کے پوتے اور مصنف کے والد سید ال خان اپنے دادا (عزیز خان) کی زندگی میں ۲۲ دسمبر ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے تھے۔

لونیوں کے ساتھ تنازعات زمین اور پانی میں حصے کے اوپر تھے۔ اس میں پہلا فیصلہ فارسی میں لکھے گئے معاہدے (بتاریخ ۲۳ شعبان ۱۳۰۹ھ بمطابق یکم مئی ۱۸۸۸ء) میں سربلند خان ولد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مصری خان نے، دوسرا تحصیلدار سبی منشی تولہ رام نے یکم مئی ۱۸۹۱ء کو، اور اسی طرح ایک اور فیصلہ تحصیلدار سبی منشی داسو رام نے ۲۵ فروری ۱۸۹۵ء کو دیا ہے۔ یہ موخر الذکر فیصلہ فاضل خان ولد جمعہ خان لونی بنام عزیز خان اور جہان خان لونی کا مقدمہ ہے جس میں مدعی نے حجک رود کے بننے کے نتیجے میں اپنی زمین کو پہنچنے والے نقصان کے ازالے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس طرح کا ایک فیصلہ لینڈ سیٹلمنٹ افسر کے۔بی میر شمس شاہ کا ۲۴ فروری ۱۹۰۲ء کا ہے۔ یہ فیصلہ کٹھن مراحل سے گزرا ہے جس میں ان دنوں کی نامور شخصیات سردار سربلند خان باروزئی، سردار محمد خان باروزئی، ولہاڑی خان مرغزانی، گلوشہر کے یار محمد ولد رحمٰن سیلاچی، عبدالرحمٰن ول شیر محمد ناہر، داداخان ولد شکر کالر اور میہان ولد اللہ داد لونی کے بیانات شامل ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقدمے کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر سبی میجر اے۔ میک کونگی نے زیارت سے ۴ اگست ۱۹۰۵ء کو کیا ہے جس میں جمعہ خان لونی اور دیگر ۴۵ لونیوں نے عزیز خان کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا کہ وہ انہیں ان کی زمین کے پٹے دار کاشتکار تسلیم نہیں کرتے۔ اس میں عزیز خان کے مخالفین نے اپنے آپ کو لونی کی زمینوں کے پٹے دار کی بجائے ان کا مالک ظاہر کرنے کی مذموم کوشش کی تھی۔

لگتا ہے کہ سربلند خان کا فیصلہ دونوں فریقوں پر ستمبر ۱۸۹۰ء تک لاگو تھا۔ پھر عزیز خان لونی نے اس معاہدے کے متن میں تبدیلی کرنے اور اس میں مزید الفاظ شامل کرنے پر پنجو، یعقوب، مزار، اللہ بخش اور اسحٰق لونی پر تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۹۳ کے تحت مقدمہ دائر کر دیا۔ اس وقت کے تحصیلدار کو اس معاملے کی تفتیش کے لئے مقرر کیا گیا، انہوں نے بوستان مرغزانی، منشی غوث بخش، لمبردار سلیمان خان مرغزانی اور سردار سربلند خان باروزئی سے تفتیش کی جو اس کے عینی شاہد تھے۔ ۶ فروری ۱۸۹۱ء کو اس نے درج ذیل رپورٹ دی:

"شروع میں عزیز خان لونی نے اس کے متن سے اتفاق نہیں کیا لیکن بعد میں جب یہ فیصلہ اس وقت کے سبی کے تحصیلدار منشی ہری چند کے سامنے تصدیق کے لئے پیش کیا گیا تو سردار سربلند خان باروزئی کی درخواست پر انہوں نے دستاویز پر اپنی رضامندی کی مہر لگادی۔ اگرچہ یہ معاہدہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

عزیز خان سے ناانصافی تھی لیکن پھر بھی انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ یہ صحیح ہے کہ ان کے مخالفین نے کُرک کے قاضی محمد عثمان علیزئی کی چشم پوشی سے اس اسٹام پیپر کے اصل متن میں تبدیلی کی۔ اس تحریف کے علاوہ باقی دستاویز اصل ہے اور اسے لاگو ہونا چاہیے۔ اس رپورٹ کو دیر سے جمع کرنے کی وجہ بیان کے لئے سردار سربلند خان کی عدم دستیابی تھی وہ لونیوں کے ایک اور معاملے کو سلجھانے ژوب گئے ہوئے تھے"۔

یہاں یہ نکتہ یاد کرانا ضروری ہے کہ دسمبر ۱۸۸۸ء سے جنوری ۱۸۸۹ء تک سنڈیمن اور اس وقت کے تھل چٹیالی کے پولیٹیکل ایجنٹ میکلوور ژوب ایجنسی کے دورے پر گئے ہوئے تھے اور باروزئی سردار ان کے ہمراہ تھے اور سبی میں موجود نہیں تھے۔

۱۸۹۴ء کے موسم گرما میں عزیز خان لونی نے دادا، عمر، عظمت، پنجو، اللہ بخش، علی شیر، مزار، اسحٰق، فاضل اور شیر دل (لونیوں) کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور الزام لگایا کہ مدعیان علیہ چھ سال سے مذکورہ معاہدے کی پاسداری کر رہے تھے اب وہ اس پر مزید عملدرامد سے روگردانی کر رہے ہیں۔ ۳ ستمبر ۱۸۹۴ء کو عدالت نے عزیز خان لونی کے حق میں فیصلہ دیا۔

میرے خیال میں کے۔ ایس حاجی احمد خان پر پنجو لونی کی سربراہی میں ہونے والے قاتلانہ حملے (جب وہ محض ایک لڑکے تھے) کے قصہ کو اکثر مرحومہ ماسی میماد ختر جوریو دہتہ اور شکر کاسی اسی دور کا بتاتے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت یہ نوعمر جوان گھوڑے پر سوار اپنے والد عزیز خان کے لئے دوپہر کا کھانا لے جا رہے تھے۔ یہ سازش دہتوں کی مداخلت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی اس لئے مایوس لونیوں نے دہتوں پر حملہ کر دیا۔

خاندانی دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے فاضل ولد جمعہ خان لونی، پھر پنجو لونی اور اس کے ساتھ ساتھ عبدالوہاب لونی ولد عبدالحکیم (مولوی خدا بخش کے بھائی اور مرحوم عبدالقادر لونی کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

والد) نے حاجی عزیز خان اور ان کے بیٹے احمد خان کے خلاف مقدمات لڑیں اور وہ جب تک زندہ رہیں اس اختلاف میں قائدانہ کردار ادا کرتے رہیں۔

دیوان جمعیت رائے کے (۱۹۳۲) Manual of Customary Law کے صفحہ ۲۶۸ پر درج ہے:

"حاجی عبدالوہاب لونی، پیرک میں مرغزانیوں اور صافیوں کے درمیان جھگڑے میں زخمی ہوئے تھے۔ نہ انہیں کوئی معاوضہ دیا گیا اور نہ ہی انہوں نے اس کا مطالبہ کیا"۔

یہ سبی تحصیل کے ۱۹۲۶ء میں سیلاچی۔ ہراکیس میں صرف ایک مثال کے طور پر بیان کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پیرک صافی جایا کرتے تھے اور وہاں ان کی اور دیگر لونیوں کی زمین تھی۔ درخان صافی گاؤں کے درخان ولد میاں خان کی عرضی پر تحصیلدار سبی نے ۷ اگست ۱۹۱۶ء کو ایک رپورٹ بعنوان Suit for the Division of Land of Pirak Safi۔ تیار کی تھی۔ اس کے مدعیان علیہ میں ارباب خان لونی اور مولوی خدابخش لونی بحیثیت اس موضع کے عبدالرحیم شاخ کی پانی اور زمین کے شراکت دار شامل تھے۔ یہ رپورٹ بتاتی ہے کہ بستی درخان ۱۹۰۷ء میں قائم ہوئی تھی۔ اور اس رپورٹ میں یہ جملہ بھی ہے کہ "ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ ناڑی کو پختہ کرنے کا کام مکمل ہونے کو تھا" (۱۹۱۶ء/۱۹۱۷ء)۔

اپنے مرحوم والد عبدالقادر لونی کی موت کے بعد کچھ عرصے کے لئے ان کے بیٹے عبدالستار لونی نے عزیز خان کی اولاد کے خلاف اپنے باپ اور دادا جیسا کردار ادا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بدقسمتی سے فاضل خان اور عبدالوہاب خان کی نسل ختم ہو گئی اور آج (۲۰۰۱ء) میں ان کی نمائندگی کرنے والی کوئی نارینہ اولاد نہیں ہیں۔ لونی کے سر اور شاخ سے اب لونی گاؤں میں کوئی بھی نہیں ہے۔ البتہ سبی کے تجک گاؤں میں نواب لونی ولد نور محمد لونی کا ایک سر اور خاندان ہے۔ بعد میں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

عزیز خیل کے خلاف تاریخی سیاسی کردار سکنہ سبی بازار اور پشتونخوا پارٹی کے ایک نوجوان احمد خان ولد شہباز خان نے ادا کرنا شروع کیا۔

۱۹۰۱ء میں پہلی دس سالہ مردم شماری لونی گاؤں میں حاجی عزیز خان لونی کی نگرانی میں ہوئی۔ اس کے درج ذیل نتائج تھے:

کل آبادی	۱۵۳
بادوزئی لونی	۶۳ (۳۶مرد+۲۷خواتین)
ناکیزئی لونی	۴۱ (۱۸مرد+۲۳خواتین)
ساخیزئی لونی	۳۰ (۱۸مرد+۱۲خواتین)
سراور لونی	۱۴ (۱۸مرد+۱۲خواتین)
شرکون لونی	۵ (۲مرد+۳خواتین)

اسی مردم شماری میں گلوشہر کے نودھانی حسنی ترین کے درض ذیل اعداد و شمار تھے:

کل آبادی	۱۹۸
مندوانی	۵۶
موسیانی	۴۸
بازدانی	۳۹
غیبانی	۵
ریانی	۲۶
رنجھا	۶
شیر	۱۸

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۵

باروزئی سربراہان

انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں مچکوں نے دو باروزئی بھائیوں (حبیب خان اور سعداللہ خان) کو قتل کر دیا جس کے بعد ان کے بیٹوں کے برے دن شروع ہوئے۔ وہ انصاف کے لئے اپنے کندھاری حکمرانوں کے پاس گئے جہاں انہیں بتایا گیا کہ وہ سیوی میں محصول اکھٹی کرنے پر توجہ دیں۔ یہ حکمرانوں کا اپنے ہی نمائندوں سے بدترین مذاق تھا جس کی مثال باقی دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ قتل ہونے اور انگریزوں کی آمد کے دوران ان سالوں میں ان تینوں بھائیوں نے انصاف اور میر خان مچک کی سربراہی میں مچکوں کے گزند سے بچنے اور اپنے تحفظ کے لئے ہر در کھٹکٹایا۔ انگریزوں کی آمد کے بعد باروزئی خاندان کے سربراہوں نے ان کی طرفداری کی۔ بالکل ایسی ہی طرفداری افغانستان میں سدوزئی حکمرانوں نے محمدزیوں کے خلاف کی۔ انہیں کُڑک میں موجود پنڑیوں کی بھی بھرپور حمایت رہی جن کے جنگجوؤں سے کُڑک بھرا ہوا تھا۔ اسی صورتحال نے باروزیوں کو اس قابل بنایا کہ انہوں نے لڑائی میں مچکوں کو بھرپور شکست دی۔ لیکن اس لڑائی میں ان کے قابل سربراہ مصری خان زخمی ہو کر فوت ہوگئے۔ ان کے چھوٹے بھائی بختیار خان نے پنڑیوں کی قیادت سنبھالی لیکن وہ بھی ۱۸۷۴ء میں فوت ہوئے اور سربلند خان اور شیر زمان کے لئے میدان خالی ہو گیا۔ شیر زمان ۱۸۷۶ء میں براہویوں کے ساتھ لڑائی میں گولی لگنے سے انتقال کر گئے۔ اس طرح نصف صدی کے مختصر عرصے میں باروزئی کے چار قابل سربراہ مارے گئے۔

شکر خان اور مصری خان کے بھائی بختیار خان ولد حبیب خان نے ۱۸۵۵ء سے ۱۸۷۴ء تک سیوی پر حکومت کی۔ ان کے دو بیٹے عیسٰی خان اور اختیار خان تھے، موخرالذکر باگرائی کی لڑائی میں مارا گیا۔ ان کی موت کے بعد پیدا ہونے والے ان کے بیٹے کا نام بھی اختیار خان رکھا گیا۔ بختیار

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خان ولد حبیب خان کے دوسرے بیٹے کا نام عیسیٰ خان تھا جو ۱۸۸۱ میں فوت ہوئے۔ وہ بختیار خان کا باپ تھا جو ۱۹۲۴ء میں فوت ہوا۔ موخر الذکر کے دو بیٹے عیسیٰ خان اور یعقوب خان تھے۔ عیسیٰ خان مرحوم رشید خان باروزئی اور یعقوب خان، مرحوم ابراہیم خان باروزئی (وفات: ۱۹۷۵ء) کے والد تھے۔ یہ وہی عیسیٰ خان ولد بختیار خان تھے جنہوں نے سبی میں کُڑک قصبے کے مشرق میں گندم کی کھیت میں چیتے کو مارا تھا۔

آ. سربلند خان ولد مصری خان ولد حبیب خان باروزئی

بلوچستان کے بلیو بک نمبر ۲ کے صفحہ ۸۹ پر سردار محمد خان جمک کا کمشنر سندھ کے نام خط کا ترجمہ موجود ہے۔ اگرچہ خط پر کوئی تاریخ رقم نہیں ہے لیکن متن میں موجود حقائق سے یہ جنوری ۱۸۷۶ء کا لگتا ہے۔ اس میں لکھا ہے:

۱)۔ "مولا محمد ایک بیوی اور دو بیٹوں کو کُڑک میں چھوڑ کر دو بیویوں کو اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ نائب عبدالعزیز نے براہویوں کو فرمان بھیجا ہے کہ جو لوگ مولا محمد کے حمایتی ہیں وہ کُڑک چھوڑ کر ان کے ساتھ جائیں۔ اور وہ لوگ جو شیطان کے ساتھی نہیں ہیں انہیں سمندر خان (لہڑی) کے پاس جا کر رہنا چاہیے"۔

۲)۔ "کُڑک کے باروزئی بھی آپس میں لڑتے رہے ہیں۔ مرغزانی قبیلہ مصری خان کے بیٹوں کے ساتھ ہے۔ کُڑک کے لوگ شیر زمان کے ساتھ ہیں۔ یہ اختلافات پگڑی (سرداری) پر حق جمانے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں"۔

۳)۔ "مجھے اور میرے بھائی علی محمد کو اپنا وفادار اور تابعدار خادم سمجھیں۔ جیسے کوئی ایسا فن نہیں جس کے حکیم لقمان ماہر نہ ہوں اسی طرح ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہیں جو کمشنر نے ترتیب نہ دی ہو۔ اگر براہوی یا کسی دوسرے قبیلے کا تعلق بنتا ہے تو آپ بہتر طریقے سے رفع کر سکتے ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس محمد خان حجک اور ان کے بھائی علی محمد حجک کی شناخت اور اسناد کو جانچنا مشکل ہے کہ وہ کس بنیاد پر اپنے آپ کو اس قبیلے کے معتبرین ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ اصل میں نومبر ۱۸۷۸ء میں اس قبیلے کے امور حجکوں کے سربراہ مٹھاخان ولد لشکر خان نبھا رہے تھے۔ اسی طرح ۱۹۰۵ء میں ہمیں اس منصب پر سردار اسمٰعیل خان حجک نظر آتے ہیں۔ اس لئے اس محمد خان حجک کا کی سرگرمیوں کا دور ۱۸۷۴ء (لشکر خان کی موت کا ممکنہ سال) اور ۱۸۷۸ء کے دوران ہونا چاہیے جب مٹھاخان حجک قبیلے کے سربراہ تھے۔

اپنے چچانواب بختیار خان باروزئی کی موت اور ان کے بیٹے کی ۱۸۷۴ء میں انتقال کے بعد سربلند خان پنڑی قبیلے کی سربراہی کے دعویدار کے طور پر ابھرے۔ وہ مرغزانی قبیلے کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جبکہ باقی پنڑیوں نے شیر زمان خان باروزئی کا ساتھ دیا۔ شکر خان مرغزانی اور سردار محمد خان باروزئی کے خاندانوں کے مابین دشمنی کا عنصر بھی موجود تھا۔ یہ تناو شاید باگرائی کی لڑائی کا نتیجہ تھا جس میں اختر خان مارا گیا تھا اور اس کا الزام شکر خان مرغزانی پر لگا تھا۔

ایک موقع پر سربلند خان باروزئی ولد مصری خان کے برطانوی حکام کے ساتھ شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ یہ اختلافات اس عہدے کی بنیاد پر تھے جس پر سردار محمد خان باروزئی ولد شکر خان فائز تھے۔ چونکہ برطانوی حکام ان کے مخالف کی حمایت کر رہے تھے اس لئے کندھار گئے اور وہاں انہوں نے مئی ۱۸۷۸ء میں اپنا دعویٰ امیر شیر علی کے ماتحت کندھار کے حکام کے سامنے رکھا۔ اپنی ڈائری میں مئی ۱۸۷۸ء میں مسٹر بروس لکھتے ہیں:

"سبی کے رہائشی سربلند خان باروزئی پٹھان کندھار جاتے ہوئے کوئٹہ سے گزرے۔ ان کا استقبال نہیں کیا گیا کیونکہ انہیں سبی کا سربراہ تسلیم نہیں کیا جاتا"۔

قریباً سات مہینے باہر رہنے کے بعد وہ ۱۸۷۹ء میں واپس کُرک لوٹ آیا۔ ان دنوں مسٹر بروس کندھار پر قبضے کے لئے درہ بولان کی طرف بڑھتی فوج کندھار فیلڈ فورس کے لئے گودام بنانے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور ان کے لئے سامان کا انتظام کرنے میں کافی مصروف تھے (یہ فورس اس دستے سے بنائی گئی تھی جس کی کمانڈ جنرل بڈلف اور ڈونلڈ سٹیورٹ کر رہے تھے)۔ اس فورس نے ۸ جنوری ۱۸۷۹ء کو کندھار پر قبضہ کر لیا۔ اس لئے کندھار پر حملہ کرنے اور اسے قبضہ کرنے تک سربلند خان کو کندھار سے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ پتہ نہیں ہے کہ جنگ میں مصروف حکمرانوں نے اس کے مقام کے حوالے سے کیا کاروائی کی لیکن اس وقت تو افغانستان خود برطانوی خطرے میں گھرا ہوا تھا، سیوی اور سنگان کے علاقے مئی ۱۸۷۹ء کے معاہدہ گندمک سے پہلے ہی ان کے قبضے میں جا چکے تھے۔ کندھاری حکمران چاہتے بھی تو سربلند خان کی مدد نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ سردار محمد خان کو سربراہ تسلیم کر چکے تھے۔ رابرٹ سنڈیمن کے بقول اس وقت کے کندھار کے گورنر سردار میر افضل خان، بظاہر حب الوطنی کے باوجود برطانوی آفیسروں کے ساتھ رابطے میں تھے۔ اس تلخ حقیقت میں حبیب خان باروزئی کے پوتے سربلند خان کے لئے کیا امید باقی رہتی جس کے اپنے قاتل کندھاری سرداروں کی وجہ سے سزا نہ پا سکے تھے۔

مئی ۱۸۷۸ء، جولائی ۱۸۷۸ء جنوری ۱۸۷۹ء کی قلات ڈائری اور ممتاز سرداروں کی سوانح عمری کے ریکارڈ میں درج ذیل حوالے ملتے ہیں:

۱)۔ ۱۸۷۸ء۔ "سبی کے رہائشی سردار سربلند خان باروزئی، ضلع کے سربراہ میر محمد خان کے چچازاد ہیں لیکن وہ ان کے سربراہ کی حیثیت کو نہیں مانتے۔ نومبر ۱۸۷۹ء میں وہ ایک معاملے کی وضاحت کے لئے بلائے گئے، سنڈیمن نے سربلند خان کے حوالے سے لکھا:

"میر محمد خان، مرحوم سردار شیر زمان کے بھائی ہیں اور قبیلے کے تمام سربراہوں نے انہیں شیر زمان کے جانشین کے طور پر تسلیم کیا ہے سوائے دو یا تین لوگوں کے جنہوں نے ان کے خلاف ان کے چچازاد سربلند خان کا ساتھ دیا ہے۔ تمام ملک اس حقیقت سے واقف ہے کہ سبی کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سردار کے خلاف سربلند خان کے دعوے اور شازشیں ان کے خاندان کے اندر موجود جھگڑوں کا نتیجہ ہے اور لوگوں کے لئے اس میں اس طرف مائل ہونے کے کافی مواقع موجود ہیں"۔

"پچھلی سردیوں میں (۷۶۔۱۸۷۵ء) میں نے سبی کا دورہ کیا اور سربلند خان نے میری موجودگی میں مرحوم شیر زمان کو پوری طرح اپنا سردار تسلیم کیا۔ موخرالذکر گرمیوں میں فوت ہوئے اور اب (سرداری) ان کے بھائی میر محمد خان کے پاس ہے جس کے ساتھ سربلند خان نے پھر سے پرانا جھگڑا شروع کر دیا"۔

"سبی میں اپنی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے سربلند خان سے ان کے اس دعوے کی بنیاد پوچھی کہ جس میں وہ مرحوم شیر زمان کی جگہ اس کے بھائی کی بجائے اپنے آپ کو سبی کا سربراہ سمجھتا ہے۔ ان کا جواب یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی تھا کہ اس کی بنیاد خاندانی جھگڑا ہی ہے۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ انہیں لوگوں نے منتخب کیا ہے۔ وہ جواب میں یہی کہتا رہا کہ وہ سردار کے فرائض بہتر طور پر ادا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ان کا ایک بڑا بھائی تھا جو ان سے پہلے پیدا ہوا"۔

"اکتوبر ۱۸۷۶ء میں میر محمد خان نے میجر سنڈیمن کو لکھا کہ سبی کا امن ان کے چچازاد سربلند خان کی وجہ سے ابھی تک خراب ہے جو اپنے آپ کو مرحوم شیر زمان کی جگہ باروزیوں کا سردار بنوانا چاہتا ہے۔ جب کابل سے آئے ہوئے تین اہلکاروں (پستہ خان، میر اکھور، اور سردار میر غلام محی الدین) امیر کی طرف سے میر محمد خان کے لئے سرداری کی کلاہ اور دستار لے کر آئیں تو سربلند خان اور ان کی شاخ کے دو تین لوگوں نے دستار بندی کے جلسہ میں شرکت کرنے اور ان کو سردار ماننے سے انکار کر دیا"۔

۲)۔ "سبی کے رہائشی سربلند خان باروزئی پٹھان کندھار جاتے ہوئے کوئٹہ سے گزرے۔ ان کا استقبال نہیں کیا گیا کیونکہ انہیں سبی کا سربراہ تسلیم نہیں کیا جاتا"۔

(مئی ۱۸۷۸ء کی بروس کی ڈائری)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳)۔ "سبی کے سردار محمد خان باروزئی نے لکھا کہ ان کے بھتیجے سربلند خان کا ان سے سلوک اچھا نہیں ہے۔ اور یہ کہ کندھار سے ان کی آمد پر وہ ضرور غلط رپورٹ پھیلائے گا اور چیزوں کو غلط انداز میں پیش کرے گا جو مسٹر بروس یقینی طور پر سنیں گے۔ اور یہ کہ وہ (سردار) ہر وقت برطانوی حکومت کے وفادار رہے ہیں اور ان سے جو بھی خدمات درکار ہوں گی اس کے لئے وہ ہمہ وقت تیار رہیں گے۔ اور یہ کہ وہ برطانوی حکومت کے ساتھ دوستی رکھنے پر بہت خوش ہیں۔ اور یہ کہ جس انداز سے وہ ملک کے امور چلا رہے ہیں سبی کے عوام ان سے خوش ہیں سوائے ان چند مرغزانیوں کے جو ان کے بھتیجے سربلند خان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ملک کے عوام سے اپنے حصے کا ۶۵۰ من گندم ہر سال وصول کرتے ہیں اور صرف مرغزانیوں نے اپنا حصہ دینا بند کر دیا ہے"۔ (جولائی ۱۸۷۸ء کی بروس کی ڈائری)۔

۴)۔ "ڈھاڈر سے نکلتے وقت مجھے سردار محمد خان باروزئی کے حریف اور سبی کے باروزئی قبیلے کی سربراہی کے دعویدار سربلند خان کا ایک خط ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ حال ہی میں کندھار سے واپس آ گئے ہیں اور کُڑک میں آباد ہیں"۔ (جنوری ۱۸۷۹ء کی کیپٹن وائلی کی ڈائری)۔

۵)۔ "۱۹۰۶ء۔ سربلند خان سبی میں کُڑک کے مصری خان باروزئی کے بیٹے ہیں جو ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ باروزئی کے مرحوم سربراہ محمد خان کے چچازاد ہیں۔ وہ کُڑک میں باروزئی جاگیر کے شراکت دار ہیں۔ وہ باروزیوں کے ایک بااثر شخص ہیں اور حکومت کی طرف مائل ہیں لیکن وہ گھمنڈی، سازشی اور اپنے ہمسایوں میں بہت غیر مقبول ہیں"۔

۶)۔ "۱۹۲۱ء۔ ضلع سبی کُڑک کے سربلند خان باروزئی ولد مصری خان باروزئی۔ وہ باروزئی کے مرحوم سربراہ محمد خان کے چچازاد بھائی ہیں اور ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ کُڑک میں باروزئی جاگیر کے حصے دار ہیں۔ وہ باروزیوں میں بااثر اور حکومت کی طرف مائل ہیں۔ گھمنڈی اور شازشی ہیں۔ ہمسایوں میں بہت غیر مقبول ہیں۔ کسی وقت قبیلے کے لوگوں کے خلاف سازشوں کی وجہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سے وہ تمام جرگوں سے خارج کئے گئے تھے لیکن اب پھر سے انہیں جرگوں میں بیٹھنے کی اجازت ہے۔ ان کی چال چلن پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہ اب بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔ ان کا بیٹا شہباز خان سارے کام کرتا ہے"۔

۷)۔ "جنوری ۱۹۲۶ء۔ ضلع سبی کُڑک کے سربلند خان باروزئی ولد مصری خان، باروزئی کے مرحوم سربراہ محمد خان کے چچازاد بھائی اب بڑھاپے کی وجہ سے یادداشت عقل کھو رہے ہیں۔ ان کی جگہ اب ان کے بیٹے شہبار خان کو جرگوں میں بیٹھنے کی اجازت دی گئی ہے"۔

ڈاکٹر محمد حیات عثمانی نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو انہوں نے اپنے والد مرحوم حاجی ملک عیسٰی خان عثمانی سے سنا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

"سردار بننے کے بعد (۱۹۲۴ء) سمندر خان باروزئی (ولد کے۔بی سردار مصطفٰی خان)، سردار سربلند خان باروزئی، ملک دوست محمد خان صافی، ملک کرم خان لالوزئی کُڑک، ملک احمد خان صافی، ملک کمال خان خلبند کُڑک، ملک عیسٰی خان عثمانی، قاضی عبدالعلیم علیزئی اور عیدولانگو کے ہمراہ ایک تعزیت کے لئے اکھٹے قریبی رئیسانی قصبے مٹھڑی گئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو سردار بہادر سردار اسداللہ خان رئیسانی ولد سردار سرغوث بخش کے۔سی۔آئی۔ای (جو ۱۹۱۵ء میں سردار فائز ہوئے تھے) نے سردار سربلند خان اور سردار سمندر خان باروزئی کو اپنی رہائش گاہ پر کھانے کی دعوت دی جبکہ باقی معتبرین کو وہی مہمان خانے میں کھانے کے لئے چھوڑا۔ اس دعوت پر سربلند خان نے اپنی کلاہ پہنی اور ابھی جانے والا تھا لیکن سردار سمندر خان نے اس کو سخت استثنا کے طور پر لیا اور انہوں نے اس سے نہ صرف انکار کیا بلکہ وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگے۔ یہ سن کر رئیسانی سردار فوراً مہمان خانے میں آئے جہاں تمام مہمانوں اور میزبانوں نے مل کر کھانا کھایا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

" ایک اور موقع پر جب حکام نے سردار سربلند خان کو ہرنائی کے نائب تحصیلدار کے عہدے کی پیشکش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ ایک ایسے ہندو تحصیلدار کے ماتحت کام نہیں کر سکتے جن کی اپنی برادری میں بھی کمتر حیثیت ہے"۔

سربلند خان باروزئی ۱۹۲۶ء میں فوت ہوئے ہیں کیونکہ اس کے بعد سرکاری دستاویزات میں کہیں بھی ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کی پیدائش کے فوراً بعد ۱۸۵۵ء میں ان کے والد مصری خان کا انتقال ہو گیا تھا، اس لئے انہیں یقیناً ان کی والدہ اور چچا سردار بختیار خان باروزئی (وفات: ۱۸۷۴ء) نے پالا ہو گا۔ ان کے چچا کی وفات کے وقت سربلند خان ۲۳ سال کے ہوں گے اس لئے اس عمر میں وہ عوامی امور میں اور خصوصاً کُرک میں خانِ قلات کے براہوی مہاجرین کی سیاست کا سامنا کرنے میں کوئی بھی کردار ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ یہ بھی واضح ہے کہ انہوں نے سرداری پر سردار شیر زمان (۱۸۷۴ء تا ۱۸۷۶ء) ولد شکر خان باروزئی کے ساتھ تنازعہ کھڑا کیا۔

یہ حیرت انگیز حقیقت ہے کہ وہ باروزئی سرداروں کی زندگی میں ایک عینی شاہد کے طور پر طویل عرصہ تک رہے۔ انہوں نے اندازاً سرداروں کے یہ سارے دور دیکھے جیسے بختیار خان (۱۸۵۵ء تا ۱۸۷۴ء)، شیر زمان خان (مارچ ۱۸۷۴ء تا جون ۱۸۷۶ء)، محمد خان (جون ۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۵ء)، مصطفٰی خان (۱۹۰۶ء تا ۱۹۲۶ء)۔ اس کے علاوہ سمندر خان باروزئی کے ابتدائی سالوں میں بھی رہے ہیں۔ ایک بار ۱۸۷۶ء میں ااس وقت سنڈیمن کے ساتھ ان کی ایک جذباتی نشست بھی ہوئی جب وہ قلات کے دوسرے دورے کے موقع پر سبی میں تھے۔ انہوں نے مئی ۱۸۷۶ء میں کندھار کے حکمرانوں کے سامنے بھی اپنی شکایات رکھیں، نومبر ۱۸۸۲ء میں سبی دربار میں بھی شرکت کی، ڈیوک آف کناٹ سے بھی ملے، انہوں نے مئی ۱۸۸۸ء میں لونی کی آپس میں جائیداد پر ایک پیچیدہ تنازعے کا بھی فیصلہ کیا، ۸۹۔۱۸۸۸ء میں وہ سنڈیمن کے ساتھ ژوب کے دورے پر بھی گئے اور انہوں نے کوئٹہ میں ۲۸ نومبر ۱۸۸۹ء کو منعقدہ نائب وائسرائے کے دربار میں بھی شرکت کی۔ پولیٹیکل ایجنٹ سبی نے ۲۹ نومبر ۱۹۳۶ء کے اپنے مراسلے بعنوان Continuation of Khana Nashini

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

allowance of Rs. ۹۰/- enjoyed by Mir Shahbaz Khan Baruzai to his son Sarbuland Khan میں لکھا:

"میر سربلند خان والد شہباز خان نے دکی، لورالائی، ژوب اور لسبیلہ میں فورس میں خدمات انجام دی"۔

شہباز خان ۱۹۳۶ء میں فوت ہوئے اور ان کے بیٹے رسالدار سربلند خان (دوم) کا انتقال ۱۹۹۴ء میں سبی میں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ ارباب خان لونی، سربلند خان (اول) کی موت کے بعد ۱۹۲۷ء میں رسالدار لیویز سبی بنے تھے۔

ان کی سرگرمیوں سے متعلق موجود ریکارڈ کی رو سے کوئی بھی بغیر ہچکچاہٹ یہ کہہ سکتا ہے کہ بحیثیت سربراہ انہوں نے اس سے پہلے اور اپنے عصر کے شکرزئی باروزئی قبیلے کی تمام معاملات کو بخوبی نبھایا۔ لیکن برطانوی حکام کی مخالفت اور باروزئی کی ایک چھوٹی ذیلی شاخ سے تعلق ہونے کی وجہ سے وہ نصف صدی تک ۱۸۷۴ء سے ۱۹۲۶ء تک پنڑیوں کے سربراہ بن کر رہ سکتے تھے اور یہ ترتیب سبی کے افغانوں کے لئے سودمند ہوتی۔ کوئی بھی محقق اگر اس پر تحقیق کرے اس کے حوالے سے موجود ریکارڈ اور سبی کے معتبرین کی خاندانی دستاویزات کا جائزہ لیں تو اس حوالے سے مزید بہتر معلومات لا سکتا ہے۔

ب. شیر زمان خان ولد شکر خان باروزئی

مختصر عرصے تک زندہ رہنے والے اس باروزئی سردار کے بارے میں Brief Biographical Account of the Leading Sardars and others of Khelat State- Past and Present کے صفحہ ۲۰۲ پر درج ذیل معلومات ہیں:

"وہ سبی کے بختیار خان کے بھتیجے ہیں اور مارچ ۱۸۷۴ء میں ان کی موت کے بعد سربراہ بنے۔ چونکہ بختیار خان کا بیٹا مرگی کا مریض تھا اس لئے انہیں (شیر زمان) کو سردار منتخب کیا گیا۔ اکتوبر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۷۵ء میں انہوں نے اپر سندھ فرنٹیر کے پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کی اور ۷۶۔۱۸۷۵ء کے موسم سرما میں کیپٹن سنڈیمن کے دورہ قلات کے موقع پر انہوں نے خبریں پہنچائیں۔ ۱۸۷۶ء کی خزاں میں ان کا انتقال ہوا اور ان کا بھائی محمد خان ان کا جانشین بنا۔ سردار برطانوی حکومت کی طرف راغب تھے، انہوں نے اپریل ۱۸۷۶ء میں پیر چوکی (ڈھاڈر) میں میجر سنڈیمن سے ملاقات کی جب وہ ۲۵ مئی ۱۸۷۶ء کو قلات کے دوسرے دورے پر تھے۔ انہوں نے خط میں میجر سنڈیمن کو اپنی ہر قسم کے خدمات کی پیشکش کی کہ اگر ان کو برطانوی حکومت کوئی بھی کام دیں وہ بخوشی انجام لائیں گے۔ ان کے جانشین بھی پوری طرح سے برطانوی حکومت کی طرف راغب ہیں"۔

ہیتورام اپنی تصنیف "تاریخ بلوچستان" کے صفحہ ۳۹۵ پر لکھتے ہیں کہ ۱۱ دسمبر ۱۸۷۵ء کو کُڑک میں تین برطانوی افسر کچھ باغی براہوی سرداروں کے ہمراہ شیر زمان خان اور محمد خان باروزئی سے ملے۔ اسی طرح Balochistan Blue Book No. ۲ (London۱۸۷۷) کے صفحات ۶۱/۶۰ پر Papers relating to the Treaty of December ۲۸, ۱۸۷۵ کے عنوان تلے درج ذیل عبارت ملتی ہے:

"کیپٹن سنڈیمن جب لہڑی اور غازی پاس کے میدان پہنچے تو انہوں نے کرم خان بجرانی کے بھائی فتح خان کو اپنی آمد کی خبر دینے شیر زمان خان اور مولا محمد کے پاس بھیجا۔ اگلے دن صاحب ڈوکا کے تھلی روڈ پہنچے۔ دونوں سردار ان سے ملنے آئے۔ اگلے دن کیپٹن سنڈیمن دریائے ناڑی کی طرف بڑھیں اور وہاں انہوں نے ساراوان کے سرداروں سے ملاقات کی۔ یہ سب اپنے لوگوں کے ساتھ آئیں۔ صاحب نے شیر زمان اور ان کے لوگوں کو ۴۰ روپیہ اور مولا محمد، دیگر سردارانِ ساراوان اور ان کے لوگوں کو ۲۰۰ روپیہ یومیہ دیا۔ اگلے دن صاحب نے تمام براہوی سرداروں اوران کے لوگوں کو سلام کے لئے بلایا۔ وہ خان اور جھالاوان اور ساراوان کے سرداروں کے درمیان موجود اختلافات کی وجوہات تلاش کر رہے تھے۔ اگلے دن انہوں نے سردار شیر زمان خان سے کہا کہ وہ کل کُڑک قصبے کا دورہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اگلے دن صاحب نے شیر زمان خان اور مولا محمد کے ساتھ کُڑک کا دورہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کیا۔ ان کی آمد سے پہلے شیر زمان خان نے پیغام بھجوا دیا تھا کہ ان کے استقبالی کمرے کو قالینوں سے آراستہ کر کے تیار کیا جائے۔ صاحب نے سواری پر کُرک کا دورہ کیا اور شیر زمان خان کے گھر اترے اور ایک ساعت تک وہاں قیام کیا۔ انہوں نے شیر زمان خان کی بہت حوصلہ افزائی کی اور ان کے بیٹے اختیار خان (جو اس وقت چار سال کا تھا) کو دیکھنے کی درخواست کی۔ بچے کو دیکھنے کے بعد صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر واپس اپنے کیمپ آئے۔ اس کے بعد صاحب نے شیر زمان کو بتایا کہ وہ ان کے بھائی محمد خان کو کندھار بھیجنا چاہتے تھے کیونکہ امیر نے انگریز سرکار سے درخواست کی ہے کہ وہ ایک قابلِ بھروسہ شخص کو ان کے پاس بھیجیں۔ جب یہ ایجنٹ واپس آئیں گے تو وہ کیمپ میں صاحب کے ساتھ رہ کر عالیجاہ اور ان کے سرداروں کے درمیان تنازعات اور اختلافات کو حل کریں گے۔ صاحب نے شیر زمان خان کو ان کے بھائی کو کندھار بھیجنے کی یہی وجہ بتائی۔ شیر زمان خان نے اپنے تمام لوگوں کو جمع کیا اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا کہ صاحب کی بہت خواہش ہے کہ ان کے بھائی کو کندھار بھیجا جائے لیکن سر ڈبلیو میریویدر اور کرنل لوچ اور باقی افیسر ممکن ہے یہ سن کر برہم ہوں۔ اگر وہ، شیر زمان، اپنے بھائی کو کندھار بھیجنے پر اعتراض کرتا ہے تو صاحب یہ نہیں سنے گا کیونکہ وہ اس کام کو انجام دینا نہایت اہم سمجھتے ہیں۔ اب آپ سب مجھے کیا مشورہ دیں گے؟ لوگوں نے جواب دیا' اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ہی ہماری نمائندگی کریں لیکن اس میں مولا محمد کے معاملے میں ہماری عزت کا سوال ہے۔ اگر آپ اپنے بھائی کو نہیں بھیجیں گے تو سردار (مولا محمد) ناراض ہوں گے اور صاحب ناخوش ہوں گے۔ خدا پر توکل کریں اور دو سواروں کے ساتھ کندھار جانے پر آپ کے راضی ہونے سے صاحب برہم نہیں ہوں گے'۔ صاحب نے شیر زمان کو ڈھاڈر تک ساتھ آنے کا کہا۔ ڈھاڈر پہنچنے پر اس نے شیر زمان کو اپنے خیمے بلا کر انہیں ایک چوغہ، ایک لونگی، بخمل اور ۲۰۰ روپیہ نقد دے کر رخصت کیا۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ ان کے بھائی کو راستے کے خرچ کے لئے ۵۰۰ روپیہ بھی دیں گے۔ اس کے بعد شیر زمان خان اپنے ملک لوٹ آیا"۔ (News Letter Dated Jacobabad December ۲۸, ۱۸۷۵)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اسی کتاب کے صفحات ۷۶، ۸۳، ۱۹۴، ۲۲۲ پر درج ذیل عبارات ہیں:

۱)۔ "۳ جنوری ۱۸۷۶۔ صاحب نے سردار محمد خان باروزئی کو دشت کے دس گھڑ سواروں کے ساتھ گورنرِ کندھار (امیر کے تعینات کردہ) کے پاس بھیجا۔ انہوں نے سردار امام بخش خان مزاری کو درہ بولان سے ایک سو گھڑ سواروں کے ساتھ قلات بھیجا"۔

۲)۔ " ۱۴ جنوری ۱۸۷۶ء۔ میرے بھائی محمد خان کو صاحب نے کندھار بھیجا۔ آج مجھے اس کی طرف سے ایک خط ملا جس میں اس نے لکھا ہے کہ وہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کندھار پہنچا اور اس نے اپنے ساتھ لائے سارے خطوط عالیجاہ امیر کو بھیج دیئے لیکن اب تک کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ جب مجھے جواب موصول ہو جائیں گے میں واپس آجاوں گا۔ اب تک میں پوری طرح سے اس کام سے آگاہ نہیں ہوں جس کے لئے بھائی نے مجھے بھیجا ہے۔ جب وہ خیریت سے گھر پہنچ جائے گا تو میں آپ کو بتاوں گا"۔

۳)۔ "۱۸ جنوری ۱۸۷۶ء۔ سبی کے باروزئی سردار کے بھائی محمد خان، جنہیں میجر سنڈیمن نے کندھار بھیجا تھا، کندھار کے گورنر سردار فتح خان کا خط لے کے آیا ہے۔ اس خط میں عالیجاہ امیر کابل نے پنجاب کے گورنر کو تھل چٹیالی کا راستہ کھولنے کو کہا ہے اس بات کو اسی طرح میجر سنڈیمن کے گوش گزار کیا جاچکا ہے"۔

۴)۔ "۵ جون ۱۸۷۶۔ سبی باروزئی سربراہ شیر زمان خان نے خبر دی ہے کہ اس کے لوگوں اور گیرانی براہویوں کے درمیان ایک تنازعہ پیدا ہوا ہے وہ اس مسئلے کو حل کرنے گئے اور دوران بحث اتفاقیہ طور پر انہیں بازو میں گولی لگی۔ لیکن زخم زیادہ شدید نہیں ہے۔ سبی میں سب ٹھیک جارہا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵)۔ "۱۴ جولائی ۱۸۷۶ء۔ سبی کے سربراہ شیر زمان خان کے بھائی محمد خان کی طرف سے ایک خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ شیر زمان خان کی موت ایک حادثہ تھی۔ محمد خان کو ان کے بھائی کی موت پر تعزیت کا خط بھیجا گیا ہے جس میں اس واقعے پر افسوس کا اظہار کیا گیا اور امید کی گئی کہ وہ بغیر کسی مسئلے کے اپنے بھائی کے جانشین بن پائیں گے"۔

۶)۔ "جب ۱۸۳۹ء میں افغان جنگ شروع ہوئی تو اس وقت قبیلے کے برائے نام سربراہ شکر خان تھے لیکن اصل طاقت مصری خان کے ہاتھوں میں تھی۔ شکر خان کا جانشین ان کا بیٹا دودا خان ایک کمزور سربراہ تھا اور مصری خان کی موت کے بعد قبیلے کے معاملات بختیار خان اور شیر زمان خان کو تفویض ہوئے۔ شیر زمان خان براہوی اور پنڑی قبیلے کی شاخ مرغزانی کے درمیان لڑائی رکوانے کے دوران مارے گئے۔ دودا خان کی موت کے بعد قبیلے کی سربراہی ان کے بڑے بیٹے محمد خان کو ملی۔ اس سربراہی کو پانے کے لئے سربلند خان نے ناکام کوششیں کیں۔ محمد خان ابھی تک (۱۹۰۵ء) زندہ ہیں لیکن بہت ضعیف ہو گئے ہیں اور وہ اپنے بڑے بیٹے مصطفٰی خان کے حق میں سربراہی سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ اس قبیلے کے سرکردہ افراد میں میر سربلند خان، سنگان کے باروزیوں کے سربراہ میر تاج محمد، اسمٰعیل خان حجک اور ولہاڑی خان مرغزانی شامل ہیں"۔ (Sibi District Gazetteer, p. ۶۳)۔

مصنف کے علم کے مطابق سبی کے ہزاروں سال کی تاریخ میں پہلی دفعہ یہاں سیوی کے "خان" کے ساتھ 'میر' کا خطاب استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ الزام مزید ثابت ہوتا ہے، جسے پہلے ایسٹ وِک اور راورٹی نے دہایا تھا، کہ یہ سبی کے افغانوں اور اس کے معاملات کو بلوچیانے (Balochize) کی برطانوی حکمرانوں کی ایک سوچی سمجھی کوشش تھی۔

رائے بہادر ہیتورام کی کتاب "سنڈیمن بلوچستان میں" (جسے لیفٹیننٹ کرنل جی آر چر نے ترجمہ کیا ہے) میں صفحہ ۶۵ پر درج ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"۷ جولائی ۱۸۷۶ء۔ سبی کے سردار شیر زمان خان کے بھائی محمد خان نے خبر دی ہے کہ شیر زمان خان گیرانی براہوی کی گولی لگنے سے زخمی ہوئے تھے اور اس کی تاب نہ لاتے ہوئے انتقال کر گئے ہیں۔ انہوں نے براہویوں سے بدلہ لینے کی بات کی ہے۔ انہیں ایک ہمدردانہ جواب دیا گیا ہے اور انہیں کہا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے بھائی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حکومت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیں۔ اسے بتایا گیا کہ شیر زمان حادثاتی طور پر زخمی ہوئے تھے اور انہوں نے خود میجر سنڈیمن کو کہا تھا اس لئے گرانیوں سے بدلہ لینے کا مشورہ ضعیف ہے۔ اسے مولا محمد کے سبی آنے اور ان کا فیصلہ کرنے تک صبر کرنے کا کہا گیا تھا۔ باروزئی کے سرخیلوں کو اس خط کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ سرداری کی خالی عہدے کے لئے کوئی جھگڑا نہیں ہونا چاہیے اور اسے ملک اور قبیلے کی روایات کے مطابق صحیح اور حقدار شخص کو دیا جائے گا۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ وہ محمد خان کو ہر ممکن تعاون دیں اور انہیں براہویوں سے بدلہ لینے سے ہر صورت میں روکیں۔ اس میں سربلند خان کو بھی مخاطب کر کے کہا گیا تھا کہ وہ جانشینی پر جھگڑنے سے باز رہے اور محمد خان کو براہویوں سے دور رکھے"۔

بلوچستان کے بلیو بک نمبر ۲ میں کسی اور جگہ بھی ذکر ہے کہ سردار شیر زمان باروزئی نے اس وقت کے خانِ قلات خدائیداد خان کے سخت خطوں کے جواب میں اتنے ہی سخت خطوط لکھے تھے جو پنڑی کی سرزمین پر براہوی سربراہوں کو سیاسی پناہ دینے سے متعلق تھے۔ سردار شیر زمان خان شکر خان کے چار بیٹوں میں سے ایک تھے۔ دیگر تین بیٹے دادا خان، رحیم خان اور سردار محمد خان تھے۔ جون ۱۸۷۶ء میں ان کے انتقال سے پہلے سیوی کے افغانوں کی سیاسی طاقت اس نہج پر پہنچ چکی تھی کہ پنڑیوں اور براہویوں کے درمیان مصالحت کراتے ہوئے پنڑی سردار ایک مہاجر براہوی سربراہ کے ہاتھوں گولی لگنے سے ہلاک ہوئے۔ اس وقت کے امیر افغانستان کو ملک کے جنوبی حصے میں انگریزوں کی پیش قدمی سے آگاہ بھی کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے سرحدوں کی اس پامالی پر احتجاج تک نہیں کیا اور اسی طرح باروزئی سربراہوں نے بھی انگریزوں کو اپنے حکمرانوں کی طرح سمجھنے کو برا نہیں مانا۔ یہ شاید افغانستان کے حکمرانوں اور عوام دونوں کے اندر حب الوطنی کی کمی کی بدترین مثال تھی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اصل میں گیرانی براہوی (بھاگ نیابت کے بنگلزئی) برطانوی افسروں کے بہت قریب تھے۔ حتٰی کہ ۸۹۔۱۸۸۸ء میں رابرٹ سنڈیمن کے دورہ ژوب کے دوران رسالدار میر منو خان گیرانی کی زیرِ نگرانی گیرانی براہوی لیویز کے حفاظتی دستوں کی خدمات لی تھیں۔ سنڈیمن کے جانے کے بعد بھی، وہ ۱۹۴۱ء تک انگریزوں کی خدمت کرتے رہیں۔ لیویز کے فائل نمبر Levies A.G.G Office (Political Branch) (۱۹۳۵) XXXVIIZ/۳۳/ کے صفحہ ۱۶ پر ہمیں پولیٹیکل ایجنٹ ژوب کے ۳۰نومبر ۱۹۴۰ء کے فرمان کے خلاف ایک اپیل کا متن ملتا ہے جو منو خان گیرانی براہوی کے پوتے محمد خان ولد حضور بخش کی طرف سے ہے۔ اس میں اپیل کنندہ لکھتا ہے:

"میر منو خان کی گراں قدر خدمات کو سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ یہ کام (تھلی چٹیالی کا سیاسی کام) مکمل کرنے کے بعد وہ سر رابرٹ سنڈیمن کے ہمراہ قمر دین کاریز (ژوب ایجنسی) گئے اور وہاں انہوں نے بنگال کے میر جعفر سے کئی بڑھ کے خدمات انجام دیں"۔

اسی فائل کے صفحہ ۲۱ پر اے۔جی۔جی بلوچستان کے نام جھالاوان اور ساراوان کے پندرہ سرداروں کی طرف سے ۱۱فروری ۱۹۴۲ء کی ایک درخواست بھی موجود ہے جس میں ذیل میں دیا گیا دلچسپ بیان ہے: "۴۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہند کے برطانوی حکومت کی اس طرح کی سیاسی اور فوجی خدمات انہیں "نواب" کے خطاب کے قابل بناتے ہیں۔ ہمارے اندازے کے مطابق میر منو خان کی خدمات بنگال کے میر جعفر سے کئی بڑھ کے ہیں"۔

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ان دنوں ۱۹۴۰اور ۱۹۴۱ کے ریاستِ قلات کے سرداروں کے ذہن میں بنگال کے میر جعفر اور دکن کے صادق کے نام کے ساتھ کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی۔ یہی حال سبی۔ کوئٹہ۔ پشین کے ان افغانوں کا تھا جو اپنے آپ کو برطانوی مشن سے جوڑتے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سردار محمد خان ولد شکر خان باروزئی

سردار شیر زمان کے جانشین سردار محمد خان باروزئی کے بارے میں Leading Sardars (۱۸۷۸) کے صفحہ ۱۴۰ پر درج ہے کہ:

"اپنے بھائی شیر زمان خان کی موت کے بعد وہ ۱۸۷۶ء کی گرمیوں میں سبی کے سربراہ منتخب ہوئے۔ صرف ان کے چچازاد سربلند خان نے ان کی مخالفت کی جو اس سربراہی پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ انہوں نے ایک خاندانی عداوت کے نتیجے میں مخالفت کی۔ ستمبر میں تمام باروزئی سرخیلوں اور خود سردار نے رابرٹ سنڈیمن کو یہ انتخاب تسلیم کرنے کے لئے لکھا۔ یہ عرضی کندھار کے حکام کے ذریعے، سبی کے کابل کے ماتحتی کی وجہ سے، امیر کے فرمان کے لئے بھیجی گئی"۔

"محمد خان، خانِ قلات کے ہمراہ دسمبر ۱۸۷۶ء میں جیکب آباد گئے اور وہ ۸ دسمبر ۱۸۷۶ء کو اعلی حضرت وائسرئے اور عالیجاہ خانِ قلات کے مابین ہونے والی گفتگو میں موجود تھے۔ اسی دن وہ خانِ قلات کے ساتھ ہونے والے معاہدے کے وقت بھی موجود تھے۔ فروری ۱۸۷۷ء میں کابل سے امیر کے تین ایجنٹ امیر کے حکم پر کُرک میں محصول لینے کے لئے آئیں۔ انہوں نے محمد خان کے انتخاب کو تسلیم کیا اور انہیں سربراہی کے پورے اختیارات دینے کی بشارت دی۔ سردار پوری طرح سے برطانوی حکومت کی طرف راغب ہیں اور ایک سے زیادہ مواقعوں پر انہوں نے سبی پر مریوں کے حملوں کو روکنے میں مدد دی ہے۔ سبی کے سربراہ کے طور پر انتخاب کو تسلیم کرنے کے وقت انہوں نے مسٹر بروس سے درخواست کی کہ سبی کو بھی کچھی کی طرح مریوں کے حملوں سے بچانے کے انتظام میں شامل کیا جائے۔ مسٹر بروس نے نہایت مہذب طریقے سے جواب دیا کہ انہیں سبی کو اس انتظام میں شامل کرنے کا تب تک کوئی اختیار نہیں ہے جب تک برطانوی سرکار اور امیر کے مابین اس معاملے پر اتفاق نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ان سے جو ہو سکے گا وہ مریوں کو سبی پر حملے کرنے سے باز رکھیں گے اور اگر ممکن ہوا تو ان کے چوری شدہ مویشی بھی واپس دلائیں گے۔ قلات ڈائریوں سے پتہ چلتا ہے کہ سردار اپنے ملک پر مریوں کے حملوں کے ساتھ ساتھ اپنے ہمسائے میں ہونے والی قبائلی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

افراتفری کے بارے میں بھی برطانوی حکام کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔وہ اپنے بارے میں بھی بتاتے رہے ہیں۔ جون ۱۸۷۷ء میں انہوں نے لکھا کہ وہ کندھار میں سردار غلام محی الدین سے ملنے کے خواہش مند ہیں لیکن پہلے وہ کوئٹہ میں میجر سنڈیمن سے ملیں گے اور اگر انہوں نے اجازت دی تب ہی وہ کندھار جائیں گے۔ انہیں ایک دوستانہ جواب بھیجا گیااور وہ ۱۳ جولائی ۱۸۷۷ء کو سلامی کے لئے کوئٹہ آئے"۔

دسمبر ۱۸۷۶ء میں باروزئی سردار بہت آسانی سے انگریز وائسرائے سے ملے اور اسی طرح ہی وہ شمال میں ۱۸۷۷ء میں کندھاری سردار غلام محی الدین سے ملے ۔ ایک ہی واقت میں 'شکاری کتے کے ساتھ شکار کرنے اور خرگوش کے ساتھ بھاگنے '[1] کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ لیکن کوئٹہ قلات ریجن کے براہوی، باروزئی، دمڑ اور درانی کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے یہ ریکارڈ پر لاناضروری ہے کہ ان کا انگریزوں کی طرف اس حمایتی رویے کی وجہ دراصل افغانستان کے امیر کا سبی، کچھی، بولان اور کوئٹہ میں امن وامان کی صورتحال قائم رکھنے میں ناکامی ہی ہے۔

۱۹۰۵ءاور ۱۹۰۶ءمیں سردار محمد خان بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ان سے سبی کے پنڑی افغانوں کی سرداری کے فرائض نہیں نبھائے جارہے تھے اس لئے انہوں نے اپنے بیٹے سردار مصطفٰی خان باروزئی کو یہ زمہ داری سونپی جنہوں نے ۱۹۲۴ء تک اس منصب پر خدمات انجام دیں ۔ ۱۹۰۴ء/۱۹۰۵ءمیں ڈپٹی کمشنر سبی میجر میک کونگی نے درج ذیل مشاہدہ لکھا:

" سبی اور سنگان کے باروزئی (پٹھان): افغان قبضے کے دوران سبی کا اہم قبیلہ باروزئی اب اپنی سیاسی اہمیت کھو چکا ہے۔ اس کا موجودہ سربراہ مصطفٰی خان ہیں جنہوں نے اپنے والد کے بڑھاپے اور صحت کی وجہ سے مستعفی ہونے پر یہ سربراہی سنبھالی ہے۔ وہ ایک اچھی وضع کا لیکن کمزور اور

[1] Hunting with the Hound and running with the Hare

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ناتجربہ کار جوان آدمی ہیں۔ اس قبیلے کا نمایاں شخص میر سربلند خان ہیں جو ایک قابل لیکن سازشی اور ہر کام میں دخل دینے والا آدمی ہے۔ باقی قبائلی اچھے اخلاق کے مالک ہیں"۔

۲۱ ستمبر ۱۹۰۷ء کو کوئٹہ میں دربار سے خطاب کرتے ہوئے میجر سر اے۔ ایچ مک مہون نے وہاں موجود نامور تاریخ دان ہیتو رام کا ذکر کیا جنہوں نے "تاریخ بلوچستان" لکھی اور چھاپی۔ اور انہوں نے سردار محمد خان باروزئی کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا۔ ان کے بیٹے مصطفٰی خان ان کے جانشین بنے اور ان کے بعد ان کے بیٹے سردار سمندر خان نے ۳۰ سال تک (۱۹۵۵ء) خدمات سرانجام دیں ان کے بعد ان کے بیٹے سردار محمد خان باروزئی، جن کی اب عمر ۸۰ سال ہے، ۴ اگست ۱۹۵۵ء سے اب تک سردار ہیں۔ وہ نصف صدی سے سیوی کے افغانوں کے سربراہ ہیں۔

دولت زئی باروزئی کے شجرے پر "احمد خان عرف داداخان" کے نیچے لکھا ہے کہ وہ نارینہ اولاد کے بغیر فوت ہوئے۔ ان کی جائیداد ان کے تین بھائیوں کو ملی۔ ان کے بھائیوں میں سے صرف سردار محمد خان داداخان کی موت کے وقت زندہ تھے۔ تاہم انہوں نے جائیداد کا ایک تہائی حصہ اپنی مرضی سے اپنے بھائیوں کے بیٹوں ولی محمد خان اور آدم خان کو دیا۔ چیف کمشنر بلوچستان کی عدالت میں سردار محمد خان ولد سردار شکر خان باروزئی کی طرف سے (غالباً ۱۸۹۷ء) موسٰی خان ولد ہزار خان باروزئی کے خلاف ایک عرضی موجود ہے۔ اس عرضی میں لکھا گیا ہے:

"دونوں فریق احمد خان باروزئی کی اولاد سے ہیں۔ لیکن رواجی اور مذہبی وجوہات اور اس حقیقت کی بنا پر کہ مدعی علیہ قانونی سنتان نہیں ہے، اس لئے وہ خاندانی زمین اور پانی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ میں اور میرے بھائی ہی سردار شکر خان اور ان کی بیوی دھے یانی کے قانونی سنتان ہیں۔ بی بی گل کی شادی میرے چچا بختیار خان سے ہوئی تھی جن کا پوتا بختیار خان ابھی بھی زندہ ہیں۔ تیسری لڑکی کی شادی میرے چچا مصری خان سے ہوئی تھی لیکن وہ نارینہ اولاد کے بغیر فوت ہو گئی۔ محمد اکبر خان، سربلند خان اور اسمٰعیل خان ان کی دوسری بیوی سے ہیں۔ غلام لڑکی نیکو ایک خادمہ تھی اور وہ سعد اللہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خان کی بیاہی ہوئی بیوی نہیں تھی۔ اس نے موسٰی خان کے والد ہزار خان کو جنم دیا۔ ہمارے رواج کے مطابق خادمہ سے پیدا ہونے والے بچے خاندانی جائیداد کے حق دار نہیں ہوتے، قبیلے کا سردار اس طرح کے افراد اور ان کے بچوں کو بیچنے کا اختیار رکھتا ہے"۔

یہ آر۔بی دیوان جمعیت رائے کا تذکرالبار (صفحہ ۱۷) کا انگریزی ترجمہ ہے جو کہتا ہے کہ سردار محمد خان ۲۸ جولائی ۱۹۰۷ء کو فوت ہوئے۔

ج. سردار مصطفٰی خان باروزئی

۱۲ مارچ ۱۹۰۶ء کو سبی کے درج ذیل معتبرین نے سنڈیمن میموریل ہال کوئٹہ میں شاہی دربار میں شرکت کی۔ ان کے نام وہاب خان پانیزئی، علیم خان سارنگزئی، سردار مصطفٰی خان باروزئی، تاج محمد خان باروزئی، بختیار خان باروزئی، ولہاڑی خان مرغزانی اور اسمٰعیل خان حجک ہیں۔

"یکم مئی ۱۹۰۶ء کو قلعہ سیف اللہ میں ایک خطرناک واردات میں نواب بنگل خان اپنی زندگی ہار گئے، سردار اکبر خان زخمی ہوئے جبکہ ایک اور شخص بھی شدید زخمی ہوئے۔ اب سردار زخموں سے صحتیاب ہو چکے ہیں اور ان کا مقدمہ فورٹ سنڈیمن میں پولیٹیکل ایجنٹ کے ہاں چل رہا ہے"۔

اپریل ۱۹۰۸ء میں سردار مصطفٰی خان باروزئی کو اس جرگے کا ساتواں رکن مقرر کیا گیا جس نے ژوب کے سردار ظریف خان، جو ۱۶ جنوری ۱۹۰۸ء میں انتقال کر گئے تھے، کے جانشین کے لئے سفارشات مرتب کرنی تھیں۔ جرگے کے باقی ہندو اور بلوچ ارکان میں آر۔بی دیوان جمعیت رائے، کے۔بی میر شمس شاہ، نواب بہرام خان مزاری، نواب خیر بخش خان مری، نواب سر شہباز خان بگٹی اور سردار جلال خان گورچانی شامل تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"اس جرگے کو درجِ ذیل نکات پر فیصلہ دینے کو کہا گیا(۱) سردار ظریف خان کی جگہ کاکڑ کی سرداری کے لئے جانشینی، (۲) ظریف خان کی موت کی وجہ سے جوگیزئی خاندان کی دی جانی والی خدمات کے لئے وظیفے کی از سرِ نو تقسیم، (۳) نئے سردار کی تعیناتی، (۴) قلندر خان اور گل کرم خان پسران مرحوم سردار دوست محمد اور مرحوم نواب بنگل خان کے بھائی کی افغانستان سے بلوچستان واپسی۔ یہ دیکھا جائے گا کہ اگر جرگہ نے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ سردار ظریف کا بھائی محمد خان اس کا جانشین ہو گا"۔

دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ فروری ۱۹۲۴ء تک سردار مصطفٰی خان فوت ہو چکے تھے اور ان کے بیٹے سردار سمندر خان نے اس وقت گدی سنبھال لی تھی۔ List of Leading Personages of Balochistan ۱۹۲۱ میں آیا ہے:

"خان بہادر سردار مصطفٰی خان باروزئی ولد سردار محمد خان باروزئی اور سردار شکر خان باروزئی کے پوتے ہیں۔ وہ اور ان کے رشتہ داروں کو سبی تحصیل میں ۹ پاؤ پانی کی معافی ہے، وہ ایک کمزور، کم بااثر شخص لیکن برطانوی حکومت کے وفادار ہیں اور اپنے لوگوں میں کافی مقبول ہیں۔ انہیں ۱۹۰۹ء میں خان بہادر بنایا گیا"۔

فروری ۱۹۲۴ء میں اس وقت کے ایجنٹ ٹو گورنر جنرل بلوچستان فریڈرک ڈبلیو جونسٹن نے اپنی تقریر میں خان بہادر سردار مصطفٰی خان کی موت اور ژوب میں مارے جانے والے میجر فینس کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا۔

د۔ سردار سمند خان باروزئی

۱۹۲۴ء میں اپنے والد کے انتقال کے بعد سردار سمندر خان نے ان کی جگہ لی۔ حکام نے ان کے بارے میں درجِ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"وہ جوان، سرکش ہیں لیکن انہیں مزید بہتر ہونا چاہیے"۔

پولیٹیکل ایجنٹ سبی نے ۱۹۲۶، ۱۹۲۸ اور ۱۹۳۴ء میں انہیں یوں بیان کیا ہے:

"وہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں اور ان کے رشتہ داروں کو سبی تحصیل میں ۹ پاؤ پانی کی معافی ہے، وہ ایک کمزور، کم بااثر شخص لیکن برطانوی حکومت کے وفادار ہیں۔ وہ جنوری ۱۹۲۸ء میں خان صاحب اور جون ۱۹۳۴ میں خان بہادر بنائے گئے اور ان کے لئے جون ۱۹۳۶ء میں ۱۸۰ روپیہ ماہانہ خانہ نشینی کا وظیفہ مقرر کیا گیا"۔

اپنے ۲۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کے ایک خط میں پولیٹیکل ایجنٹ سبی لکھتے ہیں:

"خان بہادر سردار سمندر خان باروزئی، خان بہادر سردار مصطفٰی خان کے بیٹے ہیں۔ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہیں اور ان کے رشتہ داروں اور کُڑک کے دیگر باروزیوں کو ۹ پاؤ پانی کی معافی ہے۔ انہیں سبی تحصیل کے دہپال گاؤں میں بھی ۲۲۸ روپیہ تک تاحیات معافی ہے۔ انہیں ۱۰۰ روپیہ سالانہ وظیفہ بھی ملتا ہے۔ اپنی خدمات کے عوض ان کو ۱۶۸ روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی ملتا ہے۔ کُڑک کے عیسٰی خان باروزئی سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ وہ جنوری ۱۹۲۸ میں خان صاحب اور جون ۱۹۳۴ میں خان بہادر بنائے گئے"۔

ای۔اے۔سی سبی نے ۱۸ اگست ۱۹۴۱ کے خط میں لکھا:

"خان بہادر سردار سمندر خان باروزئی ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ کُڑک کے یعقوب خان سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ وہ بہت حریص ہیں اس لئے انہوں نے بہت سی جائیداد اور نقدی بنائی ہیں۔ وہ بہت فرسودہ خیالات کے مالک اور اپنی سرداری کے حق کے حوالے سے حد سے زیادہ حساس ہیں۔ اپنے ایک رشتہ دار خان سے اپنے بیٹے کی منگنی اس بنیاد پر توڑنے کی وجہ سے کافی بدنام ہوئے کہ لڑکی کی دادی ایک غلام خاتون تھی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

دولت زیوں کی طرح، شکر زئی باروزئی کو، جنہوں نے سیوی کے پنڑی افغانوں کو خان دیئے، کا ذکر بھی بختیار خان باروزئی کی نسل کے طور پر کرنے کی ضرورت ہے جو دوسرا اہم خاندان تھا۔ نواب کے دو بیٹے عیسیٰ خان اور اختیار خان تھے۔ عیسیٰ خان کے بیٹے کا نام بختیار خان تھا۔ ان دونوں کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ البتہ حکومت کی دستاویزات میں عیسیٰ خان ولد بختیار خان کا کچھ ذکر موجود ہے:

"وہ ۱۸۹۴ میں پیدا ہوئے۔ وہ کُڑک کے ایک بااثر باروزئی مانے جاتے ہیں۔ وہ کُڑک باروزئی کی جاگیر کے تیسرے حصے کے مالک تھے۔ وہ مسلسل کُڑک اور حجک کے حوالے سے مشکلات کھڑی کرتے تھے، وہ ذاتی طور پر باروزئی سردار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ باروزئی سردار سے ان کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ وہ ۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء کو فوت ہوئے"۔

۱۵ نومبر ۱۹۴۰ء کو پولیٹیکل ایجنٹ سبی لکھتے ہیں:

"یعقوب خان باروزئی کُڑک کے بختیار خان باروزئی کے بیٹے ہیں، ۱۹۰۲ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک بااثر باروزئی ہیں اور جرگوں میں بہت اچھے ہیں۔ ان کی شادی کُڑک کے بہار خان محمودزئی پنڑی کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ طویل خاندانی عداوت کی وجہ سے کے۔ بی سمندر خان سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ لیکن حال ہی میں ان دونوں میں مصالحت ہوئی ہے"۔

"ان میں اپنے بھائی (عیسیٰ خان) جیسی زیرکی ہے اور نہ ہی ذہانت اور نہ ہی عقلِ سلیم ہے۔ وہ اپنے مخالف باروزئی سردار کی روشنی میں تھوڑے بہت اہم ہیں کیونکہ اس طرح انہیں خان صاحب دین محمد خان مرغزانی اور خان صاحب احمد خان لونی کی اخلاقی مدد ملتی ہے۔ انہیں ۱۹۴۰ء سے اے۔ جی۔ جی کے دربار دعوت اور خلعت ملتی ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نوجوانی میں سردار سمندر نے درہ ارنڈ کے پہاڑوں پر رقص کی محفلوں کے دوران کئی حجک نوجوانوں سے جھگڑے کئے تھے۔ ہمیں خاندانی روایات اور تحریری ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ ستمبر ۱۹۳۰ء میں کے۔ایس حاجی احمد خان لونی پر وار کرنے کی خاطر انہوں نے ایک مطرب ابراہیم کے ذریعے سی۔ آئی۔ڈی کو خفیہ رپورٹ دی کہ خان صاحب نے اپنے گھر میں بہت سا غیر لائسنس یافتہ اسلحہ چھپایا ہے۔ خان صاحب کو اپنے خیر خواہوں سے پہلے ہی اس کا پتہ چلا اور انہوں نے پہلے ہی اس چھاپے کے خلاف حفاظتی اقدامات اٹھائے۔ لیکن اس حرکت نے ساری زندگی کے لئے ان دو معتبرین کے تعلقات بگاڑ دیئے۔ اس کے نتیجے میں خان صاحب نے ہر جرگے میں اہم معاملات کے حوالے سے اپنے وہ ارکان رکھیں جو تحصیل سبی کے انتظامات کے حوالے سے باروزئی سردار کے خلاف کھڑے ہوتے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۶

حجک سربراہان

حجک قبیلے کے سردار خاندان ہمیمزئی شاخ کی نسل میں سے ہیں۔ اس کا ذکر سرکاری طور پر تیار کردہ شجرہ نسب میں موجود ہے۔ قائم خان ولد اٹل خان ولد عظمت خان ولد میر خان ولد ہمیم خان ولد حجک کا تعلق ہمیمزئی سربراہوں کی ان چھ پشتوں سے ہیں جن کے بارے میں بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔ لیکن سردار پنجو خان ولد قائم خان اس وقت فوری طور پر شہرت کے اسمان پر پہنچے جب سیوی کے پنڑی افغانوں نے کلہوڑوں سے کچھی واپس لینے کے لئے آخری مشترکہ تاریخی کوشش کی تھی۔ اس ناکام جدوجہد کی قیادت، ۱۸۰۸ء میں سردار پنجو خان حجک نے کی جن کی کمان میں سیوی کے افغان جانفشانی سے لڑیں۔ دوبارہ ہم سردار پنجو خان ہمیمزئی حجک کا ذکر (جنگی خان دولت زئی اور اتبار خان کے ساتھ) اس وقت سنتے ہیں جب افغان حکمرانوں نے انہیں ۱۷۸۲ء میں سیوی محل میں اضافی زمین اور پانی دیا تھا۔ پھر ہمیں سردار میر خان ہمیمزئی حجک کا ذکر سیوی کے افغان گورنر شاہین خان کی خوبصورت بیٹی امینہ کے اوپر باروزئی حکمرانوں کے ساتھ ان کے تنازعے میں آتا ہے۔ پھر ان کا ذکر اس وقت آتا ہے جب انہوں نے قلات کے بھاگے ہوئے حکمرانوں کو پناہ دی تھی اور آخر کار مرغزانیوں پر ایک کامیاب حملے کے دوران مارے گئے تھے۔ چونکہ ان کی کوئی نارینہ اولاد نہیں تھی اس لئے ان کی جگہ ان کے بھائی (اسمٰعیل خان) کے بیٹے لشکر خان سردار بنے۔ ہم انیسویں صدی میں ان کا ذکر تب سنتے ہیں جب انہوں نے بھاگے ہوئے براہوی سرداروں کی حفاظت کرنے والے اپنے مخالف بختیار خان باروزئی کے خلاف خانِ قلات کا ساتھ دیا تھا۔ ان کے بیٹے سردار مٹھا خان کے بارے میں ہم اس وقت سنتے ہیں جب انگریزوں کے پہلے دستے کی نومبر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۷۸ء میں سیوی آمد ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہمیں ۱۹۰۵ء میں سبی کے گزیٹیر میں سیوی کے پنڑی افغان کے معتبرین میں سردار محمد اسمٰعیل خان کا مختصر سا ذکر ملتا ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ سربراہ عظمت خان حجک سردار مٹھا خان اور خان صاحب محمد خان کے درمیانی عرصہ میں رہے ہوں گے۔ تاہم عظمت خان کے جانشین خان صاحب سردار محمد خان حجک بنے تھے ان کے بعد ان کا بیٹا سردار اسمٰعیل خان ان کی جگہ سردار بنا۔ سردار محمد خان حجک ولد شیر محمد خان حجک کے حوالے سے ہمیں ای۔ اے۔ سی سبی کے ۳۱ جولائی ۱۹۳۳ء کے خط میں درجِ ذیل ذکر ملتا ہے:

"وہ حجکوں کے نمایاں شخص ہیں، اپنے چچا عظمت خان سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ وہ حکومت کے لئے ایک بااثر شخص ہیں اور ہر وقت کام آنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ ان کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔ حجک انہیں اپنا سردار مانتے ہیں"۔

ای۔ اے۔ سی سبی کے یکم جولائی ۱۹۳۶ء کے ایک اور خط میں ان کے بارے میں بتایا گیا ہے:

"وہ حجک قبیلے کے ایک خوشحال فرد ہیں۔ وہ اپنے چچا عظمت خان سے مصالحت کر رہے ہیں۔ حجک قبائلیوں میں ان کا اثر ورسوخ بڑھ رہا ہے جو انہیں اپنا سردار مانتے ہیں"۔

خان صاحب ۱۹۵۶ء میں فوت ہوئے اور ان کے بیٹے اسمٰعیل خان ان کی جگہ سربراہ بنے لیکن انہوں نے عوامی معاملات میں کوئی قابلِ ذکر کردار ادا نہیں کیا۔ آج کل ان کے جوان اور تعلیم یافتہ بیٹے سردار محمد خان حجک پشتونخوا ملی عوامی پارٹی کے پلیٹ فارم سے سبی میں سیاست کر رہے ہیں۔

پولیٹیکل ایجنٹ سبی کے ۲۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھا گیا ہے:

"ملک محمد خان حجک ولد ملک شیر خان حجک ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ سبی تحصیل کے حجک قبیلے کے نمایاں فرد ہیں۔ حکومت کے وفادار ہیں اور حکام کو ہر ممکن مدد فراہم کرتے ہیں۔ انہیں تلی کے لیویز جمعدار کے طور پر ۶۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انہیں ۱۹۳۹ء میں درج ذیل معتبرین کے ساتھ خان صاحب بنایا گیا:

۱)۔ خان بہادر گلستان خان چوہڑ خیل شیرانی

۲)۔ خان بہادر صاحب زادہ محمد ایوب عیسیٰ خیل

۳)۔ خان صاحب حاجی محمد ایوب بادیزئی

۴)۔ خان بہادر سردار باز محمد خان جوگیزئی

آ. سیوی کے خلیفہ یعقوب خان ولد شکر خان دولت زئی، حجک

بلوچستان سیکرٹریٹ کے ریکارڈ روم میں ایک فائل نمبر ۶ جرگہ، ۱۸۹۲ء بعنوان Khalifa Yaqub Khan versus Azad Khan, Wali Mohmmad, Tajo Kan and Others موجود ہے۔ اس فائل میں بلوچستان کی اعلیٰ عدالت (اس وقت کے اے۔جی۔جی میجر جنرل جیمز براون) کی کاروائی کے کاغذات موجود ہیں۔

"بلوچستان سول جسٹس لاء کی دفعہ ۷۰ کے تحت ڈپٹی کمشنر تھل چٹیالی کے ۲۵ اگست ۱۸۹۱ء کے فرمان پر نظر ثانی کی درخواست۔ جس میں مدعا علیہ (اللہ رکھا ولد در خان) کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جواب دہ (خلیفہ یعقوب خان) کو ۱۲ قصاص گندم، ۱۰ قصاص جوار اور کپاس کے ۲۰ سیر بطور حقِ مالکانہ ادا کریں"۔

اس فائل کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کسی وقت سیوی، سنگان اور ہرنائی کی تاریخ میں، غالباً افغانستان کے امیر شاہ شجاع الملک کے دور میں، خلیفہ یعقوب خان حجک کے دادا مصری خان اتنے طاقتور اور بااثر ہو گئے تھے کہ انہوں نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے زرعی ٹیکس لینا شروع کر دیا تھا۔ لیکن خلیفہ کے والد شکر خان ولد مصری خان نے حکومت افغانستان کو مذکورہ ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا۔ اور ۱۸۹۴ء میں گلن شاہ اور عیسیٰ خان آخری افراد تھے جنہوں نے یہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ٹیکس ادا کیا تھا۔ اس ٹیکس کی ادائیگی اس سند کے ذریعے لی جاتی تھی جو رحمدل خان درانی (کندھار کے حکمران) کی طرف سے مصری خان حجک کو دی گئی تھی۔

جامع مسجد لونی کے پیش امام مولوی خلیل الرزاق نے مجھے ایک دفعہ یہ حکایت سنائی تھی کہ ولہاڑی خان اور اس وقت کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سبی (گنپت رائے) کی ایک دوسرے سے دوستی تھی۔ انہیں ایک بار پتہ چلا کہ ان دنوں کی ایک اور مشہور ہستی خلیفہ یعقوب خان دولت زئی حجک بستر مرگ پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ بات ان کے رشتہ داروں نے افشا کی۔ وہ بظاہر اس معاملے کی حقیقت جاننے کے لئے اس بوڑھے آدمی سے ملنے اور ان کی صحت کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے لیویز کے ایک گھڑ سوار کو اطلاع دینے کے لئے بھیجا۔ ان کے آنے کی خبر پر خلیفہ یعقوب خان نے اپنے احباب و اقارب کو انہیں تیار کرنے اور انہیں اس طرح سہارا دینے کا کہا کہ وہ مہمانوں کو صحت مند نظر آئے۔ ایسا ہی ہوا جب دونوں مہمان آئے تو خلیفہ کو اچھی صحت میں پا کر حیران ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد انہوں نے رخصت چاہی اور وہ چلے گئے۔ جس وقت وہ رخصت ہو رہے تھے تو خلیفہ نے ولہاڑی مرغزانی پر غصے بھری نظر ڈالی اور بڑبڑائے "اگر میں زندہ رہا تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیونکہ تم میری صحت کا پوچھنے نہیں آئے ہو بلکہ میری موت کے ممکنہ وقت کو سمجھنے کے مقصد سے آئے ہو"۔ جب مہمان روانہ ہوئے اور ابھی کچھ فاصلے پر ہی تھے جب ایک حجک پیامبر نے انہیں بتایا کی ان کے جانے کے بعد خلیفہ کی موت واقع ہو گئی۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ ۲ جون ۱۸۹۲ء کو دیوان گنپت رائے نے رائے بہادر ہیتو رام سے سبی کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کا چارج لیا جو ایک اور منصب سنبھالنے کوئٹہ چلے گئے۔ اتفاق سے اسی جون ۱۸۹۲ء میں سبی میں ہیضے کی وباء پھوٹی اور جلد ہی پورے ضلع میں پھیل گئی۔ خلیفہ یعقوب خان اپنے دور کی مشہور ہستی تھے۔ وہ شکر خان ولد مصری خان ولد جنگی خان دولت زئی حجک کے بیٹے تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں 'خلیفہ' کا خطاب افغانستان کے امیر شاہ شجاع الملک نے دیا تھا۔ سبی کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے صفحہ ۲۱۰ پر درجِ ذیل عبارت ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"برطانوی تحویل میں آنے سے پہلے جون ۱۸۷۹ء میں افغان حکومت نے سبی تحصیل میں درج ذیل نقد اور وظیفے انعامات اور تحفے کے طور پر دینے کی منظوری دی تھی:

کُرُک کے باروزئی سربراہ	۱۰۰روپیہ
شکر خان ولد خلیفہ یعقوب خان تحک	۷۷روپیہ
کُرُک کے قاضی محمد عثمان	۲۰روپیہ"

اس بیان اور دیگر حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ دو افغان جنگوں (۱۸۴۰ تا ۱۸۸۰ء) کے دوران سرگرم رہنے کے بعد ۱۸۷۹ء میں بوڑھے خلیفہ سرداری کے امور اپنے بیٹے خلیفہ شکر خان کو تفویض کر چکے تھے۔ ۱۸۷۹ء میں مسٹر ڈیمیس نے لکھا:

"وہ موروثی سربراہ مٹھا خان کے قابو میں کم ہی ہیں۔ ان میں سب سے بااثر شخص یعقوب خان دولت زئی ہیں جو عام طور پر خلیفہ جانے جاتے ہیں جو ان کے اباء و اجداد اور والد کا خطاب ہے جو شاہ شجاع اور بارکزیوں نے دیا تھا۔ تحکوں کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

نمبر	شاخ	سربراہ	آبادی
۱	امین زئی	مٹھا خان	۶۰
۲	کوشی	حاصل خان	۹۶۰
۳	اسحٰق زئی	یعقوب خان	۳۶۰
۴	بہرام زئی	پیر محمد	۲۴۰
۵	دولت زئی	یعقوب خان	۱۴۴

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۶	کاریازئی	محمد خان	۱۴۴
۷	جعفرزئی	محمد خان	۱۴۴
۸	عمرزئی	یار محمد	۷۲

۱۸۹۹۔۱۹۰۲ء کی زمین کے بندوبستی عمل کے دوران موضع حجک کے زمینداروں کی تیار کردہ شجرہ نسب کے مطابق سردار محمد اسمٰعیل خان ولد مٹھا خان ولد لشکر خان قبیلے کے سربراہ تھے۔ ان کے بعد خان صاحب محمد خان ولد شیر محمد سربراہ بنے۔ وہ ہمیمزئی شاخ اور سارے حجکوں کے سربراہ تھے جبکہ خلیفہ یعقوب خان ولد شکر خان ولد مصری خان دولت زئی حجکوں کے سربراہ تھے۔ اپنی زندگی میں وہ حقیقی سربراہ سے زیادہ اہم تھے۔ ۱۹۰۳ء کے ایک عدالتی ریکارڈ کے مطابق وہ اس جرگہ کے گیارہ ارکان میں سے ایک تھے جنہوں نے گلوشہر کے صادق واہ کے معاملے کا فیصلہ کیا تھا۔

تاہم سبی گزیٹیر میں سبی کے معتبرین کے ناموں میں خلیفہ یعقوب خان دولت زئی حجک کا نام نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ان دنوں زندہ نہیں تھے۔ ممکن ہے وہ ۱۹۰۴ء میں فوت ہوئے ہوں اور ان کے بڑے بیٹے خلیفہ شکر خان ان کے جانشین بنے ہوں۔

لونی کے خاندانی دستاویزات میں ۱۰ نومبر ۱۹۱۱ء کا ایک اقرارنامہ ہے جس پر خلیفہ شکر خان ولد خلیفہ یعقوب خان نے اپنی مہر ثبت کی ہے۔ اس اقرار نامے کے ذریعے انہوں نے سبی تحصیل کے بورہی خشک آبے کی آبائی جائیداد ۲۵۰۰ روپیہ کے عوض احمد خان اور محمد خان لونی کو بیچی ہے۔ اس سے ایسا لگتا ہے کہ بیٹے نے یہ زمین بیچ کر اپنے والد کا لیا ہوا قرض چکایا ہے۔ اس دستاویز میں خلیفہ کے پانچ بیٹوں کا ذکر ہے۔ (۱) شکر خان، (۲) احمد خان، (۳) محمد خان، (۴) محمود خان، اور (۵) عیسیٰ خان۔ اس دستاویز کے متن سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ یعقوب خان ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۳ء کے درمیانی وقفے میں کہیں فوت ہوئے ہیں۔ اور مزید یہ کہ نومبر ۱۹۱۱ء میں عزیز خان لونی زندہ نہیں تھے، بصورت دیگر یہ زمین ان کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بیٹوں کی بجائے وہ خود خریدتے۔لونیوں میں ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی زمانے میں زمین کے معاملات پر خلیفہ یعقوب خان نے قرآن پر جھوٹا حلف لیا تھا اس سے خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور ان کی ساری زمینیں بک گئیں اور لونیوں نے خرید لیں۔

شکر خان کے بعد پٹواری موسٰی خان نے ان کی جگہ لی اور موسٰی خان کے بعد، کسی وقت بلوچستان کے صوبائی محکمہ تعلیم میں سپرنٹنڈنٹ رہنے والے مرحوم احمد خان خٹک ان کے جانشین بنے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب- ۱۷

سیوی کے مرغزانی قبیلے کے سربراہان

سبی اور سنگان کے پنڑی افغان قبیلے مرغزانی کے حوالے سے ان کے سربراہ غفور خان مرغزانی کا ذکر کوئٹہ سے ۱۶ جون ۱۸۷۹ء کو سنڈیمن کو لکھے گئے بڈلف کے خط میں آیا ہے۔ سبی کے افغان خاندانوں کے سربراہوں میں یہ زیادہ اہم اور بااثر سربراہ نظر آتے ہیں جو محصول وصول کرنے کے ذمہ دار تھے اور اسی لئے وہ ۴۲-۱۸۳۹ء کے پہلے اینگلو افغان جنگ کے دوران سبی پر برطانوی قبضے کے بعد "انعام" کے حقدار پائے گئے تھے۔ دیگر سربراہوں میں درج ذیل نام شامل تھے (۱) عیسٰی خان دہپال، (۲) عبدالوہاب (صافی)۔ (۳) محمد خان باروزئی، (۴) غلام مزاری، (۵) غلام بولک اور رئیسانی، (۶) مصری خان اور شکر خان باروزئی۔ کچھ نامعلوم وجوہات کی بنا پر غفور کے بیٹے بلوچ خان مرغزانی (جو ان کی بیوی فتح خاتون بنت عطر نودھانی سے تھے) پہلی اور دوسری اینگلو افغان جنگ کے دوران کسمپرسی کی حالات کا شکار ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس مفلسی کی وجہ سے بلوچ خان ملک عطر خان نودھانی کے سائے تلے آئے جو اس وقت سبی کے باروزئی سردار کی جگہ افغانستان کے حکمرانوں کے منظور نظر تھے۔ بلوچ خان گلو خان ولد عطر خان نودھانی کے ان دو بیٹوں کے ہمراہ تھے جو ۱۹۱۲ء میں اپنے والد کو واپس سبی لانے کے لئے کندھار گئے تھے۔ بلوچ خان کے بیٹے عبدالرحمٰن، جو مچھ جیل میں محافظ تھے، نے گلوشہر جدید میں رہائش اختیار کی۔ وہ اس وقت اپنی بہادری کی وجہ سے بڑے مشہور ہوئے جب دسمبر ۱۹۲۶ء میں گلوشہر کے جنگل میں تانگے پر جاتے ہوئے جلال خان نودھانی پر مریوں نے حملہ کیا تھا اور عبدالرحمٰن نے ان کا دفاع کیا تھا۔ یہ قاتلانہ حملہ مزارانی مری کے قتل (جو ۱۹۲۴ء میں ہوا تھا) کا بدلہ لینے کے لئے ان کے بھائی علی خان نودھانی نے کیا تھا۔ وہ اس قاتلانہ حملے میں بچ گئے لیکن ۱۹۳۰ء میں مریوں کی تلوار اور بندوق سے زخمی ہونے کے بعد فوت ہوئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اے۔جی۔جی بلوچستان کے معاون سوم کیپٹن وائلی نے اپنی ۴ جنوری ۱۸۷۹ء کی ڈائری میں لکھا:

"۲۹ دسمبر ۱۸۷۹ء۔ سبی میں میری آمد کی خبر سن کر ضلع کے درج ذیل افراد مجھ سے ملنے آئیں: سردار محمد خان باروزئی، جو ضلع کے ایک نمایاں شخص ہیں، ان کے چچازاد عمر خان، تجک کے سربراہ مٹھا خان، میاں خان غلام بولک اور غفور خان مرغزانی۔ ان سب نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ حکومت نے سبی پر قبضہ کر لیا۔ اور انہوں نے کہا کہ وہ حکومت کی ہر طرح معاونت کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ کوئی برطانوی اہلکار ان کے درمیان آباد ہو گا اور انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں ان کے قصبے کُڑک جا کر کچھ دن ان کے ساتھ رہوں۔ لیکن میں بہر حال یہ دعوت قبول نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے ان سے وعدہ کیا کہ کسی اور دن ان سے ملنے آوں گا"۔

اس حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ غفور خان مرغزانی کا گھرانہ، نہ کہ شکر خان کا (والد ولہاڑی خان مرغزانی) ۱۸۸۰ء تک نمایاں گھرانہ تھا۔ بعد میں ولہاڑی خان کے تین بیٹوں میں سے شکر خان اپنی قابلیت کی بنیاد پر سیوی اور سنگان میں اپنے قبیلے کے ایک نمایاں رہنما کے طور پر ابھرے۔ ان کے باقی دو بھائیوں فاضل خان اور رسول بخش کی اولاد سبی کی تاریخ میں کوئی نمایاں کارکردگی نہیں دکھا سکی۔ لگتا ہے کہ غفور خان کے گھرانے کا زوال اور شکر خان ولد شاہ محمد اور ان کی بیوی مسماۃ لال بی بی سے ان کے بیٹے (خان صاحب حاجی ولہاڑی خان مرغزانی) کا عروج ایک ہی وقت میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ شکر خان باروزئی ۱۸۵۵ء میں ہونے والی پنڑی اور تجکوں کی لڑائی سے دور رہے تھے جس میں مشہور سربراہ مصری خان باروزئی شدید زخمی ہوئے اور اگلے چند دنوں میں فوت ہو گئے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہی شکر خان ولد شاہ محمد مرغزانی تھے جنہوں نے موضع بخرہ شکر خان (جو بعد میں ان کے نام سے جانا گیا) میں لال داس مہاجن سکنہ مٹھڑی رئیسانی سے ۳۲۰ روپیہ کے عوض عبداللہ خیلی زمین خریدی تھی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اگرچہ وہ Bridge of Carcases کی لڑائی، حجک اور پنڑیوں کی نام نہاد باگرائی لڑائی سے دور رہے تھے لیکن ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے خفیہ طور پر اس وقت کے باروزئی سردار بختیار خان کے بیٹے اختیار خان کو گولی مار کر قتل کر دیا تھا۔ اس پر شیر زمان خان کے قتل کا بھی الزام لگا لیکن اس کے ناکافی ثبوت تھے۔ ۲۶ مارچ ۱۸۷۹ء کے ڈیم کی رپورٹ کے صفحہ ۵۳ اور ۵۴ پر ان کا ذکر کچھ اس طرح ہوا ہے:

"مرغزانی پنڑیوں کا سب سے مضبوط ذیلی قبیلہ ہے اور اسے اکثر مریوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ پانی کی تقسیم پر ان کا سبی کے دہپال پنڑیوں سے بھی جھگڑا تھا۔ شکر خان مرغزانی نے باروزئی سردار محمد خان کی اطاعت کی جس پر ان سے وعدہ کیا گیا کہ مرحوم سربراہ شیر زمان کی موت کی وجہ سے ان سے دشمنی نہیں رکھی جائے گی جس کے لئے وہ تھوڑے سے زمہ دار ہیں"۔

بہت ممکن ہے کہ مسٹر ڈیمیس نے اختیار خان کے قتل کی کہانی کو گرانی براہویوں کے ہاتھوں ہونے والے سردار شیر زمان کے قتل سے خلط ملط کر دی ہو۔

۱۶ جون ۱۸۷۹ء کو بڈلف کے سنڈیمن کو لکھے گئے خط میں ذیل میں دی گئی دو عبارتیں موجود ہیں:

"سبی کے نائب ناظم ولی محمد خان نے ۱۴ مئی ۱۸۷۹ء کو خبر دی کہ کچھ مرغزانی ڈیروں سے ڈھیر سارا غلہ چوری کر رہے ہیں جو محصول کے لئے اکٹھا کیا گیا ہے۔ تفتیش کرنے پر ثابت ہوا کہ انہوں نے خاموشی سے ۴۰ خروار گندم چوری کی ہے۔ یہ میں بھوسے کی مقدار اور دیگر صورتحال کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ میں نے ان سے ۷ خروار برآمد بھی کئے جس کی چوری کا انہوں نے اعتراف کیا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ ان لوگوں کو ایسا کرنے پر سزا دیں اور امید کرتا ہوں کہ یہ دوسروں کے لئے بھی عبرت بنے گا"۔

"آپ کی توجہ کے لئے عرض ہے کہ مرغزانیوں کا یہ فعل ناقابل معافی ہے ہم نے ان پر بہت بھروسہ کیا تھا اور دو سال پہلے مجکوں کے اسی قسم کے رویے کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے اس کو روکنے کے لئے بہتر اقدامات اٹھائے تھے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ۱۸۸۵ء ولہاڑی خان مرغزانی اس معاہدے کے گواہ کے طور پر نظر آئے تھے جس میں حسن خان اور عالم خان پسران رحیم خان کی کندھار سے واپسی کے بعد موضع لونی میں اپنی آبائی زمین اور پانی عزیز خان لونی کو بیچنے کے حوالے سے تھا۔ کچھ سال بعد ۱۸۸۸ء میں وہ ہمیں لونی کے آپس میں زمین کے تنازعے میں سربلند خان کے فیصلے میں گواہ کے طور پر ملتے ہیں۔ اس لئے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۸۵ء میں ان کے والد کافی ضعیف ہو چکے ہوں گے اور انہوں نے ولہاڑی خان کو ان فیصلوں میں بھیجا ہو گا۔ مقامی تنازعات میں وہ لونی اور نودھانیوں کے حمایتی رہے ہیں جسے اب تک یاد کیا جاتا ہے:

"سبی علاقے کے زمیندار بتاتے ہیں کہ بادشاہوں کی قدیم اسناد، جو ولہاڑی خان کی درخواست بتاریخ ۷ نومبر ۱۸۹۲ء سے منسلک ہیں، کی رو سے سبی کی پرانی حدود مغرب میں مشکاف رود اور ناڑی رود اور جنوب میں شہر تک تھی۔ سردار اسد خان اور دیگر براہوی سردار اس کے خلاف ہیں، ان کے مطابق مغربی حدود ناڑی سے جنوب میں ٹکری پیرک تک ہیں۔ ثبوت کے طور پر وہ قابو اور قبضہ کی دلیل پیش کرتے ہیں"۔

"مجھے یاد ہے کہ امیر کابل کے کاردار ہرداس مل کی باندیوں کے مطابق ورسہ اور خونہ کی زمینیں سبی کے علاقے میں شامل تھیں"۔(۲۸ مارچ ۱۸۹۲ء کو رائے بہادر ہیتورام کے ہاتھ سے لکھا ہوا نوٹ)

یہ نوٹ ایک غیر جانبدار سرکاری ثبوت ہے جو ولہاڑی خان کو دوست اور سبی کے باروزئی حکمران سردار محمد خان کو مخالف کے طور پر پیش کرتا ہے۔ کیونکہ ولہاڑی خان مرغزانی کو مٹھڑی کے رئیسانیوں کے خلاف سیوی کے پنڑیوں کی حدود کا دفاع کرنا چاہیے تھا۔

ڈینیس برے کی طرف سے آرچر کو ۹ جولائی ۱۹۰۵ء کے خط نمبر ۳۲۰۰ کے ساتھ منسلک معافی کے معاملات میں درج ذیل بیان ملتا ہے:

"بوستان خان ولد میر محمد ذات مرغزانی سکنہ بستی بوستان۔ پولیٹیکل ایجنٹ سبی کی سفارش پر اے۔جی۔جی نے بوستان خان کے لئے گندم کے تین خروار کی تاحیات منظوری دی ہے بشرطیکہ وہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اچھی خدمات سرانجام دیتے رہیں۔ انہوں نے بعد میں بھی معافی میں اپنے حصے کا دعویٰ کیا اس تنازعے کو باروزئی سردار نے ثالث کے طور پر حل کیا۔ اس لئے فیصلہ ہوا کہ ۲۰ من گندم بوستان خان کو اور ۱۰ من گندم ولہاڑی خان کو ملنے چاہیے۔ اول الذکر اپنا حصہ موضع بوستان خان کی بٹائی سے اور موخر الذکر بخرہ شکر خان سے حاصل کرتا ہے"۔

۱۹۰۵ء کے اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ بوستان خان مرغزانی (جن کے نام پر سبی کے قریب مرغزانی گاؤں ہے) بھی اس وقت قبیلے کے نمایاں افراد میں سے تھے۔ ۱۸۹۲ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران ۲۷ سال تک خان صاحب ولہاڑی خان قانونی لڑائیاں لڑنے اور جیتنے کے قابل رہیں۔ فروری ۱۹۱۹ء میں اس وقت کے اے۔جی۔جی مسٹر ڈوبس نے سبی کے سالانہ دربار میں تقریر کے دوران ان کا ذکر کیا کہ خان صاحب اور ان کے بیٹے دین محمد خان ان کی زراعت کی بہتری میں مصروف رہتے ہیں۔ Leading Personages in Balochistan for ۱۹۲۱ میں درج ذیل عبارت ملتی ہے:

"خان صاحب حاجی ولہاڑی خان مرغزانی ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے، وہ مرغزانی قبیلے کے سربراہ ہیں۔ وہ سبی کے ایک نمایاں زمیندار اور حکومت کے وفادار ہیں۔ ان کی دولت اور اہلکاروں کے ساتھ بڑھتے اثر ورسوخ نے ہمسایہ دیہاتوں میں ان کے کئی دوست اور دشمن پیدا کئے ہیں۔ جرگوں میں ان کی غیر جانبداری پر بعض اوقات سوال اٹھتے ہیں۔ ان کے اور سبی کے لوگوں کے تعلقات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ انہیں ۱۹۰۹ء میں خان صاحب بنایا گیا"۔

کُڑک کے جنوب مغرب میں چند میل پر واقع خان صاحب کے مقبرے کے کتبے پر ان کے انتقال کا سال ۱۹۱۵ء درج ہے جو کہ غلط ہے۔ ان کے بیٹے مرحوم عطا محمد مرغزانی اور پوتے مرحوم خداداد خان مرغزانی کا ذکر بھی بیسوی صدی میں سبی کی نمایاں شخصیات میں شامل ہے۔ عطا محمد ۳۱

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جولائی ۱۹۵۸ء کو سکھر میں انتقال کر گئے تھے اوران کے اکلوتے بیٹے خداداخان ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء کو فوت ہوئے۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۷ء کو پولیٹیکل ایجنٹ سبی کے خط میں عبارت ہے:

"خان صاحب دین محمد خان (مرغزانی)، خان صاحب ولہاڑی خان کے بیٹے ہیں۔ وہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ وہ بہت ذہین اور اپنے والد کی طرح حکومت کے وفادار ہیں۔ وہ ۱۹۳۵ء میں خان صاحب بنائے گئے۔ وہ اپنی مہمان نوازی کی وجہ سے مقبول ہیں۔ اپنے سوتیلے بھائی سے ان کے تعلقات اب اچھے ہیں۔ وہ دو گاؤں کے لمبردار ہیں۔ ستمبر ۱۹۴۰ء میں ان کے اور ان کے سگے بھائی کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا راضی نامہ ہوا"۔

۱۸ اگست ۱۹۴۱ء کو ای۔ اے۔ سی سبی کے خط میں عبارت ہے:

"عطا محمد خان مرغزانی۔ وہ ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ وہ خان صاحب ولہاڑی خان کے بیٹے ہیں جو اپنے دور میں سبی میں بہت اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ انہوں نے بارنیس ہائی سکول سبی اور سنڈیمن ہائی سکول کوئٹہ سے تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کرنے کے بعد ۱۹۱۴ء میں وہ تربیت کے لئے پنجاب گئے۔ ۱۹۱۷ء میں واپسی کے بعد نائب تحصیلدار تعینات ہوئے۔ انہیں دو سالہ زرعی تربیت کے لئے دوبارہ زرعی کالج لائل پور بھیجا گیا۔ واپسی پر انہیں باغات کے سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں سرکاری نوکری سے اس وقت استعفا دیا جب وہ بارکھان میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ وہ متلون اور غیر مستقل مزاج تھے جنہیں بعض اوقات خود بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ انہیں اپنے آپ پر یقین نہیں ہے۔ بعد میں انہوں نے سیاست میں دلچسپی لینی شروع کی۔ لیکن ان کی متلون مزاجی انہیں کبھی ایک اور کبھی دوسری پارٹی میں لے جاتی ہے۔ پچھلے کچھ سالوں میں انجمن وطن سے مسلم لیگ اور وہاں سے جمعیت العلما بلوچستان میں گئے۔ وہ ایک اخبار "الحق" چھاپتے اور مفت تقسیم کرتے ہیں۔ اپنے سوتیلے بھائی خان صاحب دین محمد خان مرغزانی کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں اور وہ باروزئی سردار کے گروہ میں ہیں۔ وہ سبی تحصیل کے دوسرے بہترین زمیندار ہیں"۔

ڈاکٹر محمد حیات عثمانی نے مجھے اپنے والد کے استناد پر ایک کہانی سنائی جو موخر الذکر سے متعلق کسی محمد اسحٰق ملازئی مرغزانی نے سنائی تھی:

"ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے منصب کا چارج لینے کے بعد عطا محمد خان مرغزانی کو کھیتران قبیلے کے سربراہ سردار شاہ غازی خان نے رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ ای۔ اے۔ سی نے اس بنیاد پر دعوت قبول کرنے سے انکار کیا کہ اس سے ان کی سرکاری منصب پر بار آئے گا۔ اس انکار نے سردار کو ان کا دشمن بنا دیا اور وہ انتظامیہ کے امور میں دخل اندازی کرنے لگے۔ ای۔ اے۔ سی نے دلبرداشتہ ہو کر نوکری سے استعفا دیا اور اپنی چھوٹی سی گاڑی میں کوئٹہ روانہ ہوا"۔

دین محمد خان مرغزانی۔ وہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے، وہ مرحوم خان صاحب ولہاڑی خان کے بیٹے ہیں۔ وہ ایک ذہین، وفادار شخص ہیں اور جرگے کے بہت موثر رکن ہیں۔ اپنے بھائی اور سوتیلے بھائیوں سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ وہ دو گاؤں کے لمبردار ہیں اور ان کے مقلدوں کی تعداد ۵۰۰ ہے۔ ستمبر ۱۹۴۰ء میں ان کے اور ان کے سگے بھائی حاجی در محمد خان کے درمیان جائیداد کی تقسیم کا راضی نامہ ہوا۔ وہ بہت کارآمد شخص ہیں لیکن ان کی مالی حالت کمزور ہے۔ وہ شاہی جرگہ کے رکن اور صوبائی درباری ہیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۸

سیوی میں کُڑک کے عثمانی

ملا محمد شادوزئی نے ۱۷۶۶ء کی اپنی تصنیف میں لکھا کہ افغان بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں نواب بختیار خان (سنگان کے عیسیٰ خان ولد نواب خان پنڑی کے طور پر) نے سیوی کی زمینیں مختلف قبیلوں کے درمیان تقسیم کی۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا کرتے ہوئے انہوں نے دو پاؤ پانی اور زمین عثمانیوں کو بھی دی۔ تاہم ۱۸۲۵ء میں لکھتے ہوئے ملا فاضل لونی عثمانیوں کو ایک ذیلی قبیلے کے طور پر ذکر نہیں کرتے جبکہ مولوی عبدالعلیم ملا فاضل کی تاریخ کے آخری باب میں اضافہ کرتے ہوئے عثمانیوں کا الگ سے ذکر کرتے ہیں اور انہیں کُڑک کے شکر خان ولد حبیب خان باروزئی کے مطیع قرار دیتے ہیں۔

۱۸۹۹۔۱۹۰۲ء کی زمین کے بندوبستی عمل کے دوران تحصیل سبی میں موضع عثمانی کی تیار کردہ شجرہ نسب میں گل محمد سر فہرست ہیں۔ اس کے بعد ان کے بیٹے ملا ایوب خان، ان کے بیٹے سرمست خان، ان کے بیٹے موسیٰ خان اور اس کے بعد ان کے بیٹے عیسیٰ خان ہیں۔ آخر الذکر کے چار بیٹے ہیں جن کے نام سدھو خان، امام بخش، گل محمد اور عبدالرحمٰن ہیں۔ چونکہ سدھو خان اور عبدالرحمٰن بغیر نارینہ اولاد کے فوت ہوئے اس لئے ان کی زمین اور پانی ان کے بھائیوں امام بخش اور گل محمد کو ملا۔ ملا ایوب کے بھی دو بیٹے تھے ان کے نام دوست محمد اور گل محمد تھے ان کی اولاد بغیر نارینہ اولاد کے تھی۔ اسی طرح سرمست خان کا ایک اور بیٹا حسن خان تھا ان کی بھی کوئی نارینہ اولاد نہیں تھی۔ موسیٰ خان ولد سرمست خان کا بیٹا اسمٰعیل خان ہے جن کا بیٹا عثمان خان بھی بغیر نارینہ اولاد کے فوت ہوا۔

زمین کے ریکارڈ کے مطابق گل محمد خان (عطائی خان نہیں) عثمانیوں کے پہلے اور بڑے سربراہ تھے جبکہ شیخ وراند اور ملا محمد شادوزئی عطائی خان کو عثمانیوں کے پہلے سربراہ سمجھتے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہیں۔ ۱۸۹۹۔ ۱۹۰۲ء کی سبی زمین کے بندوبستی عمل کے دوران امام بخش اور ان کے چھوٹے بھائی گلو محمد دونوں زندہ تھے۔ امام بخش کی دو بیویوں سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام عبدالغفور، محمد حیات، محمد عثمان، عبدالرحمٰن اور دوست محمد تھے۔ پہلے دو بیٹے اپنی والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ البتہ ان کے پوتے حاجی ملک عیسیٰ خان عثمانی ولد عبدالغفور کافی عرصے تک زندہ رہے اور ۱۴ دسمبر ۱۹۸۸ء کو فوت ہوئے۔ موخرالذکر کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا حاجی عبدالغفور حال ہی میں فوت ہوئے جبکہ ڈاکٹر محمد حیات ابھی زندہ ہیں۔ ان کے داد کے بھائی محمد عثمان (وفات: ۹ جون ۱۹۸۷ء)، عبدالرحمٰن (وفات: ۲۹ دسمبر ۱۹۹۴ء) اور دوست محمد (وفات: ۲۹ اگست ۱۹۸۹) سب اس دارِفانی سے کوچ کر چکے ہیں۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے مرحوم امام بخش نے کئی پنڑی اور حجک لڑائیوں میں حصہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے۔ وہ داویوں کی طرف سے اپنی پشتوں کی زمین اور پانی ولہاڑی خان مرغزانی کو بیچنے کے معاہدے کے گواہ تھے جو ان کے دوست اور ہم عصر تھے۔ ان کی اولاد میں سے کئی تعلیم یافتہ خواتین و حضرات ہیں جن میں ڈاکٹر محمد حیات عثمانی اور میرے دوست، سبی کے سماجی کارکن اور اب بیمار امام بخش عثمانی شامل ہیں۔

مرحوم حاجی ملک عیسیٰ خان عثمانی ولد عبدالغفور مرحوم خان صاحب حاجی احمد خان لونی کے اور یعقوب خان باروزئی کے دیرینہ دوست تھے۔ ان کو سبی کی تاریخ کے حوالے سے کئی کہانیاں یاد تھیں۔ انہوں نے ہی پہلے بتایا کے سبی کے مورخ ملا فاضل کا تعلق لونی قبیلے سے تھا۔ حاجی صاحب کی والدہ غلام بی بی بھاگ کے منگھڑ کے یار محمد میرانزئی لونی کی بیٹی تھی۔ بعد میں رئیسانی قصبے مٹھڑی کے قاضیوں نے اس کی تصدیق کی جو خود کو مورخ ملا فاضل کی اولاد قرار دیتے ہیں اور تھل چٹیالی لونی میانزہ کے افغان قبیلے کی شاخ میرانزئی سے اپنا تعلق جوڑتے ہیں۔ ان کی غیر جانبداری کی ساکھ کی وجہ سے حاجی صاحب کو ہر وقت سبی کے مختلف موضعوں میں فصل میں حکومت کے حصے کی تشخیص کے لئے مامور کیا جاتا تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۱۹

دروں کے پنڑی اور رئیسانی افغان

سبی اور ڈھاڈر کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے ہم مندرجہ ذیل حقائق سے آشنا ہوتے ہیں:

اَ. ۱۷۰۲ء میں گورنر ملتان معزالدین مغل کے ہاتھوں باروزیوں کی بدترین شکست کے بعد اس خلا کو پر کرنے کے لئے رئیسانی آگے آئے اور انہوں نے ڈھاڈر سے متصل علاقے پر غلبہ حاصل کیا۔ اس حوالے سے ثبوت ملتے ہیں (۱) موضع بخرہ شکر خان کے محصول کے ریکارڈ میں، (۲) سبی کے ضلعی گزیٹیر میں، (۳) بلوچستان ایجنسی سالانہ انتظامی رپورٹ میں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سبی اور کچھی میں کلہوڑا حکومت سے پہلے اور باروزئی حکومت کے دوران موضع غلام بولک، اور بخرہ شکر خان کی زمین اور پانی رئیسانیوں کی ملکیت تھے۔ انہی دستاویزات کے مطابق یہ جائیداد سبی کے کلہوڑا گورنر مراد گنجا نے غلام بولکوں کو دے دی تھیں۔ یہ پتہ نہیں چل سکا ہے کہ کلہوڑا حکمرانوں نے رئیسانیوں کو سبی ضلع سے کیوں نکالا تھا اور رئیسانی کب کچھی ضلع کے قصبے ڈھاڈر میں جایئداد کے مالک بنے۔ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ماضی بعید میں سبی اور ڈھاڈر کے میدانوں پر ترین غالب تھے۔ اور تلی کے سیلاچی ترین، گلوشہر کے حسنی ترین، بخرہ اور ڈھاڈر کے رئیسانی ترین پر مشتمل کاہان میں حسنی ترین حکمرانوں کی آبادی تھی جنہوں نے نوری نصیر خان کی مدد سے مریوں کو وہاں سے نکالا تھا جنہیں ہم اب پہاڑی مری کہتے ہیں۔ یہ یقیناً تیمور شاہ ولد احمد شاہ ابدالی کا دارلخلافہ کو کندھار سے کابل منتقل کرنے کے وقت ہوا ہو گا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ب. برطانوی قبضہ سے پہلے ۱۸۷۲ء میں ملا محمد رئیسانی نے مرکزی پنڑی قصبے کُڑک میں پناہ مانگنے والے براہوی سرداروں کے گروہ کی قیادت کی۔ انہوں نے ۱۸۷۶ء میں ہونے والے معاہدہ مستونگ تک چار سال وہاں قیام کیا۔ اس معاہدے کے ذریعے ان کے اور خانِ قلات کے تنازع کو حل کیا گیا۔ وہ یقیناً کُڑک میں قیام کے دوران دیگر پنڑی افغانوں سے گھل مل گئے ہوں گے۔

ج. ایک زمانے میں سردار ملا محمد رئیسانی نے پنڑی افغانوں اور سبی میں رہنے والے براہویوں اور اسی طرح پنڑیوں اور مریوں کے مابین تنازعات کے حل کے لئے مذاکرات بھی کئے۔

د. برطانوی قبضے کے ابتدائی سالوں میں حدود کے تعین پر رئیسانیوں اور پنڑیوں کے مابین تنازعے بھی پیدا ہوئے جسے سر جیمز براون کے ۱۸۹۵ء کے ناپسندیدہ فیصلے کے ذریعے حل کیا گیا۔ اس کے بعد قلات کے رئیسانیوں نے بھی دریائے ناڑی کی پانی پر ایک طرح کے حق کا دعویٰ اٹھایا۔

ہ. سبی کے باروزئی خوانین اور موجودہ ضلع بولان کے مٹھڑی رمہر گڑھ کے رئیسانی سرداروں کی آپس میں شادیاں بھی ہوئیں۔

و. ماضی میں اچھی خاصی تعداد میں رئیسانی سبی کے دیہاتوں میں رہتے تھے اور اپنی روزی کماتے تھے۔

ز. بہت سے رئیسانیوں کے اصل گھر زیارت کے کو اس میں ہیں جو پرانے ضلع سبی کا حصہ تھا۔

اوپر بیان کئے گئے حقائق کی رو سے ان دونوں قبیلوں کی تاریخ جزوی طور پر ایک جیسی رہی ہے۔ اس لئے یہ دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا اگر ذیل میں ان کے مقام کی ترتیب سے قلات ریاست کے سارا وان ریجن کے رئیسانی سرداروں کی سوانح عمری کی تفصیل دی جائے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

i. **اسد خان رئیسانی:** ۱۸۴۱ء میں سردار آف ساراوان۔ ان کے بھائی محراب خان اور ان کے وزیر داود محمد کے خوف میں مبتلا ہوئے۔ ۱۸۳۰ء میں وہ کندھار گئے اور وہاں سے ایک فوج کے ہمراہ شال اور مستونگ آئے۔ وہ اس سے سبکدوش ہوئے اور اپنے والد کی ترغیب پر ساراوان لوٹ گئے۔ میسن بتاتا ہے 'بعد کے سالوں میں وہ اپاہج ہوگئے اور عوامی امور میں حصہ لینے کے قابل نہ رہے'۔

ii. ملا محمد رئیسانی ساراوان: "کانک کے رہنے والے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے بغاوت میں کھلے عام حصہ لیا۔ ۱۸۵۹ء میں دوبارہ شورش برپا کی۔ ۱۸۶۳ء کی بغاوت میں خدائیداد خان کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں خدائیداد خان، شیر دل خان کے حق میں معزول ہوئے۔ مصیبت کے دنوں میں خدائیداد خان کے دوست رہے۔ وہ ۱۸۶۱ء میں تاج محمد کے غدر سے بھی متعلق رہے جس کا مقصد خان کا قتل بتایا جاتا ہے۔ کندھار گئے اور اکتوبر ۱۸۶۷ء تک خان کی حکومت کے دوران واپس نہیں آئے۔ انہوں نے فساد پھیلانے کے لئے کئی اقدامات کئے لیکن تین چھوٹے سرداروں (آدم خان بنگلزئی، اللہ ڈینہ کرد اور محمد خان لہڑی) نے ان کی حمایت کی۔ خان نے ولی محمد کی قیادت میں ایک دم فوج بھیج کر ان سرکشوں کی سرکوبی کی۔ تھوڑے سے مقابلے کے بعد ملا محمد اور اس کے ساتھی مری پہاڑوں کی طرف فرار ہو گئے ----------

----------۱۸۶۹ء

کے آخر میں ملا محمد مریوں کے ساتھ رہ رہے تھے انہوں نے ڈیرہ غازی خان کے ڈپٹی کمشنر کیپٹن سنڈیمن سے ملنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اپنے مقصد میں ناکامی اور مریوں کی طرف سے مدد نہ ملنے کے بعد سردار کندھار چلے گئے۔ پھر وہ کابل گئے اور انہوں نے امیر کو درخواست دی کہ ان کی جائیداد، ملک اور مقام کی بحالی اور ان کے ساتھیوں کے خون کا معاوضہ دلوانے میں مدد کریں۔ انہوں نے اس بنیاد پر درخواست دی کہ بلوچستان ہمیشہ سے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ان کا مطیع رہا ہے اور انہی کے قوانین وہاں پر لاگو ہیں۔ امیر نے اس درخواست کو برطانوی ایجنٹ کے پاس بھیجا۔ اور ان سے استدعا کی کہ وہ اسے پشاور کے کمشنر کو پیش کریں۔۔۔۔۔۔ ان کے ایک بیٹے میر اسد خان کے نام کا ذکر ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے یہ جان کر کہ امیر کابل ان کی مدد نہیں کریں گے، انہوں نے ۱۸۷۱ء کے براہوی بغاوت کو تحریک دی۔ ۱۸۷۲ء کے جیکب آباد کانفرنس کے بعد وہ سبی میں رہے اور ۱۸۷۵ء تک سبی میں ہی رہے۔ ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۶ء کے موسم گرما میں وہ سنڈیمن کے ساتھ دورہ قلات میں شامل رہے۔ اور قلات میں منعقدہ دربار میں شریک رہے۔ ۴ اپریل ۱۸۷۶ء کو میجر سنڈیمن جیکب آباد سے قلات کے دوسرے دورے پر روانہ ہوئے، ۱۳ اپریل ۱۸۷۶ء کو ملا محمد درہ بولان میں کِرتا کے مقام پر ان کے کیمپ میں شامل ہوئے اور وہ اپنے بھائی سرداروں کے مختلف کاروانوں کی سندھ کی سرحد سے درہ بولان تک معاونت کے لئے مقرر ہوئے۔ ان فرائض کی ادائیگی اطمینان بخش تھی۔ درہ بولان کئی سالوں کی بندش کے بعد ان دنوں پہلی بار کھلا تھا۔ اور ہیضے سے مشن کی حفاظت کے لئے صرف سرداروں پر ہی بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔ اور یہ مشورہ قابل تقلید تھا کہ کِرتا کے مقام پر پڑاوڈال کر حملے کی تیاری کی جائے۔ اس کے بعد سنڈیمن نے ملا محمد کو درہ میں آمد و رفت کی حفاظت کے لئے تعینات کیا۔ سردار کے فرائض میں سردار دد اللہ ڈینہ کی نگرانی کرنا بھی شامل تھا جو حفاظتی دستے کے اخراجات، محافظوں کی تعیناتی وغیرہ کیا کرتا تھا۔ بلوچستان میں امن قائم کرنے کے لئے میجر سنڈیمن کی مذاکرات کے دوران ملا محمد بھی مستونگ میں موجود تھے اور عالیجاہ کے ساتھ مکمل متفق تھے۔ مستونگ میں قیام کے دوران وہ میجر سنڈیمن کے لئے خان اور ان کے امراو کے ساتھ معاملہ کرنے میں کافی مددگار تھے۔ وہ کچھ سرداروں کی طرف سے بدانتظامی کی شکایات کی تفتیش کے لئے خان کی قائم کردہ کمیٹی میں بھی تھے۔ ۱۳ جولائی ۱۸۷۶ء کو مستونگ میں ہونے والی دربار میں بھی وہ شامل تھے جس میں خان اور ان کے ساراوان اور جھالاوان کے مابین امن قائم کرنے کا اعلان ہوا تھا۔ اس دربار میں وہ خان کے بائیں جانب کی چوکی پر بیٹھا تھا اور انہوں نے خان کی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

رائے پر رد عمل دیا۔ انہوں نے سرداروں کی طرف سے جواب دیا کہ وہ "ان کے وفادار اور ان کے ساتھ سچے رہیں گے۔ وہ ان کی مہربانی اور حمایت پر یقین کرنے کے قابل ہیں۔ اور یہ کہ وہ اپنے خان کی تمام قوانین اور قاعدوں کے دوسرے سرداروں کی طرح پابندی کریں گے"۔ سرداروں نے امن کے لئے شرائط متعین ہونے کے بعد اپنے دستخط ثبت کئے۔ انہوں نے بھی اس خط پر دستخط کئے اور دربار کے اختتام میں "بلوچستان کے سرداروں" نے اسے سنڈیمن کو پیش کیا۔ انہوں نے سرداروں اور خان کے مابین ثالثی کرنے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس میں انہوں نے لسبیلہ کے جام کی رہائی کے لئے بھی دعا کی۔ دسمبر ۱۸۷۶ء میں وہ خان کے ہمراہ جیکب آباد بھی گئے اور وہاں وائسرائے اور خان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں بھی شریک تھے۔ وہ اسی دن خانِ قلات اور وائسرائے کے درمیان ہونے والے نئے معاہدے کے وقت بھی موجود تھے۔ جیکب آباد سے وہ خان کے ساتھ دہلی چلے گئے۔ اور وہاں یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ہونے والی شاہی تاجپوشی میں بھی موجود تھے"۔

iii. "۱۸۷۶ء میں انہوں نے اپنے بیٹے سردار اسد خان کو سرداری سونپی جنہوں نے ۱۸۹۴ء میں ان کی موت تک قلات کی سیاست میں بھرپور حصہ لیا جس کے بعد ان کے بیٹے، موجودہ سردار، ان کے جانشین بنے"۔

iv. اسد خان: ملا محمد رئیسانی کے دوسرے بڑے بیٹے وادی منگوچر میں بہت سی زمینوں کے مالک ہیں۔ جب میجر سنڈیمن قلات کے دوسرے دورے پر تھے تو اسد خان اپریل ۱۸۷۶ء میں درہ بولان میں ان سے آن ملے۔ جولائی ۱۸۷۶ء میں جب خان قلات اوران کی رعیت کے مابین تیرویں۔۔۔پر امن قائم کرنے کے حوالے سے مستونگ میں سنڈیمن کے مذاکرات ہو رہے تھے تو اسد خان وہاں موجود تھے۔ عالیجاہ نے قبیلوں کے ذریعے ساراوان کی سربراہی کے انتخاب کی تصدیق کی اور انہیں خلعت اور لال ریشم پیش کی جو ساراوان کا رنگ ہے۔۔ انہوں نے بھی اس خط پر دستخط کئے اور دربار کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اختتام میں 'بلوچستان کے سرداروں' نے اسے سنڈیمن کو پیش کیا۔ انہوں نے سرداروں اور خان کے مابین ثالثی کرنے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ ۲۱ اگست ۱۸۷۶ء کو انہوں نے خان سے ملاقات کی اور ان کو سلام پیش کیا۔ خان ان کے اس رویے سے بہت خوش ہوئے۔ دسمبر ۱۸۷۶ء میں وہ خان کے ہمراہ جیکب آباد بھی گئے اور وہاں وائسرائے اور خان کے درمیان کے درمیان ۸ دسمبر ۱۸۷۶ء کو ہونے والی گفتگو میں شریک بھی تھے۔ جیکب آباد سے وہ خان کے ساتھ دہلی چلے گئے۔ اور وہاں یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو ہونے والی شاہی تاجپوشی میں بھی موجود تھے ۔ لیفٹیننٹ کنہارڈ پر حملے اور بعد میں جولائی ۱۸۷۶ء میں کوئٹہ میں ان کے قتل کے بعد انہوں نے تجویز دی کی عطا محمد نائب کو برطانوی خطے سے بے دخل کر دینا چاہیے کیونکہ انہوں نے ہی اس قتل کی ترغیب دی ہے۔ سنڈیمن نے یہ تجویز بھی دی کہ کوئٹہ کے سول امور کا انچارج اسد خان کو بنایا جائے اور وہ نائب کے فرائض انجام دیں"۔

v. **مہراللہ خان، رئیسانی:** سی۔ آئی۔ ای نواب میر ، سردار ملا محمد خان کے بیٹے اور موجودہ رئیسانی سربراہ کے چچا۔ ۱۸۹۴ء میں اپنے بھائی کی وفات پر قبیلے کے امور ان کو تفویض ہوئے۔ وہ سردار اللہ یار رستم زئی کے مخالف ہیں جو ۱۸۹۷ء میں ساراوان میں مصیبت کی جڑ تھے۔ جب انہیں قید کیا گیا تو ساراوان کے سربراہوں نے بغاوت کی اور وہ افغانستان چلے گئے۔ وہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے جنوری ۱۹۱۷ء تک مکران کے ناظم رہے جہاں انہوں نے حکومت اور خان کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی قابلیت، تدبر، ذہانت، غیر متزلزل جرات اور استقلال نے ان براہوی سربراہوں کی تابعداری جیتنے میں ان کی مدد کی تھی، جو مکران میں کئی مخالف گروہوں کی سربراہی کر رہے تھے۔ اس طرح کے سیاسی اتار چڑھاو میں ملک کے انتظامی امور انہوں نے بہتر انداز سے چلائے۔ اب ان کو مکران کی آمدن سے ۲۰۰ روپیہ ماہانہ پنشن کی مد میں ملتا ہے۔ انہوں نے میر تاج محمد زہری کی بیٹی سے شادی کی جن سے ان کے ایک بیٹے محمد علی خان

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی شادی مرحوم غوث بخش کی بہن اور ان کی ایک بیٹی سے ہوئی جو اب ان کی بیوہ ہے۔ ان کے گیارہ بچے ہیں۔ انہیں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو سی۔ آئی۔ ای (ساتھی) اور جون ۱۹۰۸ء میں نواب بنایا گیا۔

vi. **(سردار سر) غوث بخش:** کے۔ سی۔ آئی۔ ای، سردار سر اسد خان کے بیٹے کے۔ سی۔ آئی۔ ای رئیسانی، رئیسانی قبیلے کے سربراہ ہیں۔ وہ اصل میں تمام سارا اوان براہویوں کے سربراہ ہیں اس حساب سے وہ بلوچستان کے سربراہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ ۱۸۹۴ء میں اپنے والد کی وفات پر سربراہ بنے۔ لیکن اس وقت چونکہ وہ چھوٹے تھے اس لئے قبیلے کے انتظامات ان کے چچا میر مہراللہ خان انجام دیتے رہے۔ ۱۸۹۷ء میں سرداری ان کے سپرد کی گئی۔

ان کے خاندان نے، جو اصل میں افغان ہے، حکومت کو گراں قدر خدمات دی ہیں اور وہ اسی روایت کو برقرار رکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اپنی نوجوانی کی وجہ سے وہ پس منظر میں تھے جبکہ ان کے چچا پیش منظر میں قبیلے کے ساتھ رہے۔ ۱۸۹۹ء میں مکران میں میر مہراللہ کی تعیناتی کے بعد وہ زیادہ سے زیادہ منظر عام پر آئے اور اس مقام پر فائز ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں وہ میجر شاورز کے ساتھ فارس گئے، اور ۱۹۰۳ء میں وہ دوبارہ ان کے ساتھ مکران کے دورہ پر گئے۔ وہ ہمیشہ جرگوں میں کام لئے راضی رہتا ہے۔ ان کی مستقل رہائش اور ان کا ہیڈ کوارٹر سبی کے قریب مٹھڑی میں ہے۔ جیکب آباد میں ان کی کافی جاگیر ہے جو ان کے والد کو ملی تھی اور اس کی آمدن ۲۵۰۰ روپیہ سالانہ ہے۔ کوئٹہ، کانک اور ناڑی میں بھی ان کی زمینیں ہیں۔ وہ حکومت سے ۵۰۰ روپیہ ماہانہ وظیفہ اور بلوں بدریکہ سے ۲۱۶۰ روپیہ لیتے ہیں۔ ان کی سالانہ آمدن قریباً ۷۰۰۰ روپیہ ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

یہ سردار ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی شادی اپنے چچا میر مہراللہ خان کی بیٹی سے ہوئی ہے جن سے ان کا بیٹا اسد خان ۱۸۹۸ء میں اور ایک بیٹی ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئی۔ ان کے چچاوں میں مکران کے ناظم میر مہراللہ خان، بھاگ کے نائب میر آزاد خان اور میر عبدالرحمٰن شامل ہیں۔ ان کے دو بھائی ہیں۔ محمد ہاشم ۱۸۸۳ء میں اور محمد افضل ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی تین بہنیں ہیں جن کی شادیاں میر پسند خان رئیسانی، میر محمد علی خان ولد میر مہراللہ خان اور میر عبدالرحمٰن کے ایک بیٹے سے ہوئی ہیں۔

"سردار غوث بخش کو بلوچستان کے سربراہ کا یہ مقام ان کو کے۔ سی۔ آئی۔ ای ملنے پر یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو دیا گیا"۔

"بنگلزئی سردار کے ساتھ زاروع کی زمین پر سربراہوں کے تنازعے کو میر مہراللہ خان نے حل کر دیا جو کوئٹہ میں ایک شاہی دورے کے موقع پر موجود تھے"۔

بلوچستان ایجنسی کی سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۹۰۲ء-۱۹۰۳ء میں درج ذیل حقائق ہیں:

"دہلی تخت نشینی دربار۔ دیگر اعزازات کے ساتھ اس موقع پر سارا وان کے مرکزی سربراہ سردار غوث بخش رئیسانی کو کے۔ سی۔ آئی۔ ای کا درجہ بھی دیا گیا جبکہ ان کے چچا مکران کے ناظم میر مہراللہ خان کو کے۔ آئی۔ سی کا درجہ دیا گیا۔ خان بہادر خیر بخش مری اور سردار قیصر خان مگسی کو نواب کا خطاب دیا گیا۔

اس سال کا اہم واقعہ خان قلات سے نصیر آباد نیابت مستقل اجارے پر لینا ہے۔ اس نئے خطے کو نصیر آباد سب ڈویژن کا نام دیا گیا اور اسے نئے ضلع سبی (پرانا تھل چٹیالی) میں شامل کر دیا گیا۔ اس نیابت کے حصول نے یہ موقع فراہم کیا کہ ایجنسیوں اور

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اضلاع کی حد دود کو اپنی آسانی کے لئے نئے سرے سے ترتیب دیا گیا لورالائی میں ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ایک اور ضلع تشکیل دیا گیا جو ایک الگ پولیٹیکل ایجنٹ کے ماتحت ہے"۔

اسد اللہ خان رئیسانی سوم: "میر اسد خان رئیسانی، سردار سر غوث بخش خان رئیسانی کے اکلوتے بیٹے اور وارث ہیں۔ ان کی عمر سات سال ہے اور وہ اپنے والد کے ساتھ مٹھڑی میں رہتے ہیں (۱۹۰۶ء)"۔

"سردار، سردار بہادر۔ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ مرحوم سردار سر غوث بخش کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے بڑے بیٹے ہیں جو اگست ۱۹۱۵ء میں سربراہ بنے۔ وہ بلوچستان کے مرکزی سربراہ اور ریاستی کونسل کے پہلے رکن ہیں۔ ان کی مستقل رہائش اور ان کا ہیڈ کوارٹر سبی کے قریب مٹھڑی ہے۔ جیکب آباد میں ان کی کافی جاگیر ہے جو ان کے والد کو ملی تھی اور اس کی آمدن ۲۵۰۰ روپیہ سالانہ ہے۔ کوئٹہ، کانک اور ناڑی میں بھی ان کی زمینیں ہیں۔ وہ حکومت سے ۵۰۰ روپیہ ماہانہ وظیفہ اور بولان سنی سے ۲۲۰۰ روپیہ کا حصہ لیتے ہیں۔ ان کی گرمیوں کا ہیڈ کوارٹر کانک ہے لیکن رستمزیوں کی سازشوں کی وجہ سے سردار وہاں نہیں رہتے۔ انہیں جون ۱۹۲۰ء میں سردار بہادر بنایا گیا۔

"اسد اللہ خان رئیسانی، سی۔ آئی۔ ای، سردار بہادر، نواب ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ وہ بلوچستان کے مرکزی سربراہ ہیں۔ مرحوم سردار سر غوث بخش کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے بیٹے ہیں۔ انہیں کچھی، سند میں انعام کی کافی زمینیں ملی ہیں۔ مٹھڑی میں رہتے ہیں۔ اپنے قبیلے میں ان کا کافی اثر ورسوخ ہیں اور حکومت اور خان کے وفادار ہیں۔ بلوچستان اور سندھ دونوں میں ان کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کا ایک بیٹا غوث بخش ہے جس نے کرنل براون سکول دھیرہ دھون سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں انفرادی خدمات کے عوض ۴۔۵۔۲۸۳ روپیہ اور پنشن کی مد میں حکومت سے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۴۰۰ روپیہ ماہانہ ملتا ہے۔ وہ ۱۹۴۲ء میں سی۔ آئی۔ ای بنے۔ جنوری ۱۹۴۵ء میں بلوچستان کی نمائندگی پر ریاستوں کی کونسل کے رکن نامزد ہوئے"۔

مرحوم میجر غوث بخش خان رئیسانی ۱۹۴۸ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد قبیلے کے سربراہ بنے۔ ۱۹۴۲ء میں حکومت نے انہیں کرنل براون سکول دھیرہ دھون میں تعلیم کے لئے بھیجا۔ ۱۹۵۵ء میں ایک مترقی کاشتکار کے طور پر انہوں نے امریکہ کا دورہ کیا اور واپسی پر انہوں نے ڈھاڈر کے قریب مہر گڑھ میں اپنا ایک کھیت قائم کیا۔ وہ زراعت میں بہت دلچسپی رکھتے تھے اور اس حوالے سے انہوں نے خوب نام کمایا۔ ۱۹۷۲ء کے پہلے چار مہینے وہ بلوچستان کے گورنر اور بعد میں وفاقی وزیر زراعت رہے۔ ۱۹۷۵ء میں صوبائی وزیر زراعت تھے۔ بدقسمتی سے ۱۹۸۳ء میں وہ اپنے ہی ضلع کے قبائلیوں کے ساتھ انتخابات کے اوپر ایک جھگڑے میں پڑ گئے جس میں انہوں نے اور ان کے بیٹے نے کئی لوگ مار دیئے۔ اس کے نتیجے میں ۷ اگست ۱۹۸۴ء کو وہ افغانستان چلے گئے اور سرحد پار اچکزیوں کے ہاں پناہ گزین ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد ۱۹۸۶ء میں انہیں صوبائی حکومت کی مرضی سے واپس لایا گیا۔ تاہم ۲۶ مئی ۱۹۸۷ء کو رمضان کے مہینے کے دوران وہ صبح سویرے مہر گڑھ سے کوئٹہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کے مخالف، غالباً جتوئی بلوچ قبیلے کے افراد نے ڈھاڈر سے کچھ میل دور درہ بولان میں گھات لگا کر ان کے قافلے پر حملہ کر دیا۔ انہیں گولیاں لگیں اور موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ ان کی جسد خاکی کو مستونگ کے قریب کانک میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اسے رئیسانی کا شہر بھی کہتے ہیں۔ ان کی قبر پر ان کے بیٹوں نے ایک مقبرہ بنایا ہے۔ ان کے بیٹے نوب اسلم خان رئیسانی ان کے جانشین بنے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مصنف انہیں ذاتی طور پر جانتے تھے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کی وہ ایک لبرل، ملنسار اور پر کشش شخصیت کے مالک تھے جو شاذ و نادر ہی آج کسی سربراہ کی اولاد میں موجود ہے۔ میرے علم کے مطابق وہ بلوچستان کے پہلے جدید کاشت کار تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۰

صدی کے موڑ اور آنے والے سالوں کے دوران ریجن کا عمومی منظر نامہ

انیسویں صدی کے آخری اور بیسوی صدی کے ابتدائی سالوں میں سبی، سنگان اور ہرنائی کا ریجن خشک سالی، ہیضہ، ٹڈیوں کے حملوں، ژالہ باری، چیچک اور طوفانی ہواوں جیسے قدرتی آفات کا شکار رہا۔ لوگوں کو غربت و افلاس کی حالت سے نکالنے کے لئے اٹھائے گئے برطانوی اقدامات یا تو ناکافی تھے یا وہ صرف مری اور بگٹی قبیلوں کی فلاح کے لئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ریلیف کے نام پر ان اقدامات کا اصل مقصد اِن علاقوں پر انتظامی کنٹرول حاصل کرنا تھا۔ اس لئے اس کے نتیجے میں انتظامی امور میں بہتری کے علاوہ عام لوگوں نے یقیناً مشکل وقت گزارا ہو گا۔ اسی عرصے کے دوران برطانوی حکام نے لیویز فورس اور اسکاؤٹ کے تھانوں کی تعمیر اور لوگوں کو اس میں بھرتی کرنے کے ذریعے عام قبائلیوں اور برٹش بلوچستان کے افغان خطے پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کو پاؤں کی ایک بیماری کی وجہ سے انتقال کر چکے تھے۔ ان کے بڑے بیٹے امیر حبیب اللہ خان، جو ایک واخی غلام لڑکی سے تھے، ان کے جانشین بن چکے تھے۔ ان کے ماتحت یکے بعد دیگرے گورنروں میں سردار محمد عالم خان، سید محمد حسین شاہ، نور محمد خان اور ان کے بیٹے سردار احمد خان محمدزئی شامل تھے۔ اس دور میں قاضی عبدالشکور خان کندھار کے قاضی اور برٹش بلوچستان سے آئے ہوئے پٹھان، بلوچ اور براہوی مہاجرین کے انچارج تھے۔ یہی وہ دن تھے جب یہ مہاجر 'سرزمین کفر' سے 'سرزمین اسلام' ہجرت کر چکے تھے لیکن وہ افغان حکام کے خالی نعروں سے مایوس ہو کر برٹش بلوچستان میں واپس اپنے آبائی گھروں کو لوٹنے کے لئے بے چین تھے۔ کچھ معاملوں میں انہیں ایسا کرنے سے روکنے کے لئے ان سے ضمانتیں لی گئیں اور کچھ لوگوں کو تو گرفتار تک کر لیا گیا تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

امیر حبیب اللہ خان اور ان کے بیٹے کے عہد کے نمایاں واقعات پر نامور مصنف لوئیس دُپری (صفحات ۴۳۰ تا ۴۴۰) نے درج ذیل رائے دی ہیں:

"بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ایک طرف ملاوں کی مخالفانہ سرگرمیاں تھیں اور دوسری طرف محمود بیگ طرزی کے جدید خیالات عروج پر تھے۔

امیر حبیب للہ نے دوسری عالمی جنگ میں داخل ہونے اور مرکزی طاقتوں کا ساتھ دینے کے اندرونی دباو کی مزاحمت کی، خصوصاً اس وقت جب خلیفہ عبدالحمید نے کفار اتحادیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ امیر حبیب اللہ کے دور میں افغانستان میں کوئی یکساں قانونی نظام نہیں تھا۔ امیر امان اللہ نے پہلی بار قانونی نظام وضع کرنے کی کوشش کی"۔

اپنی اندرونی حیثیت کو استحکام دینے اور پہلی عالمی جنگ کے بعد کمزور ہونے والے انگریزوں کے خلاف انہوں نے ۱۹۱۹ء میں تیسری اینگلو افغان جنگ کا آغاز کیا۔

تیسری اینگلو افغان جنگ کے آغاز اور جہاد کے اعلان نے برٹش بلوچستان کے افغان علاقوں میں امن وامان کی صورتحال کو مخدوش بنادیا۔

اس وقت کے اے۔جی۔جی ہنری ڈوبس نے جنگ کے دوران افغان مہاجرین کے کردار کی تعریف کی۔ سیکرٹری خارجہ حکومت ہند کو یکم ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھے گئے خط میں انہوں نے لکھا:

"موجودہ ہلچل اور تیسری افغان جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کشیدہ صورتحال کے دوران جب کئی ہفتوں تک افغان فوجیں ہماری سرحدوں پر تھیں اور وہ سرحدی قبائل میں سازشیں کررہے تھے، اس وقت ان مہاجرین کی موجودگی قابل قدر حد تک معاون ثابت ہوئی اور انہوں نے مقامی محمڈن آبادی پر بہت اثر ڈالا۔ افغان سیاست کے حوالے سے ان کی دی گئی معلومات بھی بہت مددگار ثابت ہوئیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۸۹ء میں برطانوی ہند میں لارڈ الگن سے لارڈ کرزن نے چارج لیا جبکہ برٹش بلوچستان کے حوالے سے سیو فیر نگٹن کی کتاب Quetta – Its Manuments and Inscriptions میں درج ذیل ایجنٹس ٹو گورنر جنرل کا ذکر ہے:

ایجنٹس ٹو گورنر جنرل	میعادِ عہدہ
۱)۔ کرنل سر رابرٹ سنڈیمن	۱۸۷۶ء تا ۱۸۹۲ء
(۲۵ فروری ۱۸۳۵ء۔ ۲۹ جنوری ۱۸۹۲ء)	
۲)۔ میجر جنرل سر جیمز براؤن	۱۸۹۲ء تا ۱۸۹۶ء
(۱۸۳۹ء۔ ۱۳ جون ۱۸۹۶ء)	
۳)۔ ہیو بارنیس، آئی۔ سی۔ ایس	۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۰ء
(۱۸۵۳ء۔ ۱۵ فروری ۱۹۴۰ء)	
۴)۔ کرنل چارلس ییٹ	۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۴ء
(۲۸ اگست ۱۸۴۹ء۔ ۲۹ فروری ۱۹۴۰ء)	
۵)۔ لیفٹیننٹ کرنل سر ہنری مک موہن	۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۱ء
(۲۸ نومبر ۱۸۶۲ء۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۴۹ء)	
۶)۔ لیفٹیننٹ کرنل سر جون رامسے	۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۷ء
(۵ دسمبر ۱۸۶۲ء۔ ۲ مارچ ۱۹۴۲ء)	
۷)۔ سر ہنری ڈوبس، آئی۔ سی۔ ایس	۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۹ء
(۲۶ اگست ۱۸۷۱ء۔ ۳۰ مئی ۱۹۳۴ء)	
۸)۔ لیفٹیننٹ کرنل سر ارمین ڈیو	۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء
(۲۷ ستمبر ۱۸۶۷ء۔ ۷ جون ۱۹۴۱ء)	
۹)۔ فریڈرک ڈبلیو جونسٹن	۱۹۲۲ء تا ۱۹۲۷ء

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

(۲نومبر ۱۸۷۲ء۔ یکم مئی ۱۹۴۷ء)

۱۰)۔ لیفٹیننٹ کرنل ایڈمنڈ ایچ۔ ایس جیمز ۱۹۲۸ء تا۱۹۲۹ء

(۲۶جون ۱۸۷۴ء۔ ۱۲اکتوبر ۱۹۵۲ء)

۱۱)۔ لیفٹیننٹ کرنل ایچ بیوچیمپ سینٹ جون ۱۹۲۷ء تا۱۹۳۰ء

(۲۶اگست ۱۸۷۶ء۔ ۱۵اکتوبر ۱۹۵۴ء)

۱۲)۔ لیفٹیننٹ کرنل چارلس ای بروس ۱۹۳۰ء تا۱۹۳۱ء

(۲۳مارچ ۱۸۷۶ء۔ ۲۴جنوری ۱۹۵۰ء)

۱۳)۔ سرنارمن کیٹر ۱۹۳۱ء تا۱۹۳۶ء

(۱۵جون ۱۸۸۰ء۔ ۱۹۵۷ء)

۱۴)۔ لیفٹیننٹ کرنل میجر جنرل سر آرتھر پارسن ۱۹۳۶ء تا۱۹۳۹ء

(۱۸اگست ۱۸۸۴ء۔ ۱۹۶۰ء)

۱۵)۔ سر اوبری میٹکیلف آئی۔ سی۔ ایس ۱۹۳۹ء تا۱۹۴۳ء

(۱۸۸۳ء۔ ۲۷ستمبر ۱۹۵۷ء)

۱۶)۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈبلیو روپرٹ ھے ۱۹۴۳ء تا۱۹۴۶ء

(۱۶دسمبر ۱۸۹۳ء۔ ۱۳اپریل ۱۹۶۲ء)

۱۷)۔ سر جیوفری پریر ۱۹۴۶ء تا۱۹۴۷ء

(۹دسمبر ۱۸۹۶ء۔ ۱۱اکتوبر ۱۹۷۲ء)

اسی عرصے میں کیپٹن سی۔ آر چر نے بطور ڈپٹی کمشنر تھل چٹیالی ضلع اور کیپٹن رامسے نے بطور ڈپٹی کمشنر کوئٹہ پشین ضلع بھی خدمات انجام دیں۔ ان کے علاوہ قاضی عبداللہ جان، قاضی فقیر احمد، رائے صاحب پنڈت نندلال، خان بہادر مولا بخش، رائے بہادر ہیتو رام، خان بہادر قاضی جلال الدین خان، خان بہادر میر شمس شاہ، محمد عبدالرحیم، محمد رفیق خان، دیوان گنپت رائے، رائے صاحب جمعیت رائے، رائے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

صاحب دیوان چند، لالہ بھاگ مل، خان صاحب قاضی مظفر خان، خان صاحب عبدالرحمٰن خان اور دیوان اوڈھو داس ہندوستان کے وہ مسلمان اور ہندو آفیسر تھے جنہوں نے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر برٹش بلوچستان میں برطانوی حکمرانوں کی وفاداری اور مستعدی سے خدمت کی۔

ان میں سے دیوان گنپت رائے نے، رائے بہادر ہیتورام سے چارج لینے کے بعد بطور ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سبی میں ۲۵ سال تک خدمات انجام دی اور ۱۹۱۵ء میں ریٹائر ہوئے۔ ان کے بعد اس عہدے پر رائے بہادر دیوان جمعیت رائے تعینات ہوئے۔ سبی میں وہ خان صاحب ولہاڑی خان مرغزانی کے دوست کے طور پر جانے جاتے تھے جن کی وفات ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ ان کی موت کے سالوں بعد جب ہم بچے تھے، بوڑھے لوگ گنپت راکو ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے یاد کرتے تھے۔

بیسویں صدی کے پہلے ۱۴ سالوں میں برٹش بلوچستان سے متعلق مواد اکھٹا کرنے میں مجھے کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب مجھے جامع معلومات نہیں ملیں تو میں نے ان سالوں کے کچھ الگ الگ واقعات پر بات کرنے اور باقی کڑیاں قارئین پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ میرے مطالعے میں درجن بھر سے زیادہ ایسے واقعات آئے جو ایک دوسرے سے اگرچہ متضاد ہیں، لیکن مجھے اس یقین کی طرف لے جاتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے افغانستان اور اس محصور ریاست کے اور برٹش بلوچستان کے عوام نے آخر برطانوی حکومت کو قطعی فیصلہ مان لیا۔

برطانوی کفر کے خلاف ایک مقدس جنگ کے لئے سرزمین اسلام (محمد زیوں کے افغانستان) ہجرت کرنے والے برٹش بلوچستان کے قبائلی سرداروں کو مایوسی ہوئی اور وہ واپس اپنے وطن آکر پرامن طور پر زراعت سے وابستہ ہوگئے۔ البتہ حکومت کے انگریز، ہندو اور سکھ اہلکاروں کے خلاف انفرادی غزا کے واقعات جاری رہے۔ سرداروں کی تحریک کی ناکامی کے بعد ملاوں نے سادہ لوح پٹھانوں اور بلوچوں کو غزا کے لئے اکسانا شروع کیا جسے انگریزوں نے `جنونی اور قاتلانہ` عمل قرار دیا۔ اسی دوران برطانوی انتظامیہ نے اس نئے خطے پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے عمل کو جاری رکھا۔ زیر تبصرہ سالوں میں ہمیں مشکل سے ہی کوئی قوم پرست یا مذہبی تحریک ملتی ہے۔ اسی دوران

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انگریزوں نے اس خطے میں اپنے انتظامیہ کی تنظیم نو کے دوسرے مرحلے کا آغاز کر کے کئی کامیابیاں حاصل کیں۔(اسی طرح کا پہلا مرحلہ سر رابرٹ سنڈیمن کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا)۔

ساون موسٰی خیل اور ان کے مرغزانی اور کدیزئی ساتھیوں کی غزا بھی اسی دور کا ایک واقعہ ہے۔ وہ فروری ۱۹۰۱ء میں ملک مصری خان مرغزانی کے قتل کے وقت منظر عام پر آئے۔ اس کے بعد انہوں نے لورالائی، ژوب اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع میں برطانوی انتظامیہ کے خلاف جارحانہ حملے جاری رکھے۔ ۱۹۱۶ء میں ان کی پھانسی تک علاقے کے معتبرین اور عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ جب ۱۹۷۲ء میں میں لورالائی میں ڈپٹی کمشنر تھا تو اس وقت لورالائی اور ژوب ایجنسی کے دورے پر آئے وزیر اعلیٰ سے نیشنل عوامی پارٹی کے ایک وفد نے ملک محمد یونس کدیزئی کی قیادت میں ملاقات کی۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ سے "آزادی کے جنگجو" ساون موسٰی خیل کی ایک یادگار تعمیر کرنے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کی گئی اور کارتوس کی شکل کی ایک یادگار دسٹرکٹ جیل کے سامنے ایک چوک پر تعمیر کی گئی[12]۔ ان کے بارے میں مزید تفصیلات اگلے صفحات میں آئیں گی۔

یہ عمل پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء) تک جاری رہا جس کے نتیجے میں دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ مذہبی سیاسی تحریک کی بھی ابتدا ہوئی جس میں دیوبند کے علما پیش پیش تھے اور اس کا مقصد 'اسلام کی سرزمین' کو انگریزوں / غیر ملکیوں سے آزاد کرانا تھا۔ انہی سالوں کے بلوچستان ایجنسی کی سالانہ انتظامی رپورٹس اور دیگر سرکاری مواد سے ہمیں درج ذیل الگ الگ واقعات کا پتہ چلتا ہے جو قارئین کو اس وقت کے حالات کی صورتحال سمجھنے میں مدد دیں گے:

ا۔ "سبی میں ریلوے کے رضاکاروں کی ۱۵ مارٹینی رائفلیں ۲۷ جنوری ۱۹۰۰ء کی شب چوری ہو گئے۔ جس کا شک ۱۹ویں بنگال لانسرز کے آدمیوں پر کیا گیا۔ اس شک کے نتیجے میں کمانڈنٹ بارڈر پولیس پشاور نے دریافت کر لیا کہ یہ شک صحیح تھا۔ چوروں پر مقدمہ چلا اور ان کو قید ہوئی۔ لیکن

[12] یہ کارتوس لورالائی میں تحصیل روڈ پر پولیس تھانے کے سامنے بنائی گئی ہے۔ مترجم

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جب آفریدیوں نے کمانڈنٹ بارڈر پولیس پشاور کو رائفلیں واپس کیں تو ایجنٹ ٹو گورنر جنرل نے ان کی سزائیں کم کیں اور چوروں کو کمانڈنٹ بارڈر پولیس پشاور کے پاس بھیجا گیا"۔ (کیپٹن ایف۔ مکڈونلڈ ڈپٹی کمشنر تھل چٹیالی)

۲۔ اس سال کے دوران ضلع میں ایک قاتلانہ حملے کا واقعہ ہوا۔ ۱۸ اگست ۱۹۰۰ء کو قاتل، ایک میکھانی مری نے سبی باراز میں ایک خوجہ پر حملہ کر کے اسے شدید زخمی کیا۔ خوجہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہو گیا۔ ایک خوشیہ نے قاتل کو پکڑ لیا اور اس میں ان کا بایاں بازو بھی زخمی ہوا۔ قاتل پر مقدمہ چلا اور اسے پھانسی کی سزا ہوئی۔ بعد میں ہائی کورٹ نے ان کی سزا عمر قید میں تبدیل کی۔ ان کے رشتہ داروں اور اس جنونی کے قبیلے کی ذیلی شاخ پر ۸۰۰ روپیہ جرمانہ عائد کیا گیا۔ اس جرمانے میں سے ۶۰۰ روپیہ مقتول کے پسماندگان اور ۱۰۰ روپیہ خوشیہ کو انعام میں دیا جائے گا۔ قاتل کے والد، دو چچاوں اور ایک شاہ بیگ، جنہوں نے اس قتل کے لئے ان کو اکسایا، کو جیل میں رکھا گیا ہے۔

۳۔ "۱۶ اکتوبر ۱۹۰۱ء کی صبح ایک جنونی، جن کی شناخت براہوی مینگل کے طور پر ہوئی ہے، نے نٹال ریلوے اسٹیشن پر ریلوے ملازمین پر حملہ کرنے کی غرض سے چڑھائی کی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ڈیوٹی پر موجود پولیس کانسٹیبل لال سنگھ نے اسے گولی ماری۔ چونکہ اس جنونی کا تعلق اس ضلع سے نہیں تھا لہٰذا ان کے معاملے کو پولیٹیکل ایجنٹ قلات کو بھیج دیا گیا"۔

۴۔ "اس سال ضلع پر ٹڈیوں کا حملہ ہوا۔ وہ پہلے فروری ۱۹۰۲ء میں سبی تحصیل میں نمودار ہوئے اور آہستہ آہستہ پورے ضلع میں پھیل گئے۔ خوش قسمتی سے انہوں نے ربیع کی فصل کو زیادہ نقصان نہیں پہنچایا لیکن میوے کے درخت اور پالیزات کو ان سے شدید نقصان پہنچا۔ اسی طرح پہاڑوں پر گھاس کو بھی نقصان پہنچا۔ ان کے زہر کے اثرات ابھی تک سنجاوی اور شاہرگ تحصیل کی درختوں پر موجود ہیں۔ ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے پھپھوندی کامیاب نہیں تھی۔ لیکن خزان کے موسم میں ان ٹڈیوں پر ایک قسم کے کیڑوں نے حملہ کیا اور وہ بڑی تعداد میں مارے گئے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵۔ کھیتران سربراہ سردار محراب خان کو ۲۴ فروری ۱۹۰۲ء کو قید سے آزاد کر دیا گیا۔ اور انہیں دو سال کے لئے آزمائشی بنیاد پر دوبارہ سردار کے طور پر بحال کیا گیا ہے۔

۶۔ "مری سردار، نواب مہراللہ خان ۱۵ مارچ ۱۹۰۲ء کو کاہان میں فوت ہو گئے۔ قبیلے کی سربراہی ان کے اکلوتے زندہ بیٹے خان بہادر میر خیر بخش کو ملی"۔

۷۔ خان بہادر سردار خیر بخش مری اور سردار قیصر خان مگسی کو نواب کا خطاب دیا گیا جبکہ میر رحیم خان کرد اور حاجی ملا مستک جوگیزئی کو خان صاحب کا خطاب دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عظیم الشان اجتماع (جنوری ۱۹۰۳ء کا تخت نشینی دربار) نے ان جنگلی قبائلیوں پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ ان میں سے اکثر کبھی بھی بلوچستان سے باہر نہیں گئے ہیں اور یہاں سے انہوں نے جو سیکھا وہ کبھی بھی بھلا نہیں پائیں گے۔ ان سب کا ایک ہی جواب تھا کہ "انہوں نے کبھی ایسے مناظر خواب میں بھی نہیں دیکھے ہیں"۔ ضلع کے افسروں کو انہوں نے کئی کہانیاں بتائیں۔ سب کا عمومی اظہار یہ تھا کہ وہ انتظامات سے بہت خوش تھے اور یہ کہ انہیں اس تقریب میں شرکت کرنے کا اعزاز ملا۔ وہ اس بات پر فخر محسوس کر رہے تھے کہ وہ اس اجتماع کا حصہ بنے جس میں بارہ ہزار کرسی نشین تھے۔ انہیں اپنی اس حکومت پر فخر ہے جو اتنے بڑے اجتماع کا بندوبست کر سکتی ہے"۔

۸۔ اس سال (۱۹۰۲۔۱۹۰۳ء) کا سب سے اہم واقعہ عالیجاہ خان قلات سے نصیر آباد نیابت کا اجارے پر لینا ہے۔ اگر اس نیابت اور اس سے متصل زمینوں کو برطانوی نہروں سے سیر اب کیا جاتا ہے تو یہ خان قلات اور برطانوی حکومت دونوں کے لئے مفید ہو گا۔ خان قلات بھی اس کو مفید پا کر ہی اس نیابت کو حکومت ہند کو اجارے پر دینے کے لئے راضی ہوئے۔ اس کے عوض پوری حاکمیت کے ساتھ ساتھ انہیں ۱۷۵۰۰ روپیہ ملے گا جو یکم اپریل ۱۹۰۳ء سے شروع ہو گا"۔

"مذکورہ بالا ترتیب کا معاہدہ عالیجاہ خان اور عزت مآب گورجنرل نے سبی میں ۱۷ فروری ۱۹۰۳ء کو دستخط کیا اور وائسرائے نے ۱۴ مئی ۱۹۰۳ء کو اس کی توثیق کی۔" "اس نئے خطے کو نصیر آباد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سب ڈویژن کا نام دیا گیا اور اسے نئے ضلع سبی (پرانا تھل چٹیالی) میں شامل کر دیا گیا۔ اس نیابت کے حصول نے یہ موقع فراہم کیا کہ ایجنسیوں اور اضلاع کی حدود کو اپنی آسانی کے لئے نئ سرے سے ترتیب دیا جائے اس لئے لورالائی میں ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ایک علیحدہ پولیٹیکل ایجنٹ کے ماتحت ایک اور ضلع تشکیل دیا گیا"۔

۹۔ "سبی میں وکٹوریہ ہال کی تعمیر کے لئے ۳۸۵۰۰ روپیہ مخصوص کیا گیا۔ ۱۹۰۲ء میں اس کی عمارت تعمیر ہوئی اور ۱۳ فروری ۱۹۰۳ء کو (یئٹ) اس کا باقاعدہ افتتاح کیا گیا۔ اب شاہی جرگے کے اجلاسوں کے لئے ہال کی سہولت موجود ہے۔ کوئٹہ میں سنڈیمن میموریل ہال کی تعمیر کے بعد اس کی بہت ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور اب اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سبی میں وکٹوریہ میموریل ہال ایک اچھا اضافہ ہے"۔

۱۰۔ "۱۹۰۳ء۔ ژوب اور بارکھان سے موسیٰ خیل اور بوری کی تحصیلوں، اور تھل چٹیالی سے دکی اور سنجاوی کی تحصیلوں پر مشتمل ایک نیا ضلع لورالائی بنایا گیا۔ تھل چٹیالی کو کچھ اضافوں کے ساتھ ضلع سبی میں تبدیل کیا گیا"۔

۱۱۔ ژوب میں قلعہ سیف اللہ میں یکم مئی ۱۹۰۶ء کو نواب بنگل خان ایک بلوے مارے گئے۔ اسی مہینے میں شیرانیوں نے شین غر میں حکومتی بنگلوں کو جلادیا"۔

۱۲۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ایک جنونی عمل میں ایک نوجوان زرکزئی نے شہر کی ایک مرکزی گلی میں ریلوے کے دو ملازمین پر حملہ کیا، اسے گرفتار کر کے عمر قید کی سزا دی گئی۔

۱۳۔ ۱۹۰۸ء میں سنگان سے بہت سے باروزیوں نے ناراض ہو کر اپنے گاؤں سے افغانستان ہجرت کی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۴۔ ۱۹۰۹ء کی سرکاری دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ سبی میں تحصیل، تھانہ، خزانہ اور دیگر عمارتوں اور ہرنائی میں تحصیل اور تھانے کی عمارتوں کی تعمیر مکمل ہوئی۔

۱۵۔ پشین میں خان خدائیداد خان (قلات کے معزول خان) نے ۲۰ مئی ۱۹۰۹ء کو اپنی آخری سانسیں لیں۔

۱۶۔ اسی سال (۱۹۰۹ء) مولوی عبدالغفور ہمایونی کو سیاسی معاملات کرنے اور ان کی خدمات کے اعتراف میں ضلع سکھر کی ۱۰۰ ایکڑ آبپاشی کی زمین دی گئی۔

۱۷۔ اسی دور میں سردار غوث بخش رئیسانی نے سبی میں بنجرہ زمین کی تقسیم پر اعتراض اٹھایا۔

۱۸۔ "اگست ۱۹۰۹ میں کاکڑوں کے سردار محمد خان جوگیزئی مسماۃ طوطی بنت مدوزئی سے شادی کے لئے وادی بوری کے گاؤں شبوزئی گئے۔ اس خاتون کی بات پہلے ہی ایک شخص ابراہیم شبوزئی سے آدھی پکی ہو چکی تھی۔ باپ کا اپنے قبیلے سے باہر اپنی بیٹی کی شادی کے اس عمل پر اس کے قبیلے کے لوگ اتنے ناراض ہوئے کہ انہوں نے شادی کی رات سردار محمد خان کے گھوڑے کے کان کاٹ دیئے۔ سردار نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا اور انہوں نے اپنے ساتھ آئے ہوئے لوگوں کو کوئی بھی گڑبڑ کرنے سے اچھے انداز میں روکا۔ اس موضوع پر ژوب اور لورالائی اضلاع کے درمیان بہت سے مراسلے لکھے گئے لیکن معاملہ اب تک حل نہیں ہوا"۔

"جب یہ معاملہ ۱۹۱۰ء میں کوئٹہ شاہی جرگہ کو بھیجا گیا تو اس نے فیصلہ دیا کہ سردار کے لئے معاوضے کے طور پر ۴۰۰۰ روپیہ شبوزئی گاؤں سے وصول کیا جائے گا"۔

۱۹۔ "نومبر (۱۹۰۹ء) شاہرگ کے سارنگزیوں میں ایک واقعہ ہوا۔ سارنگزئی سردار کے ایک بیٹے اور بھائی نے خان صاحب ملک غنی خان کے ایک بھتیجے پر شادی کی رات اس وقت فائرنگ کی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جب وہ اپنی دلہن کے پہلو میں سو رہا تھا۔ اس دشمنی کی وجہ مبہم تھی۔ یہ خوف تھا کہ اس جرم کے نتیجے میں سار نگزئی قبیلے کے درمیان جھگڑا شروع ہو گا، جو گرمیوں میں زیارت کے پاس رہتے ہیں اور اس سے زیارت کی نظم ونسق بہت مشکل میں آجائے گی۔ اس لئے دونوں فریقوں میں مصالحت کے لئے کوشش کی گئی تا کہ یہ معاملہ شاہی جرگہ تک نہ جائے۔ اخر کار تصفیہ ہوا جس کے مطابق سردار نے مقتول کے خاندان کو بھاری معاضہ ادا کیا"۔

۲۰۔ "نومبر ۱۹۰۹ء میں کے۔ ایس علیم خان سار نگزئی کے بھائی صبور سار نگزئی نے اپنی بیوی اور سکندر نامی ایک اور سار نگزئی کو مبینہ زنا کی پاداش میں قتل کر دیا۔ زنا ثابت نہیں ہوا۔ اس لئے راضی نامے کے تحت سردار علیم خان کو ۳۰۰۰ روپیہ نقد معاوضہ ادا کرنا پڑا اور ایک لڑکی سکندر کے بھائی حیات اور ایک لڑکی اپنے بھائی کی بیوی کے وارثوں کو دینی پڑی۔ آغاز سے ہی سردار اس بھاری معاوضے کے خلاف احتجاج کرنے لگا آخر دونوں فریقوں نے آپس میں بیٹھ کر اگست ۱۹۱۱ء میں حیات سے ۱۰۰ روپیہ اور ان کے بھائی کی بیوی کے رشتہ داروں سے ۵۰۰ روپیہ معاوضہ کم کرایا۔ سردار پھر بھی اس فیصلے سے خوش نہیں تھا اور وہ اپنے کچھ رشتہ داروں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں سرحد پار چلا گیا۔ کے۔ ایس ملک غنی خان اور دیگر سار نگزئی معتبرین نے سردار کی واپسی کے لئے کوششیں کیں اور آخر وہ نومبر ۱۹۱۱ء میں انہیں شاہرگ واپس لانے میں کامیاب ہوئے"۔

۲۱۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۰ء کو سبی دربار سے خطاب کرتے ہوئے اے۔ جی۔ جی نے موسیٰ خیل کے قائم مقام سربراہ مولا داد خان کے قتل پر بات کی، اکتوبر ۱۹۰۹ء کے زلزلے کی بات کی جس میں کچھی، بھاگ، بیل پٹ، شاہپور اور ڈیرہ بگٹی کے دیہات تباہ ہو گئے تھے۔

۲۲۔ سنگان کی موضع پیر اسمٰعیل کی ملکیت کے حوالے سے طویل عرصے سے زیر التوا معاملے کو حل کر لیا گیا۔ فیصلے کی رو سے یہ سبی تحصیل کا حصہ قرار پایا۔ دسمبر ۱۹۰۱ء میں نئے سرے سے اس موضع کا سروے ہوا اور اس کے حقوق کے ریکارڈ کی نقل تیار کی گئی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۳۔ "یہ فیصلہ کیا گیا کہ سبی تحصیل میں فصلوں کے معائنے کے عمل میں آسانی کے لئے اسے مصنوعی کھیتوں میں تقسیم کیا جائے۔ نقشے میں آبپاشی کی زمین کو بھاری بلاکس کے ذریعے دیکھایا گیاہے"۔

۲۴۔ ۱۹۱۰ کے برٹش بازار ریگولیشن کے ذریعے سبی اور اس کے ساتھ کے دیہات کُڑک، گلوشہر اور ہجک کو بازار قرار دیا گیا۔

۲۵۔ "سبی تحصیل لیویز کے دفعہ دار فتح خان دہپال کو حمبیوں نے زنا کے ارتکاب میں قتل کر دیا۔ چونکہ زنا ثابت نہیں ہوا لہٰذا قاتلوں کو سزا دی گئی۔

۲۶۔ ڈومکی قبیلے کے سردار میر چاکر خان کو ان کے سوتیلے بھائی نواز خان اور اس کے چچازاد شہباز خان نے ۸ مارچ ۱۹۱۱ء کو لہڑی میں قتل کر دیا۔ اپنے والد کے جائیداد کی تقسیم پر مرحوم سردار اور ان کے سوتیلے بھائی کے درمیان کافی عرصے تنازعہ چل رہا تھا۔

۲۷۔ ترخاور کے مقام پر ۱۲ جون ۱۹۱۱ء کو ژوب ملیشیا اور جالئے لونی کی سربراہی میں مفروروں کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی۔ اس میں دو سپاہی اور ایک مفرور جلاتے محسود مارے گئے اور تین افراد زخمی ہوئے۔ خود جالئے کو بھی بازو پر شدید زخم آئے"۔

۲۸۔ اس سال کے اہم واقعات میں اپریل ۱۹۱۱ء میں وائسرائے کا صوبائی دارالخلافہ کا دورہ، دسمبر میں دہلی میں منعقدہ تخت نیشی دربار میں سربراہوں اور سرداروں کی شرکت، خاران کے سربراہ اور ڈومکی سردار کا قتل شامل ہیں"۔

۲۹۔ اس سال کا سب سے اہم واقعہ شاہی فرمانرواوں کی تخت نشینی کا تھا جو ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو منعقد ہوا۔ میلے، کھیل اور دعاوں کا اہتمام ہوا۔ غریبوں کو کھانا کھلایا گیا۔ سبی میں منعقدہ دربار میں لا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تعداد لوگوں نے شرکت کی جس میں سکول کے بچوں کو میڈل، مٹھائیاں دی گئیں اور کھیل کے ذریعے ان کی اور عوام کی اور ہمسایہ دیہاتوں کے ملکوں کی تفریح کا سامان کیا گیا"۔

۳۰۔ ان کے ذاتی ریکارڈ میں خان صاحب حاجی احمد خان (جو اس وقت صرف ملک احمد خان تھے) کے نام ایک دعوت نامہ موجود ہے جس میں انہیں دہلی میں ہونے والی دربار میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حیات عثمانی مجھے اکثر بہت سی کہانیاں سنایا کرتے تھے جو شکر خان لالوزئی نے انہیں سنائی تھیں جو سردار مصطفٰی خان باروزئی کے ہمراہ اس تخت نشینی کے دربار گئے تھے۔

۳۱۔ دسمبر ۱۹۱۱ء میں ضلع کے کچھ نمایاں زمیندار ای۔اے۔سی گنپت رائے کے ہمراہ احمد باد میں منعقدہ متحدہ صوبوں کی نمائش دیکھنے گئے۔ واپسی پر راستے میں انہوں نے لائل پور میں زراعت کے استعمال اور حفاظت کے حوالے سے کچھ عملی ہدایات کی تربیت بھی لی۔ احمد آباد اور لائل پور میں انہوں نے زرعی معاملات میں انتہائی دلچسپی لی۔ انہوں نے ہل اوہینگا سمیت کھیتی باڑی کے جدید طریقے بھی سیکھے۔ اس کے نتیجے میں زمینداروں نے مشینیں درآمد کیں"۔

۳۲۔ ۲۷ جنوری ۱۹۱۱ء کو سربراہ، سردار اور حکومتی اہلکار شاہی جرگے سے اے۔جی۔جی اور بلوچستان کے چیف کمشنر اے۔ ایچ مک موہن کے الوداعی خطاب کے موقع پر جمع ہوئے جن کا تبادلہ دفتر خارجہ ہوا تھا۔ شاہرگ تحصیل اور خزانہ کا ہیڈ کوارٹر بالترتیب ۱۴ اور ۱۶ مئی ۱۹۱۰ء کو ہرنائی منتقل کیا گیا۔

۳۳۔ "۲۰ اگست ۱۹۱۰ء کو تلی میں ایک سکول قائم کیا گیا۔ سنگان کے سکول کو بھی دوبارہ کھولا گیا ہے جو طلبا کی ناکافی تعداد کی وجہ سے بند تھا۔ ۱۹۱۳ء میں گورنمنٹ پرائمری سکول گلوشہر کھولا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ساون موسٰی خیل

۳۴۔ بدمعاشوں کے ایک گروہ نے، جن کے سربراہ خانک مرغزانی اور ساون موسٰی خیل ہیں، ۲۴ نومبر ۱۹۱۰ء کو موسٰی خیل تحصیل میں چھپر کے مقام پر ملک مصری خان کو گولی مار کر قتل کر دیا"۔

۳۵۔ بدمعاشوں کے ایک گروہ نے، جن کے سربراہ ساون موسٰی خیل، خانک اور مرغزانی ہیں، ۱۵ فروری ۱۹۱۱ء کو تحصیل کے قانونگو ایم گنگا سنگھ کو اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ درگ جا رہے تھے۔ مفرور ان کی چیزیں بھی اپنے ساتھ لے گئے جن کی مالیت ۱۶۰۰ روپیہ تھی۔ ناکافی ثبوتوں کی وجہ سے اس معاملے کو جرگہ میں نہیں بھیجا جا سکا ہے۔ لیکن اسے مانی خواہ میں جولائی ۱۹۱۲ء میں ہونے والے اگلے مشترکہ جرگے کے سامنے رکھا جائے گا"۔

۳۶۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان کے ایک ساتھی خانک کو ژوب ملیشیا نے جولائی ۱۹۱۱ء میں ضلع ژوب میں برغہ شیرانی کے مقام پر ہلاک کر دیا تھا۔

۳۷۔ "۲۴ جنوری ۱۹۱۲ء کی رات نو بجے آٹھ سے دس فراریوں پر مشتمل ایک گروہ نے رائفلوں سے کنگری کے ڈاک خانے پر حملہ کیا۔ انہوں نے ۹۸ روپیہ مالیت کی حکومتی دولت اور ۲۵۰ روپیہ مالیت کی پوسٹ ماسٹر، نو لیویز سپاہیوں اور ایک سوار کی ذاتی دولت چھین کر فرار ہو گئے۔ یہ یقین کیا جا رہا ہے کی یہ ساون، جو ایک بدنام موسٰی خیل فراری ہے، اور اس کے گروہ نے کیا ہے۔ تجویز دی جاتی ہے کہ اس معاملے کو ۲۵ جولائی ۱۹۱۲ء کو مانی خواہ میں ہونے والے ژوب، لورالائی اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے مشترکہ جرگے میں پیش کیا جائے"۔

۳۸۔ "ضلع لورالائی کے قبائل کا عمومی رویہ اور سلوک اتنا اطمینان بخش نہیں ہے جتنے کی خواہش کی جاتی ہے۔ شمال مشرق میں یہ مزید نمایاں ہو جاتا ہے کہ کہ بدنام زمانہ ساون اور اس کے گروہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کی کاروائیاں لوگوں کو دہشت میں مبتلا کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی ہمدردیاں اور ان کی نیم رضامندی اور چشم پوشی کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ ان کا گروہ کئی ہفتوں تک موسٰی خیل اور کبزئی کی حدود میں رہتا رہا ہے۔ اور (مصری خان کو ایک ذاتی جھگڑے میں قتل کرنے کے علاوہ) اس گروہ کی لوٹ مار اور ڈاکوں کی کوئی بھی کاروائی اس ملک کے عام لوگوں کے خلاف نہیں ہیں۔ اس کے برعکس وہ سرکاری اہلکاروں اور ہندو تاجروں کے یکسر خلاف ہیں۔ مقامی راہنماوں کے پاس ان کے بارے میں معلومات نہ ہونا بہت مشکوک ہے اور جو معلومات وہ برطانوی حکام کو دیتے ہیں وہ انتہائی گمراہ کن ہیں"۔ (میجر اے۔ رامسے، پولیٹیکل ایجنٹ لورالائی ۱۹۱۲ء۔۱۹۱۳ء)

۳۹۔ "جنوری۔ اپریل ۱۹۱۳ء۔ ساون اور ان کے چھ یا سات ساتھیوں کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ ڈیرہ غازی خان یا بارکھان کے دیہاتوں کو لوٹنے کی نیت سے پوادپہاڑوں کی طرف گئے ہیں"۔

"ساون اور ان کا گروہ موسٰی خیل سے پینتیس یا چالیس میل دور ایک دشوار گزار علاقے سینا میں ہیں۔ ساون کے دس رشتہ داروں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ہے"۔

۴۰۔ "اطلاع ملی ہے کہ ساون ایک بڑے گروہ کے ساتھ ۱۱ مارچ ۱۹۱۳ء کو برطانوی خطے میں داخل ہو چکا ہے"۔

۴۱۔ ۱۹۱۵ء۔۱۹۱۶ء۔ بدنام زمانی موسٰی خیل فراری کی تین ساتھیوں سمیت گرفتاری اہم فتح تھی۔ انہوں نے ژوب اور لورالائی کے حدود میں لاتعداد حملے کئے تھے اور کم از کم ۱۴، افراد کو قتل کیا تھا۔ ساون کو اپنے بیٹے اور بھائی سمیت سال کے آخر میں پھانسی دی گئی"۔

۴۲۔ "بدنام زمانہ فراری، موسٰی خیل کے ساون نے مرغہ سے فورٹ سنڈیمن سے موسٰی خیل کی سڑکوں پر کئی وارداتیں اور حملے کئے۔ وہ اپنے بیٹے پائندئ، بھائی پالے اور ایک کدیزئی ساتھی یار محمد سمیت پکڑا گیا۔ انہیں قادر خان اور خان صاحب علو خان لہرزئی کے دیگر چار بھائیوں نے موسٰی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خیل اور ژوب کو تقسیم کرنے والے مقام سور غر میں ۱۴ اپریل ۱۹۱۴ء کو پکڑا۔ ان پر قاتلانہ بلوہ ایکٹ کے تحت مقدمہ چلا اور پہلے تین افراد (ساون، پائندی اور پالے) کو لورالائی میں ۲۰ مئی ۱۹۱۶ء کو پھانسی دی گئی۔ چوتھے شخص کو آگرہ جیل میں بیس سال قید کی سزا دی گئی"۔

۴۳۔ "ساون اور اس کے تین ساتھیوں کو گرفتار کرنے والے قادر خان لہرزئی اوران کے سپاہیوں کو ۴۰۰۰ روپیہ نقد انعام دیا گیا جس میں سے ۲۰۰۰ روپیہ حکومت بلوچستان اور ۲۰۰۰روپیہ ضلع ڈیرہ غازی خان کی طرف سے پولیس کے انسپکٹر جنرل نے ساون کو پکڑنے اور ان کی موت پر انعام میں دیئے۔ ان کے لئے ۲۵ سے ۵ من غلہ، جو کل ۹۵ من بنتا ہے، تاحیات وظیفے کے طور پر دینے کی منظوری دی گئی۔ اس کے علاوہ لیویز سے ہر سال چھ مہینے ۳۰ روپیہ ماہوار قادر خان کو دیا گیاجو ان کو پکڑنے میں مرکزی کردار تھا۔ اسی طرح خان صاحب علو خان کو اس گرفتاری کو انجام دینے والے خاندان کے سربراہ کے طور پر ۱۰۰ روپیہ کی خلعت دی گئی"۔

"ساون اور دیگر فراریوں کو پناہ دینے کے کچھ معاملات کو مئی ۱۹۱۶ء میں شین غر میں ہونے والے بین الصوبائی جرگے میں حل کر لیا گیا لیکن بد قسمتی سے سب معاملات حل نہیں کئے جا سکیں۔ اس جرگے میں مندرجہ ذیل جرمانے عائد کئے گئے:

بیل خیل کی شاخ حسن خیل	۲۰۰۰روپیہ
بیل خیل کی شاخ کدیزئی	۳۳۳۳ روپیہ
بیل خیل کی دیگر چھوٹی شاخیں	۲۰۰۰روپیہ
کل	**۷۳۳۳ روپیہ**

۴۴۔ فراریوں کو عام طور پر پناہ اور راستہ دینے کی پاداش میں زمینداروں سے لیویز کی تین مہینے کی تنخواہ، جو ۴۴۰ روپیہ بنتی ہے، لی گئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی سزا نہیں دی گئی کیونکہ ایک موقع پر انہوں نے ساون اور اس کے گروہ پر فائرنگ بھی کی تھی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۴۵۔ ۱۱۔۱۹۱۰ء کے دوران حکام نے برٹش بلوچستان کی ژوب ایجنسی میں یورپی زیتون، مختلف اضلاع میں امریکی مکئی، کوئٹہ اور سبی میں زعفران کی افزائش کے کئی تجربات کئے۔ صوبے میں میوے کی صنعت کے فروغ کے لئے اقدامات اٹھائے۔ پولیٹیکل ایجنٹ سبی نے آسٹریلیا سے بھیڑوں کی ایک نسل درآمد کر کے مری پہاڑوں میں تجربات کئے۔

۴۶۔ "سبی کی میونسپل زمین پر آمدن کے بندوبست کی میعاد ۳۱مارچ ۱۹۱۱ء کو ختم ہوگئی۔ پولیٹیکل ایجنٹ سبی کی سفارش پر پانچ سال کے لئے اس پر لگان ۲۔۶۔۳۰۷۳ روپیہ سے بڑھا کر ۸۔۱۳۔۳۳۵۰ روپیہ سالانہ کر دیا گیا۔ میونسپلٹی زمین کا محصول سابق مول کے چوتھے حصے کی ادائیگی کی صورت میں جاری رکھے گی"۔

۴۷۔ "ریکارڈ اور تفتیش سے یہ حقائق سامنے آئے ہیں کہ گورگیج کے سوار کے عہدے پر خدو ولد کریم بخش گورگیج کا حق تھا۔ ۱۹۱۲ء میں اس خدو کی تھانے میں زیر حراست ایک عورت کے ساتھ آشنائی تھی۔ جمعدار ارباب خان لونی کے بھتیجے لیویز کے پیادہ دوست محمد خان لونی اور سوار بخشو سہریانی نے خدو کو اس عورت کے ساتھ دیکھا اور اس غیر اخلاقی حرکت پر اس کو تنبیہہ کی۔ اس راز کے افشاں ہونے پر خدو اشتعال میں آیا اور اس نے اچانک تلوار کے واروں سے دوست محمد خان لونی اور بخشو سوار کو قتل کر دیا۔ خدو کو اس جرم کی سزا دی گئی اور حکام نے سوار کا عہدہ صمد خان ولد ارباب خان لونی کو دے دیا"۔

۴۸۔ "قلعہ عبداللہ کے غلام نبی خان اچکزئی اپنے دو چھوٹے بیٹوں شیر جان اور فیض محمد کے ہمراہ ۱۳ مئی ۱۹۱۲ء کی شب اپنا گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ معروف عبداللہ خان کے پوتے ہیں جنہوں نے ۱۸۴۲ء میں کابل میں انگریزوں پر حملے میں حصہ لیا تھا۔ ان کے اس طرح اپنا گھر چھوڑنے کی وجہ اپنے رشتہ داروں سے رنجش بتائی جاتی ہے۔ ان کا ایک بیٹا شیر خان واپس آ چکا ہے۔ اس خاندان کی ہمیشہ سے کندھار میں کافی جائیداد ہے اور افغان اہلکاروں سے ان کے تعلقات ہیں۔ احمد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خان (کندھار کے موجودہ مرکزی گورنر) غلام نبی خان کے چچازاد ہیں۔ (ایچ ڈوبس، پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ پشین ۱۳۔۱۹۱۲ء)"۔

۴۹۔ "۱۹۱۲/۱۹۱۳ء۔ ایجنسی کے شمالی حصے میں لونی بھی ایک اندرونی تنازعے کی وجہ سے مصیبت میں رہے۔ ان کے سردار (نواب خان) بہت لالچی اور حریص ہیں انہوں نے اس بنیاد پر اپنے قبیلے کی ہمدردی حاصل کی ہے کہ انہوں نے ایک مری کو اس لئے ملازم رکھنے کو کہا ہے تاکہ ان کو لگام دیں"۔

۵۰۔ نواب کہول جوگیزئی مارچ ۱۹۱۳ء میں زنگیوال (لورالائی) میں آباد ہوگئے۔

۵۱۔ "۱۹۱۴ء۔ موجودہ افواہوں کے باوجود جنگ کی وجہ سے افغان سرحد پر بہت کم اثرات پڑے ہیں۔ شکریہ امیر کا سختی سے غیر جانبدار رہنے کے رویہ کا، جسے ان کے گورنروں نے بھی مان لیا۔ ابتدا میں کندھار صوبے کے زمیندار کے طالب علموں کے اجتماع سے پیدا ہونے والی سے صورتحال سے جنونیت کے خطرے کا ڈر تھا۔ لیکن اس خطرناک رجحان کو گورنر کے بروقت اور فوری اقدامات نے دبادیا اور اس کے نتیجے میں ہونے والی دہشت کو روک دیا"۔

۵۲۔ جنوری۔ فروری ۱۹۱۵ء میں لورالائی میں مریوں نے پاوندوں کے بہت سارے مویشی چوری کر لئے۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے یہ سن کر ایسا کیا کہ نوروز میں افغانوں اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہونے والی ہے اس لئے انہوں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ افغان واپس افغانستان چلے جائیں ان کو مویشی سے محروم کیا جائے۔ مذہبی بنیاد پر نوروز میں ہونے والی جنگ کے اس افواہ پر کوئی بھی ذی حس افراد یقین نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن عام لوگوں میں یہ تاثر بہت زیادہ تھا۔ صرف ایک واقعہ ہوا کہ اپنے بھولے پن کی وجہ سے ژوب ملیشیا کے عملے کے تمام لوگ اپنے اسلحے سمیت سرحدی چوکی چھوڑ کر سرحد پار چلے گئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

یہ واقعہ ۲۱ مارچ ۱۹۱۶ء کو پیش آیا۔ اس عملے میں ۳۶ سنٹیا کا کڑ اور این۔ ڈبلیو۔ ایف۔ پی کے ۱۵ پٹھان شامل تھے۔ یہ دراصل ترکی کا اتحادیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کا نتیجہ تھا جس نے افغانستان میں اس افواہ کو ہوا دی۔

"ساراوان سردار کا رویہ اطمنیان بخش ہے۔ ساراوان کے مرکزی سربراہ سر غوث بخش کے۔ سی۔ آئی۔ ای کی موت نے پورے بلوچستان کو رنجیدہ کر دیا۔ وہ اپنی راستبازی اور وفاداری کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے"۔

یہ انتہائی مایوس کن بات ہے کہ بلوچستان کی سیاسی اور انتظامی تاریخ پر مندرجہ ذیل مقامی لکھاریوں نے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۴ء کے دوران بلوچستان میں ہونے والے ان واقعات کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

۱۔ مرحوم سردار خان گشکوری کی تصنیف ۱۹۵۸ History of Baloch Race صفحہ ۲۴۰

۲۔ میر خدا بخش مری کی ۱۹۷۴ Searchlights on Balochistan صفحات ۱۴۷، ۲۹۷، ۲۹۸

۳۔ میر احمد یار خان کی ۱۹۷۵ Inside Balochistan صفحات ۱۰۸، ۱۰۹

۴۔ میر گل خان کی تاریخ بلوچستان جلد اول و دوئم ۱۹۷۹ء کے صفحات ۳۴۸ سے ۳۵۴ اور ان کی ۱۹۸۲ Balochistan in the Light of Old and Recent History صفحہ ۲۹۴

۵۔ عزیز بگٹی کی تاریخ بلوچستان ۱۹۸۴ صفحات ۱۶۷، ۱۶۸

۶۔ عنایت اللہ بلوچ کی کتاب The Problem of Greater Balochistan ۱۹۸۷ کے صفحات ۱۴۳، ۱۴۳

۷۔ طاہر محمد خان کی سیاسیات بلوچستان ۱۹۸۸ صفحہ ۱۵۴

۸۔ جان محمد دشتی کی ۱۹۸۹ Essays on Baloch National Struggle صفحہ ۱۶۶

۹۔ پروفیسر غنو کی بابائے پشتون ۱۹۹۰ء صفحات ۲۶، ۲۷

حقیقت کا حال جاننے کے لئے اس دور کو مزید اضافی حوالوں کے ساتھ گہرائی میں مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے حوالے سے لکھاری ایک جامع بیانیہ پیش کرنے کے قابل ہوں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۱

۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان کی جانے والی دربار کی تقاریر کے مندرجات

میں نے فائل بعنوان 'A.G.G BAlochistan – Year ۱۹۲۶ – Main Heading VII: Darbars' پڑھی ہے۔ اس فائل میں ان تقاریر کے مندرجات ہیں جو جو گورنر جنرل کے ایجنٹس[11] سبی کے درجِ ذیل صوبائی دربار میں کرتے رہے ہیں:

(۱)۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۰، (۲) ۱۷ فروری ۱۹۱۲ء، (۳) ۱۵ فروری ۱۹۱۳ء، (۴) ۲۱ فروری ۱۹۱۴ء، (۵) ۱۳ فروری ۱۹۱۵ء، (۶) ۱۹ فروری ۱۹۱۶ء، (۷) ۱۷ فروری ۱۹۱۷ء، (۸) ۱۹ فروری ۱۹۱۸ء، (۹) ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء، اور اسی طرح وائسرائے کی وہ تقریر بھی شامل ہے جو انہوں نے ۲۴ فروری ۱۹۱۷ کو کوئٹہ میں کی تھی۔

۱۹ فروری ۱۹۱۰ کی تقریر میں موسٰی خیل کے قائم مقام سردار (مولاداد خان) کے قتل، کچھی اور ارد گرد میں اکتوبر ۱۹۰۹ء کے شدید زلزلے، اور ہندوستان کی آنے والی مردم شماری پر بات کی گئی ہے۔ ۱۷ فروری ۱۹۱۲ء کی تقریر میں کرنل رامسے سی۔ ایس۔ آئی افسر شاہی اور قبائلی سربراہوں کے تعاون سے دہلی دربار کے بہترین انتظامات، مریوں کو لونی کے علاقے میں مویشی چَرانے کی اجازت، پرامن طور پر ہونے والی مردم شماری، سرحد پار سے آئے شرپسندوں کی بازئی پر حملے، انمبار اور نارپچی میں اری گیشن کے منصوبے پر بات کرتے ہیں۔ اے۔جی۔جی سیوی

[11] A.G.Gs

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

دربار میں ۱۵ فروری ۱۹۱۳ کو ہونے والی اپنی تقریر میں بازار اور ریلوے کے حدود سے باہر رہنے والے لوگوں کو بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنے پر پابندی، اپنی چھٹی کا قیمتی مہینہ کوئٹہ اور پشین میں ٹڈیوں کو مارنے میں گزارنے کا حوالہ دیتے ہیں وہ خصوصی طور پر ژوب لیویز فورس میں براہوی ملازمین کی بہادری اور ایک کمپنی میں مزید براہویوں کو ملازمت دینے کی حکومتی منظوری کی بات کرتے ہیں۔ وہ ژوب کے جوگیزیوں کے نواب کہول اور اسحٰق کہول کے مابین اندرونی تنازعے کے حل کا حوالہ دیتے ہیں۔ سیوی دربار کے ۲۱ فروری ۱۹۱۴ء کی تقریر میں ۲۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کو مسافر پور میں ہونے والی ڈکیتی، موسیٰ خیل بازار میں ساون موسیٰ خیل کے ساتھ نور محمد یاسین زئی کی گرفتاری کا ذکر کرتے ہیں جن کے سر پر ایک ہزار روپیہ کا انعام تھا جو خان صاحب جان گل، باز محمد اور فتح گل بیل خیل موسیٰ خیل کو ادا کیا گیا۔ اے۔جی۔جی نے ہرنائی میں گندم کی فصل کو لگی بیماری، لوئی بند بارڈر چوکی سے جالئی لونی کا لیویز تھانیدار کو چار ساتھیوں سمیت اغوا کرنے کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ بلوچستان میں ہونے والے اس نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔ جالئی لونی نے تاوان کے لئے ۲۰۰۰۰ روپیہ کا مطالبہ کیا جسے دینے سے انتظامیہ نے انکار کیا۔ اے۔جی۔جی نے شربت خان کی جام آف لسبیلہ کے وزیر کے طور پر تعیناتی، موسیٰ خیل تحصیل کی ژوب ایجنسی اور ہندوباغ قلعہ سیف اللہ کی تحصیل کو لورالائی میں شامل کرنے کی تجویز، سردار بہادر محمد اکبر خان کی دربار میں واپسی، کوئٹہ میں شاہ ایڈورڈ ہفتم کے یادگار کی تکمیل اور ناڑی گورج سے سبی کو پائپ کے ذریعے پانی کی ترسیل پر بھی بات کی۔

۱۳ فروری ۱۹۱۵ء کے سبی دربار کی اے۔جی۔جی کی تقریر میں ہمیں پہلی عالمی جنگ، جرمنوں پر انگریزوں کو حاصل برتری، برٹش بلوچستان کے تمام حصوں کی طرف سے مدد کی فراخدلانہ پیشکش، کوئٹہ، پشین، سبی، لورالائی، ژوب، قلات اور چاغی کے عوام کی طرف سے ۶۸۸۲۰ روپیہ کے چندے۔ قلات اور کوئٹہ کی طرف سے ۲۳۰۰۰ روپیہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ تاہم انہوں نے برطانویوں کے خلاف مہم، سید حمید، گلستان، قلعہ عبداللہ، لورالائی اور دلکونہ کی سڑکوں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

پر حملوں کی تردید کی۔ انہوں نے خانِ قلات، لسبیلہ کے جام کا ان کی طرف سے جنگ کے سازو سامان کی ترسیل کے لئے فراہم کردہ اونٹوں کے قافلے پر شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کے۔بی میر شمس شاہ، کے۔ایس ارباب کرم خان، سیٹھ کیقباد، رئیسانی، شاہوانی، بنگلزئی، محمد شہی، کرد، لہڑی اور لانگو سرداروں کا بھی جنگ میں تعاون فراہم کرنے پر شکریہ ادا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سبی میں ناڑی بند اور پائپوں کے ذریعے پانی کی فراہمی کا کام شروع ہے اور موسٰی خیل لیویز میں موجود ناراضگی کو بجرانی مریوں کے تعاون سے دور کر دیا گیا ہے اور یہ کہ بڑبیچ قبائلیوں کی برٹش بلوچستان میں داخلے پر پابندی پر غور کیا جارہا ہے۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۶ء کے سیوی دربار کی تقریر میں کرنل سر جون رامسے لیویز کے پیادہ اور سوار سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافے اور سردار مراد خان سارنگزئی ولد سردار علیم خان سارنگزئی کو ژوب ملیشیا میں جمعدار کی نوکری دینے کی حقیقت پر بات کرتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ بھرتی کے لئے ۶۵ سپاہی لے کے آیا تھا۔ انہوں نے سبی میں خواتین کے لئے ڈسپنسری اور ناڑی بند پر جاری کام پر بھی بات کی ہے۔ انہوں نے شیرانی سکاؤٹ کی طرز پر موسٰی خیل سکاؤٹ قائم کرنے اور پہلی عالمی جنگ کے درج ذیل حقائق کا حوالہ دیا:

"اس دربار میں دلچسپ موضوع محمڈن کی طرف جرمنی کا رویہ ہے۔ وہ محمڈن کے اندر یہ تصور پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں کہ یہ ایک مذہبی جنگ ہے۔ لیکن اس موضوع کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یورپ کی مردم شماری کے مطابق ایک طرف کے ۲۷۱۰۰۰۰۰۰ عیسائی دوسری طرف کے ۱۲۱۰۰۰۰۰۰ عیسائیوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ چھوٹے فریق کی طرف ترک بھی ہیں۔ ترکی کی آبادی ۲۰۰۰۰۰۰۰ ہے لیکن ان میں بڑی تعداد عیسائیوں اور یہودیوں کی ہے۔ ترکی کے محمڈن کی آبادی ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی کا صرف ایک تہائی ہے (۶۶ ملین)۔ میں نہیں سمجھتا کہ انگلینڈ، روس اور فرانس کی نسبت زیادہ محمڈن جرمنی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف مسلم برادریوں نے ترکی حکومت کو جنگ سے دور رہنے کے تار (ٹیلی گرام) بھیجے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی محمڈن ملک نے جرمنی کا ساتھ دینے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کے ترکی کے مثال کی تقلید نہیں کی ہے جبکہ اتحادیوں کا ساتھ نہ صرف مسلمان سپاہی دے رہے ہیں بلکہ آزاد افراد جیسے البانیہ کے عیساد پاشا، کویت اور محامیرہ کے شیخ ، ہندوستان کے محمڈن سربراہوں کی طرف سے گرانقدر تعاون، ریلیف فنڈ میں چندے اور انجمنوں کی قراردادوں کے ذریعے بھی ساتھ دے رہے ہیں۔ لوگ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ ایک مقاصد اور نظریات کی جنگ ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ترکی کی حکومت ان چند بدنام لوگوں کے اثر میں آگئی ہے جن کا خود مذہب سے کچھ لینا دینا نہیں ہیں"۔

"یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ انور پاشا اور ان کے دوست کے لئے ضروری نہیں تھا کہ وہ بڑوں کی اس جنگ میں دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ دیں۔ اگر ترکی غیر جانبدار رہتا تو اتحادی ترک ریاست اور اس کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت دیتے۔ فارس میں کوئی انور پاشا نہیں تھا لیکن فارسی حکومت نے جرمنی کو دوسرے طریقہ کار اپنانے پر مجبور کیا۔ وہ فارس میں پھیل گئے اور سپاہیوں کے دستوں کو بھاری رشوت دے کر انہیں شاہ کے خلاف بغاوت پر اکسانے کی کوشش کرتے رہیں۔

فارس میں ناکامی کے بعد جرمنی نے کچھ فساد کرنے والوں کو افغانستان بھیجا۔ وہ عالیجاہ کو متاثر نہیں کر پائیں گے جنہوں نے بہت پہلے کھلے عام غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا تھا اور ان کے گورنروں نے تاحال بلوچستان کے حوالے سے دوستانہ رویہ رکھا ہے۔ یہ فساد کرنے والے شاید سوچتے ہیں کہ محض کابل میں ان کی موجودگی بھی سرحد پر پریشان کن صورتحال پیدا کرے گی۔ لیکن ذرا سا ردعمل ان لوگوں کو ڈھا دے گی وہ کابل میں اس وقت تک رہ سکتے ہیں جب تک انہیں وہاں رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان کے پاس افغان سرحد پار کر کے روس یا فارس کی حدود میں جانے کے کم مواقع ہیں۔ اگر عالیجاہ بادشاہ نے ان کی جو مہمان نوازی کی ہے تو یہ مشرقی روایات کا حصہ ہیں، یہ کسی بیوقوفانہ کہانیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں دیتی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کرنل سر جون رامسے نے ۱۷ فروری ۱۹۱۷ کے سبی دربار سے دوبارہ خطاب کیا۔ انہوں نے میر شمس کے لئے نواب کا خطاب اور مکران میں نواب مہراللہ خان کے خدمات کی تعریف کی۔ انہوں نے کے۔ ایس جان محمد کھوسو، میر میرو خان ڈومکی اور سردار داداخان زرکون اور ان کے ساتھ خانئ کی اموات اور کروم کے کانکنوں کے لئے زیر تعمیر ہندوباغ ریلوے لائن کا ذکر بھی کیا۔ انہوں نے میجنٹر کے پوسٹ ماسٹر کے قتل، صدر قانونگو ژوب ایجنسی اور امریکہ کا اب تک جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ نہ کرنے کا حوالہ دیا۔ ۹ فروری ۱۹۱۸ ء کے سبی دربار میں ڈوبس نے خطاب کیا۔ انہوں نے مکہ کے شریف کا ذکر کیا جنہوں نے ترکوں کے خلاف کامیاب بغاوت کی اور افغانستان کو بھی یاد کیا جو جنگ کے دوران برطانیہ کا مضبوط اور پائدار اتحادی رہا۔ انہوں نے قبائلی سرداروں کو مہنگائی بڑھنے کے عمل پر تحمل سے کام لینے، افواہوں پر کان نہ دھرنے اور جنگ میں برطانیہ کے لئے بھرتی میں ساتھ دینے کا مشورہ دیا۔ اس حوالے سے انہوں نے سردار بہادر سردار عبدالرشید خان شاہوانی، کے۔ بی وڈیرہ نور محمد بنگلزئی، سردار نوروز خان لانگو، نواب قیصر خان مگسی، وڈیرہ سردار خان رند اور سردار بہرام خان لہڑی کی تعریف کی۔ انہوں نے سردار صحبت خان گولہ اور سیوی کے پنڑی افغانوں کی بھی تعریف کی جنہوں نے بالترتیب ۵۰ اور ۴۰ بھرتیاں دیں۔ انہوں نے دین محمد خان مرغزانی (ول خان صاحب ولہاڑی خان) کا اپنا آپ بھرتی کے لئے پیش کرنے پر خصوصی شکریہ ادا کیا۔ اے۔ جی۔ جی نے مریوں، بگٹیوں اور پشتون قبائل سے مایوسی کا اظہار کیا جو نئی بھرتیاں دینے میں تذبذب کا شکار تھے۔ تاہم سارنگزئی پشتون اور ضلع سبی کے پنڑی اس میں شامل نہیں تھے۔ صوبے کے ترقیاتی منصوبوں پر بات کرتے ہوئے انہوں نے دوسرے اقدامات کے علاوہ صوبے کے باشندوں کو جدید فارسی سیکھنے کے عمل کو فروغ دینے کی بھی تجویز دی۔ انہوں نے کروم کی پیداوار میں اضافے اور اس کی جنگی مقاصد میں استعمال کا حوالہ بھی دیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۵ فروری ۱۹۱۹ء کے ڈوبس کی سبی دربار کی تقریر بیس صفحات پر مشتمل ہے جو اس وقت تک کی جانے والی تمام تقاریر سے طویل ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں برطانوی اور ہند حکومت سے متعلق اہم موضوعات کا احاطہ کرنا تھا۔ پہلی عالمی جنگ میں فتح، اس میں براہویوں اور بلوچوں کی طرف سے حاصل فراخدلانہ تعاون اور اور اس حوالے سے صوبے کے افغانوں کا تذبذب بھی ان موضوعات میں شامل تھے۔ اسی طرح فروری ۱۹۱۸ء میں مری کھیتران بغاوت کی ناکامی کے بعد کی صورتحال، دو قبیلوں کے جنگ کی تلافی کی ادائیگی، مینگلوں کو کچلنے اور ریاستِ قلات کے وڈھ علاقے میں گرگ ناڑی بغاوت بھی اس تقریر کی موضوعات تھے۔

اے۔جی۔جی نے ناڑی نہر پر میک گریگور کے کام اور اس کے نتیجے میں آبپاشی کے پانی میں اضافے، خان صاحب ولہاڑی خان اور ان کے بیٹے دین محمد خان مرغزانی کے گرانقدر زرعی تجربات کا بھی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے شاہی جرگہ کے اجلاسوں کے دوران رہائش کے ناکافی سہولیات، خان صاحب صحبت خان گولہ ایم۔بی۔ایف کی سرائے کاروان، جسے بعد میں صحبت سرائے کہا گیا، کی تعمیر کے لئے ۲۵۰۰۰ روپیہ کے تحفے کے احسن اقدم کا بھی ذکر کیا۔ وہ موضع تلی اور مل میں خشک سالی پر بھی بولے۔ اور انہوں نے متاثرہ لوگوں کو سردیوں کی بارشوں کا انتظار کرنے اور ایران کے ساتھ تجارت کے مواقعوں سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔

آخر میں انہوں نے ریذیڈنسی سرجن کرنل ڈیوک، ریاستِ قلات کے سابق سیاسی مشیر قاضی جلال الدین، مولوی عبدالغفور ہمایونی،، سبی کے سابق ای۔اے۔سی رائے بہادر دیوان گنپت رائے اور قائم مقام ای۔اے۔سی لالہ آتمارام کی موت پر افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے پیرانہ سالی کی وجہ سے رائے بہادر دیوان جمعیت رائے کے پنشن ہونے پر دکھ کا اظہار کیا اور سبی کے کُڑک گاؤں کے سردار مصطفیٰ خان باروزئی کے لئے ۸۰۰ روپیہ کی سالانہ جاگیر کی منظوری پر خوشی کا اظہار کیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مولوی صاحب ہمایونی کافی عرصے سے پیچیدہ عدالتی معاملات کے فیصلے کرتے رہے تھے۔ اسی طرح رائے بہادر گنپت رائے ان قابل افسروں میں سے تھے جو سر رابرٹ کے ساتھ برٹش بلوچستان میں داخل ہوئے تھے اور انہوں نے مشکل ادوار میں تقریباً سبی میں ہی خدمات انجام دیں۔

۱۹۹۶ء میں جب میں بلوچستان ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا چیئرمین تھا تو میں نے شکارپور کے ایک انجنیئر کو اس تفتیش پر لگایا کہ وہ میرے لئے مولوی عبدالغفور کی سوانح عمری کے حوالے سے اضافی معلومات اکٹھی کریں۔ ان کی کوششوں سے درج ذیل معلومات ملیں:

"مولوی صاحب کے والد کا نام میاں محمد یعقوب تھا اور ان کے دادا کا نام میاں معروف تھا۔ انہوں نے اپنے قبیلے کو خفیہ رکھا اور اس کی بجائے انہوں نے 'پیچوہو' قبیلے کو اپنایا۔ میاں معروف کو وفات کے بعد زیارت اور دکی کے علاقے 'پوئی' میں دفنایا گیا۔ ان کے اباء و اجداد افغانستان سے آئے تھے اور دکی کے علاقے پوئی میں آباد ہو گئے تھے جہاں سے انہیں بار بار لگنے والی پراسرار آگ کے واقعات کو قابو میں کرنے کے لئے ہمایوں قصبے لایا گیا۔

اب ان کی زیارت پر خاص بندہ عبدالباقی ہے، جنہوں نے ۲۴ اپریل ۱۹۹۶ء کو یہ معلومات شکارپور کے ایک زمیندار کو دیں جس نے بی۔ ڈی۔ اے کے انجینئر تک پہنچائیں"۔

بہت ممکن ہے کہ مولوی صاحب اور ان کے اباءواجداد کا تعلق ضلع لورالائی کے سب ڈویژن دکی کی تحصیل سنجاوی کے افغان قبیلے "پیچی" سے ہو۔ اور اسی لئے انہوں نے اپنے آپ کو "پیچوہو" قرار دیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کچھی کے "پیچوہو" اصل میں سنجاوی کے پوئی کے علاقے کے پیچی ہوں۔

لگتا ہے کہ فروری ۱۹۱۹ء کی دربار سے پہلے اس کے شرکاء زمین پر بیٹھا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دربار میں اے۔ جی۔ جی نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ شرکاء کے بیٹھنے کے لئے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اب کرسیاں فراہم کی گئی ہیں۔ تاہم انہوں نے اس سہولت کو ایک مثال کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کرنے کی بھی تاکید کی کیونکہ ضرورت کے تحت واپس بیٹھنے کے پرانے طریقے پر جایا جا سکتا ہے۔ خطاب کو سمیٹتے ہوئے انہوں نے درباریوں کو بڑے دکھ کے ساتھ اپنے تبادلے کا بھی بتایا۔

چونکہ خان بہادر صحبت خان گولہ ایم۔بی۔ای نے سبی اور نصیر آباد میں عوام کی فلاح کے کئی کام کئے تھے۔ برطانوی دور کے ان کی سوانح عمری کے حوالے سے (جولائی ۱۹۲۸ء) میں موجود درج ذیل حقائق دیئے گئے ہیں:

"۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنی جدوجہد سے کامیابی حاصل کرنے والے، خاکسار، توانا، چالاک اور تجارتی قابلیت کے حامل شخص ہیں۔ اسی لئے وہ دولتمند اور بااثر ہوئے ہیں۔ اپنی دولت، سالمیت اور ذوقِ سلیم کی وجہ سے وہ سب ڈویژن کے بااثر شخص ہیں۔ نصیر آباد اور اپر سندھ فرنٹیئر میں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ انہیں خان بہادر کا خطاب دیا گیا جسے ۱۹۰۷ میں ان سے واپس لے لیا گیا۔ بعد میں انہوں نے جھٹ پٹ میں کاروان سرائے کی تعمیر اور مقامی تنازعوں کی ثالثی کا کردار ادا کرنے کے ذریعے حکام کی حمایت پھر سے حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے ۱۲۰۰۰۰ روپیہ کی مالیت سے صحبت پور میں ایک عمدہ مسجد تعمیر کی۔ وہ تعلیم میں دلچسپی لیتے ہیں اور مقامی سکولوں کی زیبائش اپنے خرچے سے کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، انہیں کمشنر سندھ اور اے۔جی۔جی کے دربار میں دوبارہ ایک نشست دی گئی۔ وہ حکومت کے وفادار ہیں اور انہوں نے ۱۸۔۱۹۱۴ء کے دوران بھرتیاں کرنے میں تعاون فراہم کیا۔ انہوں نے سبی میں بھی اپنے خرچے پر ایک لاکھ روپیہ کی لاگت سے ایک بڑی سرائے تعمیر کی اور اس کو چلانے کے لئے کے لئے ۱۵۰۰۰ روپیہ اضافی بھی دیا۔ ان کی مسلسل خدمات کے نتیجے میں ان کے لئے خان صاحب کا خطاب ۱۹۱۶ء میں دوبارہ بحال کیا گیا اور ۱۹۱۹ میں انہیں ایم۔بی۔ای بنایا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا کہ لونی مسجد اور مدرسہ کے مہتمم مولوی خدا بخش لونی ایک مشہور مذہبی عالم تھے۔ وہ جیکب آبادے کے مشہور عالم مولوی عبدالغفور ہمایونی (وفات: ۱۹۱۸/۱۹۱۹ء) کے شاگرد تھے۔ جب میں اس مدرسے کا طالب علم تھا تو میں نے اپنے بڑوں اور خصوصاً استاد محمد قاسم سے سنا تھا کہ (اگست ۱۹۱۵ء) میں مولانا عبید اللہ سندھی نے افغانستان جاتے ہوئے کچھ راتیں لونی گاؤں کی مسجد اور مولوی عبدالعزیز کھوسو کے ساتھ مشکاف کے مدرسے میں قیام کیا تھا۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے ناڑی گرج ریلوے اسٹیشن سے ہرنائی۔ بوستان۔ کوئٹہ ریل میں چلے گئے۔ مولوی خدا بخش کی بیٹی اور میری بیوی کی والدہ بی بی فاطمہ بھی یہی کہانی بتاتی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اس کی وجہ سے مولوی خدا بخش اور خان صاحب حاجی احمد خان، جو برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ کے دباو میں تھے، کے مابین ٹکراو پیدا ہوا۔ اس وقت بی بی فاطمہ ۱۰ سال کی تھی اور وہ اپنے والد سے پوچھتی تھی کہ اس ہندوستانی مولوی کی وجہ سے کیا ایسی بات ہوئی ہے؟ والد انہیں خاموش رہنے کو کہتے تھے۔ مولوی خلیل الرحمان نے بھی مجھے ایک بار بتایا کہ لونی مدرسہ میں مولانا عبید اللہ سندھی کے قیام کی وجہ سے مولوی عبدالعزیز کو حکام نے کوئٹہ بلا کر اے۔ جی۔ جی کے سامنے پیش کیا۔ وہ ان کے سادہ لباس اور گنوار برتاو کو دیکھ کر حیران ہوئے اور اس وجہ سے انہوں نے مولوی کے خلاف کوئی سخت اقدام نہیں اٹھایا اور انہیں صرف اپنے دربار سے غیر رسمی طور پر رخصت کر دیا۔ اس لئے محمد حاجن شیخ (مصنف Moulana Obaidullah Sindhi: Revolutionary Scholar) کے صفحہ ۳۱ پر اس ورژن کو درست کرنے کی ضرورت ہے:

"اپنے آپ کو حکومت کی سخت نگرانی سے بچانے کے لئے ہمیں کابل کے سفر کی منصوبہ بندی اور تیاری میں ایک سال لگا۔ مولانا سندھی کے مرشد دینپور کے حضرت مولانا غلام محمد نے انہیں اونٹوں پر سفر سے منع کیا۔ ریل میں کسی بھی ممکنہ گرفتاری سے بچنے کے لئے یہ فیصلہ ہوا کہ مولانا بذریعہ سڑک سندھ سے سبی جائیں گے۔ محمد علی اور میں بذریعہ ریل سبی پہنچے جبکہ مولانا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سندھی پہلے امروت گئے وہاں سے جیکب آباد کے راستے پیدل جھٹ پٹ ریلوے سٹیشن گئے۔ جھٹ پٹ سے انہوں نے کوئٹہ کی ریل پکڑی۔ سبی میں ہمیں کوئٹہ سے ان کا پیغام ملا۔ چونکہ ہمارے پاس پیسے نہیں تھے تو ہم نے چندہ کیا اور اسی روپے اکھٹے کرنے کے بعد ہم سبی سے کوئٹہ پہنچے۔ کوئٹہ سے ہمیں ایک خفیہ راستے کے ذریعے کابل جانا پڑا۔ ایک مقامی پٹھان اختر اس سفر میں ہمارا رہبر تھا۔ جس دن ہم کابل روانہ ہونے والے تھے اس دن شیخ عبدالرحیم سندھ سے ہمارے لئے سات سو روپیہ لے کر آئے۔ انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹی کے زیور بیچ کر یہ پیسے اکھٹے کئے تھے۔ ہمیں پیسے دینے کے بعد وہ فوراً اپنے گھر لوٹ گئے اور ہم کابل روانہ ہوئے"۔

مجھے یقین ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی (ریشمی رومال سازش کے حوالے سے مشہور) سبی سے لونی گاؤں آئے، وہاں سے ناڑی گورج ریلوے سٹیشن، وہاں سے ہرنائی، بوستان، پشین کے حرمزئی گاؤں وہاں سے گلستان اور آخر میں شوراوک کے راستے افغانستان پہنچے۔ وہاں سے دیوبندی افغان ملاوں کی مدد سے کندھار سے ہوتے ہوئے وہ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں کابل گئے تھے۔ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے اپنے برطانوی مخالف ایجنڈے پر امیر حبیب اللہ خان کا اعتماد جیتنے کی کوشش کی۔ لیکن ان ہندوستانی انقلابیوں کو غور سے سننے کے بعد امیر کابل میں برطانوی سفارتی نمائندے کو ان کے منصوبوں کی خبر دیتے رہیں۔ اس طرح کرنے سے وہ افغانستان کے امیر کے لئے انگریزوں کی طرف سے مراعات میں اضافہ کرانا چاہتے تھے۔ اس مقصد میں امیر کو کامیابی ملی، تاہم وہ انقلابیوں کے عزم کے لئے تعاون نہ کر سکیں۔ اس نکتے کو مزید مضبوط کرنے کے لئے سیکرٹری خارجہ برے کو اے۔ جی۔ جی، ایچ ڈوبس کا کوئٹہ سے ۱۷ مارچ ۱۹۱۹ء کو لکھا گیا خفیہ خط ذیل میں دیا جارہا ہے:

"مارچ کے پہلے پندرہ دنوں کے دوران بلوچستان کے عوام کی توجہ امیر کی موت اور کابل اور کندھار سے کوئٹہ، پشاور اور چمن کے راستے سے آنے اور جانے والے افغان پیامبروں پر رہی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کوئٹہ، پشین اور چمن میں سیاسی فنڈ سے ان کی لئے عظیم الشان فاتحے کا بندوبست کیا گیا جس میں کوئٹہ کے پولیٹیکل ایجنٹ اور دیگر نمایاں اہلکاروں نے بھی شرکت کی"۔

اپریل ۱۹۱۶ء میں ساون موسٰی خیل اور ان کے گروہ کی گرفتاری کے بعد شوراوک سرحد پر ملک صمد خان مندوزئی بڑ بیچ نے بہت سے مسائل کھڑے کئے۔ ایک بار تو انہوں نے کوئٹہ نوشکی کی ریل کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن انگریز امیر حبیب اللہ کے کندھار کے گورنر کے ذریعے اس مشکل پر قابو پانے میں کامیاب ہوئے۔ اسی عرصے میں مئی ۱۹۱۷ء میں ژوب میں داخل ہونے والے ایک بڑے محسود گروہ نے شدید مصیبت کھڑی کی انہوں نے پشین سے چمن تک کے اس سارے علاقے میں لوٹ مار کے لئے کئی حملے کئے۔ بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۸۔۱۹۱۷ء میں ذکر ہے:

"لیکن مجموعی طور پر افغان سرحد پر امن رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جلالتماب امیر افغانستان کے دوستانہ سلوک اور شر پسندوں پر افغان اہلکاروں کی نظر رکھنے کی وجہ سے ممکن ہوا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۲

۱۹۱۸ء کی مری۔ کھیتران بغاوت اور اس کی وجوہات

جیسا کہ ذکر ہوا کہ اے۔جی۔جی نے ۱۹ فروری ۱۹۱۶ء کے دربار کی تقریر میں امیر افغانستان کے دوستانہ رویے اور کابل میں پناہ گزین شر پسند جرمن گماشتوں یعنی دیوبندی ملاوں کے ساتھ نبٹنے کے سرحدی گورنروں کی کاوشوں کا حوالہ دیا تھا۔ کیونکہ پہلی عالمی جنگ کے حوالے سے قبائلی ذہنیت، دیوبند ملاوں اور دیگر ہندوستانی انقلابیوں کے پروپیگنڈے اور اسی طرح پٹھان، بلوچ اور براہوی کی مسلم خلافتِ ترکی سے ہمدردی نے صوبے میں انگریز مخالف جذبات کو تحریک دی تھی۔ اس نے برٹش بلوچستان کے دوسرے قبیلوں کی نسبت سب سے پہلے مری اور کھیتران پر اثر ڈالا۔ بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۱۷۔۱۹۱۸ء میں ہمیں مندرجہ ذیل ورژن ملتا ہے:

"پورے سال اس قبیلے کا رویہ اطمینان بخش نہیں تھا۔ وائسرائے نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے کوئٹہ دربار میں ان کو اپنی اصلاح کرنے کے حوالے سے خبردار کیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۷ء اور ۱۵ جنوری ۱۹۱۸ء کے دوران مریوں سے بھرتیاں کرنے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ (لیفٹیننٹ کرنل میک کونیگی) نے کوہلو اور کاہان کا دورہ کیا۔ فروری ۱۹۱۸ء میں مری کی طاقتور شاخ بجارانی کا حکومت کی طرف رویہ بہت معاندانہ ہوا۔ انہوں نے اپنی لیویز کی چوکیاں خالی کیں اور انہوں نے کوہلو تھانے اور گومبز کی چوکی کے خلاف احتجاج کیا۔ اس احتجاج کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ ۱۳ فروری ۱۹۱۸ء کو سبی سے روانہ ہوا۔ ۱۵ فروری کو گومبز پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ مریوں نے کوہلو جانے والے تمام دروں کو بند کر رکھا ہے اور انہوں نے گومبز اور کوہلو کے درمیان ٹیلی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گراف لائن بھی تباہ کر دی ہے۔ ۱۸ فروری ۱۹۱۸ء کو مریوں نے وٹ وانگی کے مقام پر لونی سردار کے۔ بی سردار نواب خان کو دھوکے سے زخمی کر دیا جو پولیٹیکل ایجنٹ کی طرف سے مصالحتی پیغام کے ساتھ آیا تھا"۔

آیئے اس حوالے سے میں ان خفیہ خطوں کے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں جو اے۔ جی۔ جی رامسے اور ڈوبس نے مسٹر گرانٹ سیکرٹری خارجہ اور ہندوستان کے محکمہ سیاسیات کو لکھے تھے:

۱۔ "حاجی مکہ اور اس کے ارد گرد ہونے والی جنگ کی خوفناک کہانیاں لے کر آئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ شریف اور ترک فوجوں کے درمیان متوقع مخالف کی وجہ سے انہیں مدینے جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مکہ میں کئی یورپی آفیسر موجود ہیں"۔ (خفیہ خط، مورخہ ۲ جنوری ۱۹۱۷ء سی)

۲۔ "مریوں نے بھرتی کے معاملے پر پولیٹیکل ایجنٹ کی درخواست پر مایوس کن رویہ دکھایا ہے۔ خبر دی گئی ہے کہ انہیں خفیہ طور پر ایک بلوچ سربراہ نے بھی اکسایا ہے جو چاہتا ہے کہ اس کی بھرتیوں پر اس کا اثر نہ پڑے"۔

۳۔ "بغداد کے نقیب خاندان کے لوئی یا بغدادی پیر، پیر عبدالسلام کوئٹہ پہنچ گئے ہیں۔ خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے دوستوں اور پیروی کرنے والوں کو برطانوی قبضے سے ان کے خاندان اور عبدالقادر گیلانی کی زیارت کو پہنچنے والے فائدے کے حوالے سے مدحیہ تفصیلات دیں"۔ (خفیہ خط، مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۱۸ء سی)

۴۔ "براہویوں اور بلوچوں میں بھرتی کا عمل کافی تیز ہے۔ ۶۰۰ لوگ معائنے کے لئے لائے گئے۔ مری اور بگٹی اب تک پیش رفت میں تامل کر رہے ہیں۔ لیکن ریلوے لائن کے ساتھ آباد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مری (لنگھانی) دوسرے مریوں سے الگ ہوگئے ہیں اور وہ بھرتیاں دے رہے ہیں۔ لیویز کے کچھ مری افراد نے اپنے تھانے خالی کر دیئے جبکہ دیگر ابھی موجود ہیں"۔ (خفیہ خط، مورخہ ۶ فروری ۱۹۱۸ء سبی)

۵۔ "مریوں کی مصیبت یوں شروع ہوئی، جنوری میں میں نے کچھی، قلات کے میدانی علاقوں کا دورہ کیا۔ میں نے بلوچ اور براہوی سرداروں کے ذریعے بھرتیاں کرنے کے مقصد پر اپنی توجہ رکھی اور اس میں کامیابی ملی۔ پولیٹیکل ایجنٹ سبی لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی مسلسل مریوں کے اپنے ملک میں ان سے رابطے کی کوشش کرتے رہیں۔ ان کے سربراہوں اور سرخیلوں سے پہلے ہی سر جون رامسے اور میں نے بات کی تھی۔ بگٹی سردار کے ایک خفیہ پیغام میں بتایا گیا کہ پہلے تو مری اس کے لئے تیار ہوگئے تھے لیکن پھر اچانک ان کا رویہ تبدیل ہوا۔ ان سب نے قرآن پر حلف لیا کہ وہ کوئی بھرتی نہیں دیں گے اور وہ قلات کے قبائلیوں کو ایسا کرنے پر طعنے دینے کے لئے پیامبر بھیجنے لگے۔ وائسرائے کی تقریر میں بھرتیاں دینے کی بات سن کر مری سردار اور سربراہ پھر کوئٹہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے اسی طرح کا حلف لیا تاہم انہوں نے اپنی مخالفت دکھانے اور اسے منظوری کے لئے پیش کرنے کی سیاست کے بارے میں نہیں سوچا"۔

"مریوں کی طرف سے بھیجے جانے والے طعنوں بھرے پیغامات پر قلات کے سردار طیش میں آئے اور میرے پاس آکر انہوں نے مریوں کو سبق سکھانے کی بات کی۔ انہوں نے کہا اگر ایسا نہ ہوا تو وہ اپنے قبیلے اور اپنے بھرتی کئے گئے لوگوں کو کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ میں نے لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی کو اختیار دیا کہ وہ وہ یکم فروری کو ان کے مرکزی سربراہوں کو سبی بلا کر ان کے اس رویے پر بات کریں"۔

"یکم فروری سے پہلے سبی کے میدانوں سے مریوں کا اونٹ چوری کرنے اور مری لیویز کا چوکیاں خالی کرنے کی خبریں آئیں۔ مریوں نے بلاوے کا نہ کوئی جواب دیا اور نہ ہی ان کے سربراہ پیش ہوئے۔ پھر میں نے مری لیویز کی تنخواہ عارضی طور پر بند کرنے کا حکم دیا۔ اس پر مری نواب نے کوہلو سے ایک تار بھیجا جس میں انہوں نے کہا کہ چونکہ سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ ان سے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ناراض تھے اس لئے وہ اپنے تمام آدمیوں کو کوہلو سے نکال رہے تھے لیکن وہ محصول دیتے رہیں گے۔ اس اثناء میں میں نے نیم سرکاری طور پر قبیلے کی اس رویے کی خبر دی اور میں نے سبی میں میلہ اسپاں اور جرگے کے ہفتے کے لئے جہاز بھیجنے کا کہا جو یکم فروری سے شروع ہو رہا تھا۔ میں نے ایسا اس لئے کہا کہ مریوں نے لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی کو کہا تھا کہ انہیں معلوم ہے کہ ان کے اس رویے سے سرکار ناخوش ہو گا اور وہ جہازوں کے خوف سے اپنے پہاڑوں میں چھپ جائیں گے۔ جہازوں کے لئے کہنے کا میرا مقصد یہ تھا کہ ہم سبی سے جہاز مری کے پہاڑوں پر ایک پرواز مری نواب کے لئے خط کے ساتھ بھیجیں گے۔ اگر اس کی اجازت ملی تو مجھے یقین ہے کہ مریوں کو جہاز کی طاقت سے قائل کیا جائے گا۔ یہ جہازوں کی آمد کی خبر کا اثر تھا کہ ریلوے لائن کے پاس رہنے والے مریوں (لنگھانی) نے دوسرے مری شاخوں سے اپنا راستہ الگ کیا اور انہوں نے بھرتی دینے کی پیشکش کی۔ بدقسمتی سے مری پہاڑوں پر جہازوں کے پرواز کی اجازت نہیں دی گئی، اس سے مریوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جہاز ان کی تیزی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جہاز منگوانے کا الٹا ہی اثر ہوا"۔

" اسی دوران مری قبیلے میں سازشیں شروع ہوئیں جن کے ذکر سے میں اس خط کو طویل نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ الگ ہونے والے مری نواب کے ایک بیٹے نے ایک کھیل کا آغاز کیا اس کا اپنے بھائی اور حریف کے لئے اس شاخ کی حمایت حاصل کر کے حکومت کی مخالفت کرنے کا عمل ناامیدی کا شکار ہو کر اپنی ساکھ کھو بیٹھا"۔

"۱۲ فروری کو کوہلو کے نائب تحصیلدار نے ایک مبالغہ آمیز تار میں کہا کہ مریوں نے اس پر حملہ کیا لیکن انہوں نے آخر تک تحصیل کا دفاع کیا (تفتیش سے پتہ چلا کہ مریوں نے تحصیل کے قریب محض احتجاج کیا تھا)۔ میں نے اس خبر پر یقین نہیں کیا اور میں نے دکی اور گومبز کے راستے فوری طور پر لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی کو تفتیش کے لئے بھیجا میں نے اسے تاکید کی کہ اگر انہیں کوئی دشواری ہوئی تو وہ لورالائی سے تھرڈ سکنز زہارس کے ۵۰ شمشیر زن ساتھ لے جائے۔ جب

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی راستے میں تھے تو ۱۴ فروری کو گومبز پر حملے کے حوالے سے ایک اور مبالغہ آمیز خبر ملی۔ بعد میں پتہ چلا کہ آدھی رات کو گومبز میں صرف چار پانچ گولیاں چلی تھیں اور اب تک کی تحقیق کے مطابق دو آدمیوں نے یہ فائرنگ کی۔ اس حملے کی پہلی مبالغہ آمیز خبر پر پولیٹیکل ایجنٹ لورالائی نے مزید فوجی گومبز بھیجنے کی درخواست کی لیکن یہ سننے پر میں نے ان کو یہ فرمان ملتوی کرنے کا کہا کہ کئی ایسا نہ ہو فوجیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر مری مشتعل ہو جائیں۔ میرا تار صحیح وقت پر پہنچا اور مزید فوجی نہیں بھیجے گئے۔ لیکن ۱۰۰ر سالہ پہلے ہی دکی روانہ کیا جا چکا تھا۔ لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی ۱۵ فروری کو گومبز پہنچے اور انہیں خبر ملی کہ گومبز اور کوہلو کے درمیان درے کو مریوں نے بند کر دیا ہے۔ مجھے خبر دینے پر میں نے اسے تار بھیجا کہ وہ نواب مری کو ایک مصالحتی پیغام بھیجے، جن کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ کاہان میں ہوں گے، پیغام میں ان کو یہ وضاحت دی جائے کہ ان کے ملک میں فوج بھیجنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور ان سے کہا جائے کہ اس صورتحال پر مجھے رپورٹ کی جائے۔ اسی اثناء میں لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی نے سنا کہ نواب کوہلو آ چکے ہیں اور انہیں میرا پیغام (۱۹ فروری ۱۹۱۸ء کو لونی سربراہ کے ہاتھوں) دینے کے ساتھ ان کو اس سے ملنے اور بات کرنے کا کہا۔ پیغام لے جانے والے لونی سربراہ پر درہ میں ایک مری نے حملہ کیا جس میں وہ معمولی زخمی ہوئے۔ اس کے بعد نواب مری نے ایک زبانی پیغام بھیجا کہ وہ اگلے دن لیفٹیننٹ کرنل میک کو نیگی کے خط کا جواب دیں گے۔ ۲۰ فروری کو دن ایک بجے متعدد مریوں نے گومبز قلعے پر دھوکے سے حملہ کیا سیڑھیاں لگا کر کوئی پچاس افراد قلعے کے اندر آئے لیکن ان سب کو مار گرایا گیا۔ آخر شام تک مری اپنے ۹۲ ہلاک اور ۱۱ زخمی افراد اچھوڑ کر پسپا ہو گئے۔

ہمارے بھی تھرڈ سکنز زہارس کے تین سوار، ایک پولیس کا سوار ہلاک جبکہ آٹھ سوار زخمی ہوئے۔ تھرڈ سکنز زہارس کے میجر گوسین اور لیفٹیننٹ واٹسن نے دلیری سے دفاع کیا"۔

"جب مریوں کی توجہ کوہلو سے ہٹی تو نائب تحصیلدار، پولیس اور دیگر حکام پہاڑوں کے راستے کوہلو سے نکلنے اور کھیتران قبیلے کے ملک بارکھان پہنچنے میں کامیاب ہوئے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"چونکہ یہ واضح تھا کہ مریوں کا پہلا ہدف ریلوے اور ٹیلی گراف لائن ہوں گے اس لئے میں نے ۱۲ فروری کی صبح سویرے کمانڈنگ آفیسر سبی کے مشورے سے فوری طور پر بولان ریلوے اور سبی۔ ہرنائی ریلوے سیکشن پر مسلح لیویز کی گشت بڑھا دی اور جہاں تک ممکن ہو سکا مختلف اسٹیشنوں پر دستے تعینات کئے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مقامی سربراہوں اور لوگوں کو بھی اس کی خبر دی گئی۔ پھر میں جنرل آفیسر کمانڈنگ سے صلاح کرنے کوئٹہ چلا گیا"۔

" ۲۱ فروری سے ہی میں نے ایسے اقدامات کئے کہ جن سے مریوں کو معلوم ہو کہ اگر انہوں نے مزید کاروائیاں نہ کیں تو ان کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آیا جائے گا۔ اس قسم کے پیغامات دوست مریوں کے ذریعے دیئے گئے جن کے بارے میں خیال تھا کہ وہ خفیہ طور پر ان ناراض مریوں سے رابطے میں ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل میک کونگی نے زخمی مریوں کو مصالحتی پیغام کے ساتھ اپنے قبیلے کے حوالے کرنا شروع کیا۔ گومبز میں شکست کی وجہ سے مریوں کی شان شدید مجروح ہوئی۔ وہ بدلہ لینے کے لئے بہت بیتاب تھے کہ وہ ان کے آگے بڑھنے کے عمل کو صحیح طرح نہ سمجھ سکے تھے جس کی وجہ سے ان کو کامیابی نہیں ملی۔ مریوں کی طرف سے بارکھان پر حملے کا خطرہ تھا اور چونکہ اس علاقے میں ملٹری حکام مداخلت کے لئے تیار نہیں تھے اس لئے ۲۳ فروری کو پنجاب کے حکام نے میری درخواست پر ایک یورپی آفیسر مسٹر انڈریو کی زیر قیادت ۱۵۰ بارڈر پولیس نے اس تحصیل کا محاصرہ کیا۔ ۲۴ فروری کو مریوں نے کوہلو کی نئی تحصیل اور ہوسڑی کے لیویز چوکی کو جلا ڈالا۔ ان کے بہت سارے لوگ سبی ہرنائی ریلوے کی طرف بڑھنے لگے۔ ۲۷ فروری کو انہوں نے ہرنائی کی ریل پر حملہ کیا، انہوں نے انجن ڈرائیور کو زخمی کیا اور ریل کی حفاظت پر مامور ایک محافظ کو گولی ماری۔ انہوں نے سرنگ بند کر دی اور ریل کے ڈبوں کو نقصان پہنچایا۔ اور ٹیلی گراف کی لائنیں کاٹیں۔ یہ خبر ملنے کے بعد حکومتِ ہند نے آخر ۲۸ فروری کو فوجی آپریشن کی منظوری دی جس کے لئے تیاریاں پہلے سے چل رہی تھی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"مریوں کی بغاوت کے علاوہ اس موجودہ افواہ کی خبر بڑی دلچسپ ہے کہ امیر افغانستان ترکستان کے ساتھ شامل ہو رہے ہیں اور اس مقصد کے لئے وہ اپنی فوج کو تیار کر رہے ہیں۔ یہ افواہ بھی ہے کہ گرم سیل (شوراوک اور سیستان کا درمیانی علاقہ) میں ترک اور جرمن آفیسر موجود ہیں لیکن اس کی تصدیق نہیں ہو سکی ہے"۔ (گرانٹ کو ڈوبس کا خفیہ خط، مورخہ ۹ مارچ ۱۹۱۸ء کوئٹہ)

اس کے اگلے خفیہ خط، مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۱۸ء کوئٹہ (ڈوبس کی طرف سے گرانٹ کو) کہا گیا ہے کہ مریوں کی گڑبڑ مارچ ۱۹۱۸ء کے پہلے پندرہ دنوں میں جاری رہی اور بارکھان کا کھیتران قبیلہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو رہا ہے۔ مسٹر انڈریو اپنی پنجاب بارڈر پولیس، لغاری سردار اور ان کے سواروں کے ہمراہ ۲۸ فروری ۱۹۱۸ء کو بارکھان پہنچ چکے ہیں۔ اس حرکت نے کھیتر انوں اور مصری خان (قائم مقام کھیتران سردار بختیار خان کے بھائی) کو غصہ دلا دیا اور انہوں نے فورٹ منرو کے قریب لیویز تھانے کو آگ لگا دی اور وہاں جمع کئے گئے پاوندوں کی رائفلیں لوٹ لیں۔ پھر لوہارانی مریوں کا ایک گروہ ان سے آملا اور انہوں نے بارکھان میں تحصیل پر حملہ کیا اور خزانے کو لوٹا۔ اسی دوران مریوں نے سندھ پشین سٹیٹ ریلوے کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی (اسے پانیزئی اور دیگر پٹھان لیویز نے تحفظ دیا)۔ انہوں نے سبی ٹاؤن کے دیہاتوں سے مویشی، اونٹ اور بھیڑ اور بکریاں لوٹیں اور تور خان میں فوجی اڈے پر حملہ کیا۔ آخر کار جنرل مری تادیبی فورس کے ساتھ دکی پہنچے اور حملہ کرنے والی مری گروہوں نے اپنے ملک کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

کوئٹہ سے ۴ اپریل کو لکھے گئے اپنے خفیہ خط میں ڈوبس نے ۱۵ مارچ ۱۹۱۸ کو فورٹ منرو پر مری۔ کھیتران حملے کی خبر دی۔ برطانوی فوجوں نے کئی مری اور کھیتران دیہاتوں کو جلا دیا، ان کے مویشی قبضے میں لئے، جہازوں سے کاہان پر بمباری کی۔ کھیتر انوں نے اپنے قائم مقام سردار بختیار خان کے ذریعے غیر مشروط طور پر فرمانبرداری قبول کی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو غلام بولک سبی سے مری ۲۰۰ اونٹ اٹھالے گئے اور اگلے دن انہوں نے حمبی اور چانڈیہ (سبی) گاؤں پر حملہ کیا، اور چانڈیہ تھانے کو آگ لگائی، ایک پنجابی مستری کو قتل کیا، ۳۰۰ اونٹ، ۴۰۰ بھیڑیں اور کئی گھوڑے اور گدھے اٹھالے گئے۔ انہوں نے کواٹ لیویز تھانے کو جلاڈالا اور پاوندوں اور اس کے ساتھ ساتھ تور خان اور دکی کے رہنے والوں کو لوٹتے رہے۔ انہوں نے بابر کچھ میں ایک ریل کو بھی پٹڑی سے اتارا اور کئی ریلوے ملازمین کو قتل کیا۔

۱۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو کوئٹہ سے لکھے گئے اپنے خفیہ خط میں اے۔جی۔جی ڈوبس نے مری کھیتران بغاوت کے توڑ کی علامات کے بارے میں خبر دی کیونکہ جنرل ہارڈی نے ان کو خوب کچلا اور ۱۴ اپریل ۱۹۱۸ء کو انہوں نے ماوند کے قریب ۱۵۰۰ مریوں کے لشکر پر حملہ کیا جس میں ستر باغی مارے گئے جس میں ان کے کئی قائدین بھی شامل تھے۔ اس کے نتیجے میں ۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو نواب خیر بخش مری نے اپنے تمام ساتھیوں سمیت سوائے شربت خان بجارانی سابق پولیس انسپکٹر کوہلو کے غیر مشروط طور جنرل کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ "اس کے ساتھ مری کا یہ قصہ اب شاید اختتام کو پہنچا"۔

" کھیتران کے شرائط کا اعلان جنرل ہارڈی نے ۷ مئی ۱۹۱۸ء کو کیا۔ اور مصری خان (رکھنی میں لیویز کے سابق جمعدار) وہ واحد نمایاں شخص رہ گئے ہیں جنہوں نے اطاعت قبول نہیں کی"۔

۲۰ جون ۱۹۱۸ء کو خبر ملی کہ کھیتران باغی مصری خان کندھار پہنچا جہاں سے گورنر نے اسے کابل بھیجا۔ اسی دوران جون ۱۹۱۸ء میں ہرنائی میں سرداروں کے خصوصی جرگے کا اجلاس ہوا جس میں سب نے متفقہ طور پر مری اور کھیتران کو بغاوت کے لئے قصوروار ٹھہرایا۔ اس بغاوت کی وجوہات ان کے خیال میں "بجارانی شاخ کا اس پروپیگنڈے پر یقین تھا کہ برطانوی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۔۱۹۱۸ء میں اے۔جی۔جی ڈوبس نے لکھا:

"جون ۱۹۱۸ء کے اوائل میں ہرنائی میں لسبیلہ کے خان بہادر میر شربت خان وزیر کی زیرِ صدارت منعقد ہونے والے جرگے نے اس بغاوت کی وجوہات کی تفتیش کی جس میں مریوں اور کھیتران کے سربراہوں نے بھی شرکت کی۔ جرگے نے بتایا کہ مری بغاوت کا بھرتی کے خلاف اٹھنا محض ایک بہانہ ہے۔ اس کی اصل وجہ مریوں کا اپنی اہمیت اور طاقت کو حد سے زیادہ سمجھنا تھا وہ بلوچستان میں برطانوی طاقت کے زوال اور جرمن اور ترک کی فتح کے پروپیگنڈے کو سچ سمجھ بیٹھے۔ کھیتران بغاوت کی بھی یہی وجہ تھی۔ اور ان کے پاس بھرتی کا بہانہ بھی نہیں تھا کیونکہ وہ پہلے ہی بھرتیاں دے رہے تھے۔ جرگے نے دونوں قبیلوں کے خلاف حکومتی اور نجی املاک اور افراد کو نقصان پہنچانے کے معاوضے کے دعووں کو صبر و تحمل سے سنا۔ انہوں نے معاوضے کا تخمینہ ۵۵۸۵۸۰ روپیہ لگایا اور یہ کہ نو نمایاں مری اور اکتالیس کھیتران مختلف میعاد کے لئے جیل جائیں گے۔ یہ تمام سفارشیں منظور کی گئیں۔ اس کے علاوہ شرائط میں بغاوت میں حصہ لینے والے تمام مری اور کھیتران افراد کو حاصل معافی کی ضبطی، ان پر محصول میں اضافہ، ہوائی میدان کے لئے سرکاری زمین بنانے اور مستقبل میں ہوائی میدان پر اٹھنے والا خرچہ انہی دو قبیلوں کے ذمے شامل تھا۔ مری اپنے ملک میں گاڑی کے لئے راستہ دینے کے بھی ذمہ دار ہوں گے"۔

"مریوں اور کھیتران نے شکستہ ذہن کے ساتھ جرگے میں شرکت کی اور انہوں نے باقاعدگی سے قسطوں میں معاوضے کی ادائیگی کی اور پورے سال کے دوران ان کا رویہ مثالی رہا۔ جب خزاں کے دوران مری کے علاقے میں قحط سالی ہوئی تو ڈاکے یا مویشی کی چوری کا ایک بھی واقعہ نہیں ہوا۔ سزا کا سود مند اثر آنے والے سال میں افغانستان کے ساتھ جنگ میں بھی نظر آیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"ریاستِ قلات میں مینگلوں کی میر حاجی شاخ اور گرگناڑیوں نے بھی مارچ ۱۹۱۸ء میں مریوں اور ان کے سرداروں کے مارے جانے پر ہمدری میں بغاوت کی۔ ان قبیلوں کو تفتیش کے لئے قلات کے ایک جرگے میں جرح کے لئے بلایا گیا۔ لیکن جرگے میں سید اور سردار متعین ہونے کے باوجود انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار دسمبر ۱۹۱۸ء میں پولیٹیکل ایجنٹ قلات لیفٹیننٹ کرنل رامسے قلات فورس اور قبائلی لیویز کے ہمراہ آگے بڑھے اور مزاحمت کا سامنا کرتے ہوئے انہوں نے ان قبائلیوں پر حملہ کیا جس سے ان کو کافی نقصان ہوا۔ انہوں نے قتل ہونے والے سرداروں کے خاندانوں کے لئے ان سے بھاری معاوضے وصول کئے، اوران پر پہلے سے عائد جرمانوں کے بقایاجات بھی وصول کئے گئے۔ یہ بہترین آپریشن بغیر کسی خرچے کے انجام کو پہنچا۔ آخر کار فوج نے مینگل اور گرگناڑی ملک کو خالی کر دیا"۔

برطانوی دور کی مختلف دستاویزات میں منتشر صفحات پر اس طرح کے ثبوت بھی موجود ہیں کہ متصل علاقوں کے افغانوں ترین، موسیٰ خیل، دمڑ، لونی نے بہار ۱۹۱۸ء کے باغیوں کو تعاون فراہم کیا تھا۔ بلوچستان کے کچھ سالانہ انتظامی رپورٹس سے کچھ مثالیں ذیل میں نقل کی جا رہی ہیں:

۱۔ "سرحد پار جانے اور مری باغیوں کا ساتھ دینے اور ان کے ساتھ چٹیالی میں دکانیں اور گھر لوٹنے کے حوالے سے چٹیالی کے ناصر خان ترین کے خلاف کیس لورالائی میں ۲۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو منعقدہ خصوصی جرگے میں پیش کیا گیا۔

۲۔ " کھیتران بغاوت میں شامل ہونے اور کنگری میں ڈاکے میں معاونت کرنے پر لہرزئی (موسیٰ خیل) کے خلاف کیس جرگے کو پیش کیا گیا اور اور ان کے قائد ملک خودار اور دیگر کو مختلف میعاد کے قید کی سزائیں دی گئیں"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳۔ انتشار کے دوران شر پسندوں سے ہمدردی دکھانے پر کے۔ ایس علو خان اور قادر خان لہر زئی اور ایم۔ باز خان بیل خیل کے خلاف بھی کاروائی کی گئی۔

۴۔ (ا) سمالن (سنجاوی) میں گور کھا کیمپ پر ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء کی رات جنونی حملہ کرنے پر حاجی فتح خان دمڑ پر قاتلانہ بلوہ ایکٹ کے تحت ۱۳ دسمبر ۱۹۱۸ء مقدمہ چلا اور انہیں ۱۶ دسمبر ۱۹۱۸ء کو پھانسی دی گئی۔

(ب) "دمڑ سربراہ حاجی پایو اور دیگر جو تین سال سے ضلع بدر تھے، اے۔ جی۔ جی نے ان کو واپسی کی اجازت دے دی"۔

۵۔ " اے۔ جی۔ جی نے رحم کے طور پر مندرجہ ذیل افراد کی بقیہ سزاوں میں تخفیف کر دی جو مری کھیتران انتشار میں ملوث قرار پائے تھے:

۱۔ ایم ناصر خان ترین، چوٹیالی
۲۔ میر خان ولد ناصر خان ترین
۳۔ اللہ داد۔ مندرجہ بالا کے ساتھی
۴۔ ملک خودار، منگیزئی کے بانی قائد
۵۔ دیوا منگیزئی
۶۔ مہر شاہ منگیزئی

اس کے برعکس ایسی کوئی بھی مثال نہیں ملتی کہ مریوں نے ۱۹۱۹ء کی افغان انقلاب میں افغانوں کی مدد کی ہو۔ درحقیقت مری انقلاب کا آغاز ضلع لورالائی میں پاوندوں کو لوٹنے سے ہوا۔

مرحوم نواب محمد خان جوگیزئی کی اولاد نے مجھے بتایا کہ نواب صاحب اے۔ جی۔ جی ڈوبس کے ساتھ متاثرہ علاقوں کے دورے پر گئے۔ دوران سفر اے۔ جی۔ جی نے کچھ توہین آمیز

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کلمات کہے کہ، بقول اطلاع کنندہ، غریب کھیتران بندوق اٹھا کر برطانوی حکومت سے جنگ کرنے چلے تھے۔ یہ کہ جس طرح اے۔جی۔جی ڈوبس نے اس بغاوت کو سنبھالا حکومت ہند اس سے خوش نہیں لگ رہی تھی۔ اس بیان کا دوسرا حصہ ٹھیک نہیں لگ رہا کیونکہ ۱۹۱۸ء کی مری۔ کھیتران بغاوت ۱۹۱۹ء کے افغان بغاوت کے بعد اے۔جی۔جی ڈوبس کو ترقی دے کر حکومتِ ہند کا سیکرٹری خارجہ تعینات کیا گیا۔

مسٹر ڈوبس مری۔ کھیتران شورش اور متصل افغان قبیلوں میں موجود انتشار کی درج ذیل ممکنہ وجوہات بتائی ہیں:

۱۔ انگریزوں کے متعارف کردہ سرداری نظام سے عام لوگوں کی ناپسندیدگی

۲۔ روس کے اشتراکی انقلاب کی افواہوں کے مضطرب اثرات

۳۔ ہمسایہ مرکزی ایشیا اور فارس میں معاشرے کے انتشار کے بلوچستان پر اثرات

۴۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد برطانوی فوج کو کمزور سمجھنا

۵۔ افغانستان اور سندھ سے برطانوی مخالف مذہبی پروپیگنڈے کا برٹش بلوچستان پہنچنا

۶۔ امیر حبیب اللہ کا برطانوی حامی پالیسی اور پہلی عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہنے پر افغانوں میں ناراضگی

۷۔ مستقل افواہیں کہ انگریز دھوکہ دے گا اور افغانستان کے شمالی حصے روس کو دے گا۔

۸۔ بقولِ صورت خان مری مشہور شاعر رحیم علی کے مطابق اس بغاوت کی مرکزی وجہ خود انگریزوں کا حاکمانہ رویہ ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

(۱۹۱۲۹) Military Report on BAlochistan Part ۱ کے صفحہ ۲۹ پر اس مری۔ کھیتران بغاوت کی درج ذیل وجوہات لکھی گئی ہیں:

"مری ذیلی شاخوں کے آپسی رنجشیں اور سازشیں، پرانے پھیلواگھ وادی کی زمین پر حکومت کے خلاف تلخ احساسات، اور ان سب سے بڑھ کر اپنے قبیلے کو کنٹرول کرنے میں سربراہ کی کمزور حیثیت وہ عوامل تھے جس نے انتظامیہ کو اتنی بڑی مشکل میں ڈالا۔ بلوچستان سے بھرتیاں کرنے کے پروپیگنڈے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ۱۹۱۶ء میں طاقتور بجارانی شاخ نے ضلع لورالائی میں (افغان) پاوندوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کو جنگ برپا کرنے پر معافی دی جاسکتی ہے۔

بھرتیاں کرنے کے معاملے نے اس عمل کو آگے بڑھایا۔ قبائلی رہنما، جو پہلے کی حکومت کی طرف زیادہ راغب نہیں تھے، وہ اس بات پر قائل ہوئے کہ حکومتی طریقہ ایک براطریقہ ہے۔ انہوں نے حکومت کو بھرتی نہ دینے کا ایک اجتماعی حلف لیا اور دسمبر ۱۹۱۷ء تک یہ واضح تھا کہ ایک بحران پیدا ہو رہا ہے۔ فروری ۱۹۱۸ء میں پولیٹیکل ایجنٹ سبی، کوہلو جانے کے لئے گومبز روانہ ہوئے جہاں مسئلے کی خبر ملی تھی۔ گومبز پہنچنے پر ان معلوم ہوا کہ کوہلو جانے والے درے بند کر دیئے گئے ہیں وہ اپنے پچاس شمشیر زنوں اور مقامی پولیس کے ساتھ قلعے میں ہی رہے"۔

اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ۱۹۱۸ء کی مری۔ کھیتران بغاوت اور اس سے اگلے سال ژوب، لورالائی اور کوئٹہ پشین اضلاع میں برپا ہونے والی افغان بغاوت، جسے 'شورش کا سال' بھی کہا جاتا ہے، برطانوی انتظامی پالیسیوں اور مشرق وسطیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کے نفرت انگیز رویہ ہی بلوچ اور پٹھان آبادی کی ناراضگی کے اسباب تھے۔ یہ بغاوت فارس، وسطی ایشیا میں ہونے والے واقعات اور افغانستان کے امیر حبیب للہ کے انگریز حامی پالیسیوں سے بھی متاثر ہوئی۔ کچھ لوگ اس بغاوت کو بلوچ اور پشتون قوم پرست تحریکوں سے بھی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جوڑتے ہیں۔ اس حوالے سے مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ بصورت دیگر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اگرچہ قوم پرستانہ جذبات اس میں ثانوی تھے لیکن بنیادی طور پر یہ بغاوتیں انگریزوں کی اسلام مخالف پالیسیوں کے خلاف ہی تھیں۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں صوبائی محکمہ آبپاشی کے سینیر انجنیئر شیرین خان لونی نے مجھے بتایا کہ ان کے والد مرحوم سردار محمد نواز خان لونی اپنے والد سردار گوہر خان لونی ولد سردار نواب خان لونی کی موت کے بعد (۲۶ نومبر ۱۹۳۸ء) سردار بنے۔ وہ اپنے بیٹوں کو اس سیڑھی کے بارے میں بتایا کرتے تھے جو انہوں نے گومبز قلعہ سے حاصل کی تھی۔ یہ سیڑھی گومبز قلعہ میں محصور ایک برطانوی فوجی نے اس وقت استعمال کی تھی جب اس پر مریوں نے حملہ کیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب برطانوی فوج قلعے کی دیواروں کے اندر باغیوں سے لڑ رہے تھے۔ برطانوی افسر اس سیڑھی پر چڑھا اور وہ ایک پٹھان سپاہی کو اپنے ہی ساتھیوں پر گولی چلاتے دیکھ کر شدید صدمے کا شکار ہوا۔ اس نے فوراً اس پٹھان سپاہی کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ دوسری طرف مرحوم ارباب خان لونی (۱۹۱۲ میں لیویز جمعدار، ۵ ستمبر ۱۹۳۴ء کو رسالدار لیویز سبی، ۱۱ مارچ ۱۹۳۷ء کے پنشنر اور ۲ ستمبر ۱۹۶۰ کو کوئٹہ میں فوت ہونے والے) نے اس وقت گومبز میں برطانوی فوجیوں کی مدد کی جس وقت مری ان پر حملہ آور تھے۔ اس پر ان کو انعام میں ایک رائفل دی گئی جو اب بھی ان کے بیٹے محمد افضل خان لونی کے پاس ہے۔ بچپن میں ہم نے اپنے سے بڑے لوگوں سے سنا تھا کہ مری بغاوت کی وجہ "لام بندی" تھی جس میں قبیلے نے عالمی جنگ کے لئے بھرتیاں دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور یہ کہ اس سے سبی کے پنڑی اور غیر پنڑی باشندوں کو فائدہ ہوا کہ مستقل مری حملوں کے لئے جہاں بھی برطانوی فوجوں کی ضرورت پڑتی تو حکام سبی کے عوام کی درخواست پر فوراً عمل کر دیتے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ان واقعات کے بیانیے میں اس موڑ پر میں قارئین کو یہاں یہ بتاتا چلوں کہ مجھے اپنی تحقیق کے دوران ایسا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملا جس کے بارے میں عام طور پر یہ کہانیاں موجود ہیں کہ پہلے نواب خیر بخش مری ولد نواب مہراللہ خان مری ن ہفتہِ سبی کے موقعے پر للکارنے کے فرائض مبینہ طور پر ادا کرتے تھے۔

یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ تاریخی طور پر قائم حکومتوں کے خلاف مریوں نے کئی بار شورشیں کیں۔ پہلی شورش ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ اس میں جولائی ۱۸۸۰ء میں کندھار کے قریب میوند کی لڑائی میں جنرل بُرو کو شکست ہوئی تھی۔ اس شورش کے دوران مری کے تھینگیانی، چلگری اور بجارانی شاخوں پر مشتمل لشکر نے تاریخی سندھ۔ پشین۔ سٹیٹ۔ ریلوے کے سبی۔ ہرنائی حصے میں کوچالی کے مقام پر ایک فوجی قافلے پر ۶ اگست ۱۸۸۹ء کو حملہ کیا۔ انہوں نے ۴۵ افراد کو قتل کیا اور ۱۲۵۰۰۰ روپیہ مالیت کا حکومتی خزانہ لوٹا۔ اس دوران انہوں نے سبی کے دیہاتوں گلوشہر، حمبی، تلی اور چانڈیہ پر بھی حملے کئے۔ اس بغاوت کو اکتوبر ۱۸۸۰ء میں بریگیڈیئر جنرل مک گریگور کی زیر قیادت برطانوی فوج نے کچل دیا۔ دوسری شورش ۱۹۱۸ء میں ہوئی جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہیں۔ تیسری شورش امیر محمد خان آف کالا باغ کے مغربی پاکستان کے گورنری کے دور میں ہوئی۔ یہ سبی اور کاہان کے مابین تریٹانیہ کے مقام پر سردار دوداخان مری کا سبی کے قتل سے ۱۹ جنوری ۱۹۶۵ء شروع ہوا اور ۱۹۷۱ء میں یحیٰ خان کی طرف سے ون یونٹ کے خاتمے کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ چوتھی مری بغاوت بھٹو کی طرف سے ۱۹۷۳ء میں این۔ اے۔ پی کی حکومت کو معطل کرنے کے وقت شروع ہوئی جس نے نواب اکبر خان بگٹی کو گورنر کی حیثیت سے تعینات کیا۔ یہ بغاوت جنرل ضیاءالحق کا بھٹو کی حکومت گرانے اور این۔ اے۔ پی کے قید راہنماؤں کی رہائی کے ساتھ ختم ہوئی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۳

اموات کا سال/اکتوبر ۱۹۱۸ء کا متعدی زکام

میرے پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کے دنوں (۱۹۴۲۔۱۹۵۳ء) میں ماضی کے جو واقعات فارغ دیہاتیوں کی نہ ختم ہونے والی گپ شپ کے موضوع تھے ان میں مری۔ کھیتران بغاوت اور اموات کا سال شامل تھا دونوں واقعات ۱۹۱۸ء میں وقوع پذیر ہوئے تھے۔ ان میں سے متعدی اور مہلک زکام سے پورا صوبہ اور خاص کر سبی کے اٹھارہ میل کے دائرے میں واقع پنڑی افغان دیہات بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ یہ دیہات ابھی مریوں کی لوٹ مار کے اثرات سے پوری طرح نکلے نہیں تھے کہ اس مصیبت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بوڑھی نسل کے مطابق ان دنوں ہر گاؤں میں موت کی کہانیاں تھیں۔ ہمارے گاؤں میں دوسری چیزوں کے علاوہ یہ کہانی بھی مشہور تھی کہ دو وضع دار لڑکیوں نے بوری بندات کے بیابان میں ایک کسان سے اس کی بیل گاڑی میں لونی گاؤں سے آدھے میل شمال میں واقع محجک پل تک ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ اس وقت کے لونی مسجد کے مولوی محمد یوسف گجراتی کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے اعلان کیا کہ محجک سے یہی دو لڑکیاں یہ مہلک مرض لے کے آئیں۔ بعد میں یہ مولوی صاحب ۲۱ دسمبر ۱۹۳۳ء کو گجرات میں فوت ہوئے۔ اس المیے کے بارے میں دوسری یہ کہانی مشہور تھی کہ گورکن دن رات قبرستان میں رہتے تھے اور وہ گاؤں سے لائے گئے مردے دفنانے میں مصروف رہتے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ لونی کے ذیلی قبیلے ناکیزئی میں اس مہلک مرض سے سب سے زیادہ لوگ ہلاک ہوئے۔

اس حوالے سے میں ان خفیہ خطوں کے کچھ اقتباسات پیش کرتا ہوں جو اے۔جی۔جی ڈوبس نے مسٹر گرانٹ سیکرٹری خارجہ کو یکم نومبر ۱۹۱۸ء اور ۷ دسمبر ۱۹۱۸ء کو لکھے تھے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ا۔ "ملک میں خاموشی سی ہے۔ تمام لوگوں کی توجہ متعدی زکام کی طرف ہے جن کے اثرات ہجرت کرنے والے پاوندوں میں بھی شدید ہیں"۔

۲۔ زکام زیادہ فعال نہیں ہے لیکن اب خبریں مل رہی ہیں کہ اس سے ہلاکتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ بہت سے جوان مردوں، عورتوں اور بچوں کی اموات پر سب بہت رنجیدہ ہیں۔ کفن کا کپڑا مہنگا ہونے سے وہ اپنے مردوں کے لئے کفن بھی نہیں خرید سکتے جس طرح سے لوگوں نے اس مصیبت کو برداشت کیا وہ رقت امیز ہے"۔

بلوچستان کی انتظامیہ رپورٹ برائے سال ۱۹۔۱۹۱۸ء کے صفحہ ۱۰۷ پر بلوچستان کے میڈیکل افسر نے درج ذیل معلومات دی ہیں:

"اس سال کا متعدی مرض مہلک زکام کی وباء تھی جو سال میں دو بار ظاہر ہوئی۔ اس کا پہلا حملہ جولائی اور اگست میں ہوا، یہ معمولی نوعیت کا تھا اس لئے اس سے کسی کی موت نہیں ہوئی۔ لیکن اکتوبر اور نومبر ۱۹۱۸ء میں اس کا دوسرا حملہ بہت شدید اور مہلک تھا جس کی وجہ سے ۴ اکتوبر سے ۲۴ نومبر ۱۹۱۸ء تک ۵۰۰ اموات ہوئیں۔ یہ وباء ستمبر کے پہلے ہفتے میں پہلے کوئٹہ میں ظاہر ہوئی جس کے بعد یہ بڑی تیزی سے کچھ ہی دنوں میں دور دراز علاقوں میں پھیل گئی، مثال کے طور پر ۱۴ اکتوبر تک یہ فورٹ سنڈیمن پہنچی اور پھر پورے ضلع ژوب میں پھیل گئی۔ لگتا ہے چمن میں یہ مرض ریل کے ذریعے اسی وقت پہنچا جس وقت یہ کوئٹہ میں پایا گیا۔ بلوچستان کا کوئی بھی علاقہ اس سے نہیں بچا۔ یہ بات اہم ہے کہ چمن، لورالائی اور پشین میں یہ مرض شہری علاقوں کی بجائے اس کے دیہاتوں اور مضافات میں زیادہ پایا گیا۔ اس کی ایک مثال ایسے بھی دی جاسکتی ہے کہ فورٹ سنڈیمن میں ۱/۳ گرکھار جمنٹ پورا اس سے بچا اس رجمنٹ کی لائینز ژوب ملیشیا لائینز کے ۶۰۰ گز کے اندر ہیں لیکن ژوب ملیشیا لائینز میں ۴۸۲ لوگ اس سے متاثر ہوئے اور ۵۱ ہلاک ہوئے۔ سرحد کے اچکزئی قبیلہ، جو خیموں میں رہنے والا ایک خانہ بدوش قبیلہ ہے، میں ہر دس میں سے ایک شخص اس سے متاثر ہوا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کوئٹہ میں اس کے مہلک اثرات ستمبر کے آخر میں شروع ہوئے اور ۲۲ اکتوبر تک اس کی بیس ہزار آبادی میں سے ۴۰ کی موت اس مرض سے واقع ہوئی۔ اس میں بتدریج کمی ہوئی اور ۲۹ نومبر ۱۹۱۸ء تک یہ مرض آخر غائب ہو گیا۔ اس سے کل ۵۰۰ اموات ہوئیں"۔

اس مرض سے برٹش بلوچستان میں تیس ہزار سے زائد افراد مارے گئے۔ اس سے مختلف اضلاع میں ہونے والی اموات کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔	ضلع سبی	۱۱۶۲۲
۲۔	ضلع ژوب	۸۰۲۰
۳۔	ضلع کوئٹہ۔پشین	۶۴۶۶
۴۔	ضلع لورالائی	۴۶۴۶
	کل	**۳۰۷۵۴**

ضلع سبی کی تحصیل کی سطح پر درج ذیل تفصیل ہے:

تحصیل سبی	۶۷۳۵
نصیر آباد	۳۲۴۴
شاہرگ	۱۳۴۶
کل	**۱۱۶۶۲**

یہ نہایت دکھ کی بات ہے کہ اے۔جی۔جی کی اوپر بیان کئے گئے افسوس کے کلمات کے علاوہ بلوچستان کی برطانوی حکومت نے اس مصیبت سے لوگوں کو بچانے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ میڈیکل افسر کی رپورٹ مسئلے کے اس پہلو پر بے حس خاموشی دکھاتی ہے۔ ان اے۔جی۔جی اور پولیٹیکل ایجنٹس نے حتیٰ کہ اس موضوع کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہی معاملہ سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر ٹرٹینچ کا ہے۔ یا پھر انہوں نے اس کا ذکر صرف ایسے ہی باتوں باتوں میں کیا ہے تفصیلات

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نہیں بتائی ہیں۔ جیسا کہ پولیٹیکل ایجنٹ لورالائی میجر سی۔ای بروس نے سالانہ رپورٹ کے اس پیراگراف میں کیا ہے:

"اے۔جی۔جی ڈوبس نے اپنے سیکرٹری کیپٹن والکر کے ہمراہ بارکھان اور دکی کا دورہ کیا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو وہ ژوب سے موسیٰ خیل پہنچے۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۸ء کو وہ واریخہ روانہ ہوئے۔ بدقسمتی سے ان دنوں ضلع میں غضبناک زکام تھا لیکن اس کے باوجود قبائلی سربراہوں نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۴

شورش کا سال

ابھی اے۔جی۔جی ڈوبس فروری ۱۹۱۸ء کے مری۔ کھیتران بغاوت اور اکتوبر ۱۹۱۸ء کی وباء کے طوفانی موسم سے پوری طرح سنبھلے بھی نہیں تھے کہ مئی ۱۹۱۹ء کے افغان شورش کے بگولوں میں پھنس گئے۔ یہ شورش وزیرستان،، ژوب، لورالائی اور کوئٹہ پشین کے اضلاع سے برٹش بلوچستان کی سرحد شوراوک تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس انتشار کو پشتو زبان میں 'دشورش کال' یعنی شورش کا سال کہا جاتا ہے۔ امن کو صرف فوجی آپریشن کے ذریعے ہی قائم کیا جاسکا جس کی کمان جنرل او گریڈی اور ان کے جانشین جنرل دیل نے کی۔ بلوچستان کی ملٹری رپورٹ (۱۹۲۹ء) کے مصنفین نے اس علاقے کی تاریخ میں اس انتشار کو ایک بے مثال اہمیت کے واقعے کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ان مصنفین نے مری۔ کھیتران بغاوت کا ذکر صرف دو صفحات میں کیا ہے جبکہ انہوں نے افغان شورش کا ذکر گیارہ صفحات میں کیا ہے۔ افغانوں کے ہاتھوں انگریزوں کو ہونے والے نقصان اور اس شورش کے دورانیے کا ذکر بھی زیادہ کیا ہے۔ دو برطانوی افسروں جنرل او گریڈی اور جنرل دیل، جو یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے، افغان شورش کو دبانے سے قاصر تھے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ باغیوں کو کچلنے میں ان کے ایک ہی افسر ایک بار کامیاب ہوئے تھے اور وہ برطانوی افسر جنرل ہارڈی تھے جنہوں نے فروری ۱۹۱۸ء کے مری اور کھیتران بغاوت کو مکمل طور پر کچل دیا تھا۔

اے۔جی۔جی ڈوبس نے کوئٹہ سے ۲۱ اگست ۱۹۱۹ء کو سیکرٹری خارجہ گرانٹ کو لکھے گئے خفیہ خط میں اس بات کا انکشاف کیا کہ برٹش بلوچستان کے افغانوں نے برطانوی افواج کے خلاف کم از کم چار محاذ کھولے ہیں:

ا۔ چمن محاذ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۔ہندوباغ محاذ

۳۔فورٹ سنڈیمن محاذ

۴۔لورالائی محاذ

اس کے برعکس مری کھیتران بغاوت کے دوران صرف تین محاذ تھے، مرکزی مری محاذ، بارکھان محاذ اور گومبز محاذ۔ یہ بات مایوس کن ہے کہ اس صوبے کی سیاسی تاریخ پر موجودہ نسل کے بہت سے لکھاریوں نے اس اہم تاریخی واقعے کو یکسر نظر انداز کیا ہے۔ یہ بھی دکھ کی بات ہے کہ (میرے علم کے مطابق) اب تک برٹش بلوچستان کے کسی بھی تعلیم یافتہ افغان نے اس واقعہ پر ایک مضمون تک نہیں لکھا ہے۔

چونکہ ابھی اسی موضوع پر بات ہو رہی ہے تو اس موقع پر این۔ڈبلیو۔ایف۔پی اور برٹش بلوچستان کے افغانوں کی اس شورش سے متعلق افغانستان کے بادشاہ امیر امان اللہ کے غیر معمولی کردار کا بھی ذکر کیا جائے۔ ان کی حکومت نے ابتدا میں اس بغاوت کو پہلے مقدس اسلامی جنگ اور افغان نیشنلزم کے نام پر بھڑکایا، لیکن جب دیورنڈ لائن کے اس طرف انگریز مخالف شورش عروج پر تھی تو وہ یہ سب بھلا کر جون ۱۹۱۹ء میں التوائے جنگ، ۸ اگست ۱۹۱۹ء کو راولپنڈی میں امن اور ۱۹۲۱ء میں اینگلو افغان معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان سب کی وجہ سے اس وقت کی افغان حکومت پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے انگریزوں سے بیرونی آزادی کے تبادلے میں سرحدی قبائل کو بیچ دیا۔ اس حقیقت کا اظہار ایک خفیہ خط نمبر ۴۱۲ کوئٹہ مورخہ ستمبر ۱۹۲۳ میں کیا گیا ہے جسے بلوچستان انٹیلیجنس بیورو کے افسر نے اے۔جی۔جی کے سیکرٹری کو لکھا ہے۔

انہوں نے یہ اب تک باغیوں کو نہیں بتایا کہ وہ افغان حکومت کی مثال کی پیروی نہ کریں اور کفار کے خلاف مزید جنگ روک دیں۔ یہاں تک کہ امیر امان اللہ نے نہ صرف برطانوی فوجیوں پر افغانوں کے حملے پر افسوس کا اظہار کیا بلکہ انہوں نے گناہگاروں کو سزا دینے کا بھی وعدہ کیا۔ افغانستان

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کی اس دورنگی نے ہمیشہ ڈیورنڈ لائن کے اس طرف کے عوام کی قوم پرستانہ اور مذہبی جدوجہد پر منفی اثرات ڈالے ہیں اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس شورش کی بیخ کنی صرف برطانوی فوج کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ شاید اس کی اہم وجہ افغان حکومت کا نہایت نازک وقت پر باغیوں کا ساتھ چھوڑنا تھی۔ اس جدوجہد کی ناکامی کی ایک اور وجہ ان افغانوں میں سیاسی اور مدبر قیادت کا فقدان تھا جو ان باغیوں کو مناسب سمت کی طرف رہنمائی فراہم کرتے۔ یہی نقص اب بھی این۔ڈبلیو۔ایف۔پی اور برٹش بلوچستان کے افغانوں کی سیاست میں موجود ہے جو انہیں ایک ناکامی سے دوسری ناکامی کی سمت لے جاتی ہے۔ اس کی ایک اور اہم وجہ کی طرف اے۔جی۔جی مسٹر ڈیونے سبی سے ۱۳ جنوری ۱۹۲۰ء کو لکھے گئے خفیہ خط میں اشارہ کیا ہے:

"خاص طور پر تازہ افغان مصیبت کے دوران تمام بلوچ اور براہوی قبائل وفادار رہے"۔

جیسے جیسے کوئی پہلی عالمی جنگ کے دوران اور اس کے بعد کے واقعات کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس یقین کی طرف مائل ہوتا ہے کہ ہندوستان، برٹش بلوچستان اور افغانستان میں انگریزوں کے خلاف لوگوں کی رنجشوں کو انگریزوں کے ہاتھوں ترکی کے ساتھ ہونے والے اس برے سلوک نے مزید بڑھاوا دیا جو انہوں نے پہلی عالمی جنگ سے پہلے، اس کے دوران اور اس کے بعد ترکوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس میں انگریزوں کا عرب کی زمین پر ترک قبضے کے خلاف مکہ کے شریف حسین کو اکسانا بھی شامل تھا۔ برطانوی مخالف احتجاج کا آغاز پہلے ہندوستان اور سندھی ملاوں نے کیا جو ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں سے حکومت لینے پر انگریزوں سے پہلے ہی نالاں تھے۔ یہ احتجاج مذہبی لوگوں کے ذریعے ۱۹۱۵ء میں افغانستان، ۱۹۱۸ء میں مری کھیتران اور اپریل ۱۹۱۹ء میں کندھار تک پھیلایا گیا اور اسی طرح یہ افغانستان سے ۱۹۱۹ء کی بہار میں برٹش بلوچستان میں پھیلا۔ اس جدوجہد میں ملاوں نے اپنے آپ کو قوم پرستانہ جذبات کی اوٹ میں چھپا رکھا تھا۔ بطور نتیجہ دو مخالف قوتوں میں سیاسی تعاون کا مظاہرہ بعد میں ولی خان اور مفتی محمود کے اتحاد بلوچستان اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کی این۔اے۔پی ر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جے۔یو۔آئی کی مخلوط حکومت میں بھی نظر آیا۔ تاہم اس میں اس وقت رکاوٹ پڑی جب افغان نیشنلسٹ۔سوشلسٹ عوامل کی دعوت پر سوویت یونین نے ۱۹۸۰ء میں افغانستان پر چڑھائی کی۔

اے۔جی۔جی ڈوبس نے حکومتِ ہند کو اپنی سالانہ انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۱۹ء۔۱۹۲۰ء میں لکھا:

"خلیج فارس سے گومل تک تمام سرحدی لائن پر اسلام کی چیخ اٹھی تھی اور پورے محمڈن ملک میں یہ چیخ اٹھی تھی۔ اس پر پانچ سال تک جاری جنگ، دشمن افغانستان سے نپٹنے میں ہماری کمزوری کی علامات، وانو سے انخلا کی وجہ سے ہمارے وقار کی دھجیاں اڑنے اور گوریلا جنگ کے اثرات کی افسردگی نے بھی اضافہ کیا۔ مری اور بگٹی اپنی اطاعت میں ثابت قدم رہے۔ مکران، قلات، جھالاوان اور (فارس) سرحد میں کوئی بھی انتشار نہیں پھیلا۔ خانِ قلات نے اپنے روایات کی پاسداری کرتے ہوئے پکی وفاداری کی مثال قائم کی"۔

شورش کے سال سے پہلے اور افغانستان کے امیر حبیب اللہ خان کے قتل (۲۰ فروری ۱۹۱۹ء) کے فوراً بعد اے۔جی۔جی ڈوبس نے ان واقعات کے بارے میں اپنے کوئٹہ سے لکھے گئے خفیہ خط بتاریخ ۱۹ اپریل ۱۹۱۹ء میں سیکرٹری خارجہ ڈینیس برے کو لکھا:

"کندھار میں خاموشی ہے۔ لکھنو کے مولوی عبدالباری کا یہ فتویٰ لگتا ہے کندھار پہنچ چکا ہے جو انہوں نے ترکی کو مقدس مقامات پر اپنی حاکمیت قائم کرنے کے بارے میں دیا تھا۔ کیونکہ ۴ اپریل ۱۹۱۹ء کو کندھار میں ملا عبدالحق کی مسجد میں اس پر بحث ہوئی تھی۔ وہاں موجود ملاوں نے تجویز دی کہ امیر کو ایک عرضی بھیجی جائے جس میں ان سے اتحادیوں پر یہ مقدس مقامات واپس ترکی کو دلانے کے لئے دباوڈالنے کا کہا جائے، لیکن درحقیقت کوئی عرضی نہیں بھیجی گئی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اپنے ۳ مئی ۱۹۱۹ء کو کوئٹہ سے لکھے گئے خفیہ خط میں اے۔جی۔جی نے دوبارہ مسٹر برے کو لکھا:

ا۔ "سندھ حکام نے خبر دی کہ ایسٹر کے دنوں (مارچ/اپریل ۱۹۱۹ء) کو جیکب آباد میں 'ہوم رول کانفرنس' میں جمع ہونے والے کچھ شرکاء نے بلوچ سرداروں پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ بلوچ شخصیات کو جیکب آباد سے نکالنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ اسی دوران کندھار میں اس بات پر بحث ہوئی ہے کہ ہندوستان میں مسئلہ ہے اور اطلاع ملی ہے کہ ملالا ہور میں بادشاہی مسجد کو بند کرنے کی تیاری کر رہے ہیں"۔

ب۔ "چاغی کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر ہچنسن نے ۲۰ مئی ۱۹۱۹ء کو خبر دی کہ پورے مکران کے سرحدی علاقے میں سید جہاد کی تبلیغ کر رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ رمضان کے بعد افغان حملہ کریں گے۔ فارس بلوچستان میں افغان جاسوسوں کی موجودگی کی خبر ملی ہے اور اس سے ایسا لگتا ہے کہ اس کے لئے زمین بہت پہلے ہموار کی گئی ہے"۔

ج۔ "۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دستخط کئے گئے مدراس جنگ بندی کے معاہدے میں سلطنتِ عثمانیہ کی پہلی عالمی جنگ میں شکست تسلیم کی گئی۔ اس معاہدے پر سلطان کی طرف سے احمد عزت پاشا نے دستخط کئے جسے اسی کام کے لئے تعینات کیا گیا تھا"۔(Cambridge History of Islam)

ان رودادوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں افغانستان اور برٹش بلوچستان کے لوگوں کے لئے قوم پرستی کے ساتھ ساتھ اسلام، مسلمان اور ترکی اہم مسئلے تھے۔ انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد ترکی کے خلیفہ سلطان کے برے برتاو کی وجہ سے مایوس ہو کر برٹش بلوچستان اور ریاستِ قلات کے مسلمان مذہبی معاملات میں جہاد کی قیادت فراہم کرنے کے لئے افغانستان کی طرف دیکھنے لگے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خبر ملی کہ سردار عبدالقدوس ۲۰۰ بندوقوں اور آٹھ رجمنٹ کے ساتھ کابل سے کندھار کی طرف بڑھ رہے تھے اور ۹ مئی ۱۹۱۹ء کو وہ کلات غلزئی پہنچے۔ افغانستان کے نئے امیر امان اللہ خان کا رویہ ہند کے برطانوی حکومت کے خلاف معاندانہ ہے جس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ پہلی عالمی جنگ کے بعد کمزور ہو چکی ہے۔ اس خطرے کے پیش نظر برٹش بلوچستان کی حکومت نے تمام پولیٹیکل ایجنٹس کو خبردار کیا ہے کہ بدترین حالات کے لئے تیار رہیں اور وہ صوبے کے افغان علاقوں سے انگریز خواتین اور بچوں کو نکال لیں۔ اس کے ساتھ کندھار سے برطانوی سفارتی نمائندے کو واپس بلا لیا گیا ہے۔ سرحدی قصبے چمن میں تمام مشکوک افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں افغانستان کے لئے سامان لے جانے والی تمام ٹرانسپورٹ کو چمن میں روک دیا گیا ہے اور افغان باشندوں کا چمن میں داخلے پر پابندی لگادی ہے۔ اے۔ جی۔ جی نے مزید لکھا:

"۱۰ مئی ۱۹۱۹ء کو کئی لوگوں نے اس افواہ کے بارے میں مجھ سے بات کی کہ انور بے افغانستان میں اور بالشویک فوج ہرات میں موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ انور بے کی افغانستان میں موجودگی کی افواہ افغانوں کو ہمارے خلاف اس حد تک بھڑکا سکتی ہے کہ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اس کی وجہ سے ہمارے اپنے لوگوں پر برے اثرات پڑ رہے تھے۔ اسی دوران ہمیں یہ خبر بھی ملی کہ کندھار کے ملا جہاد کی تبلیغ کر رہے تھے اور یہ کہ کندھار کے قبائلی اس مقصد کے لئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست کر رہے تھے۔ اسی دوران لورالائی، ژوب، سبی اور قلات پر سکون تھے۔ ژوب کے پولیٹیکل ایجنٹ نے خبر دی کہ شین بار کے قریب محسودوں نے ڈاک لوٹ لی اور یہ کہ ژوب سے ایک مہاجر ملا طبیب مہتر زئی کو مقر میں افغان جنرل سے ملنے کے لئے ژوب سرحد سے طلب کیا گیا ہے اور یہ کہ سلیمانخیل کی ذیلی شاخ خدائیداد خیل کے سربراہ فتح خان کو امیر کی طرف سے ایک خط ملا ہے جس میں انہیں افغان فوج کی حرکت کے بارے میں بتایا گیا ہے اور انہیں جنگ کے لئے تیار رہنے کا کہا گیا ہے۔ پولیٹیکل ایجنٹ نے لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ژوب کے اوپر ہوائی جہازوں کی پرواز کی پرزور سفارش کی ہے۔ اور انہوں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نے ایک گھوڑاسوار فوج کے دستے کو بھی فورٹ سنڈیمن بھیجنے کا کہا ہے (شاید اسے ژوب ملیشیا پر یقین نہیں تھا)۔

۱۷ مئی ۱۹۱۹ء کے اسی خفیہ خط میں اے۔جی۔جی ڈوبس نے مزید گلستان کے اچکزیوں کے معاندانہ رویے، افغانوں کی طرف سے قلات کے جھالاوان قبائل اور کھیتران اور مری قبائل کو بھیجے گئے پیغامات پر بھی بات کی ہے۔ اس برطانیہ مخالف سرگرمی میں ان کا مرکزی گماشتہ مصری خان کھیتران ہے جو ۱۹۱۸ء کی بغاوت میں مرکزی رہنما تھے اور اس کی ناکامی کے بعد وہ اپریل ۱۹۱۸ء میں کندھار چلا گیا۔ لہٰذا ڈیورنڈ لائن کے اس پار، خصوصاً حکومت کے ملازمین میں مسلسل ہیبت موجود ہے۔ مئی ۱۹۱۹ء میں کسی وقت:

"ریلوے کے کلرک، اوورسیر وغیرہ اپنے بیوی، بچوں، مال و متاع سمیت فریاد کرتے ہوئے عجلت میں سٹیشن کی طرف بھاگتے ہوئے آئے۔ جبکہ مقامی پٹھان اپنی تلواریں تیز کرنے اور اس پر غور کر رہے تھے کہ لوٹ شروع ہوگی کیونکہ سرکار جا رہی تھی"۔

صورتحال اتنی ہیبت ناک تھی کہ اس کی وجہ سے ژوب ملیشیا کی نظم و نسق بھی اس قدر متاثر ہوئی کہ ہندوباغ میں ایک افسر کی حفاظت پر مامور پندرہ مندوخیل سپاہی اپنے گھوڑوں اور رائفل سمیت وہاں سے بھاگ کر افغانستان چلے گئے اس کے نتیجے میں جوگیزئی ملیشیا سکوارڈرن اور مندوخیلوں نے بھی نافرمانی کی۔ اسی مہینے میں پولیٹیکل ایجنٹ کرنل جیکب نے خبر دی کہ ایک شخص باز خان جوگیزئی ژوب ملیشیا کے سپاہیوں کو بغاوت اور گوال حیدرزئی میں فرنٹیئر کور کی چوکی پر حملہ کرنے کے لئے اکسا رہے تھے۔ جب فوجی دستے نے قلعہ سیف اللہ میں انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی تو مزاحمت کے دوران وہ مارا گیا۔

حکومت بلوچستان کے ریونیو بورڈ کے ممبر محمد فاروق جوگیزئی نے بتایا کہ باز خان ولد محمد نور خان جوگیزئی اسحاق کہول جوگیزئی سے تھے اور غوٹئی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ وہ سابق ژوب لیویز

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کور کے رسالدار تھے جسے بعد میں ژوب ملیشیا میں تبدیل کیا گیا تھا۔ جب وہ اپنے گھوڑے پر افغانستان جا رہے تھے تو فوج نے ان کا پیچھا کیا کچھ دور جا کر وہ گھوڑے سے گر گئے اور ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اسی دوران فوجی دستے نے انہیں پکڑ لیا اور پھر مزاحمت میں گولی لگنے سے مارے گئے۔ اس سے پہلے انہوں نے اپنی پستول سے ایک سکھ اور ایک سوار کو گولی مار کر زخمی کر دیا تھا۔

اس دوران جنوبی وزیرستان اور برٹش بلوچستان کے سرحدی علاقوں کے افغانوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی، سرحد پار کے افغان حکام نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اور یہ کہ برطانوی حکام نے وانا اور ٹوچی میں فرنٹیئر کور کی چوکیاں ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ توجہ ہٹانے کی حکمت عملی کے تحت انہوں نے ۲۷ مئی ۱۹۱۹ء کو افغان سرحدی قصبے سپین بولدک پر حملہ کر کے اسے قبضہ کیا۔

مذکورہ بالا واقعات اور اس سے متعلق دیگر واقعات نے مل کر "شورش کے سال" کی بنیاد رکھی۔ ان میں سب سے اہم واقعہ ۲۸ مئی ۱۹۱۹ء یا اس کے آس پاس ٹوچی سکاؤٹ، جنوبی وزیرستان ملیشیا (وانا) اور ژوب ملیشیا (گل کچھ، شین بار اور وزیر باغ) کی سرحدی چوکیوں کا ختم کرنا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ پولیٹیکل ایجنٹ ژوب کرنل جیکب مغل کوٹ اور میر علی خیل کی چوکیوں کو مضبوط کر کے اس علاقے کو شیرانی قبائلیوں سے محفوظ بنانا چاہتے تھے اور وزیرستان ملیشیا کے کمانڈنٹ میجر رسل کی واپسی کے لئے راستہ ہموار رکھنا چاہتے تھے۔ وہ آدھے درجن برطانوی افسروں اور پانچ سو آدمیوں کے ہمراہ، وانا کو چھوڑنے کے بعد، ۲۸ مئی ۱۹۱۹ء کو پسپا ہو کر ژوب میں مغل کوٹ پہنچے تھے۔ اس کی اہم وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جو گیزیوں اور مندوخیلوں کے بعد وزیروں، محسودوں اور سلیمانخیلوں نے بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ ۳۰ مئی ۱۹۱۹ء کو مغل کوٹ میں قبائلیوں نے پسپا ہوتی ہوئی جنوبی وزیرستان ملیشیا پر حملہ کر دیا تھا۔ انہوں نے کمانڈنٹ کے علاوہ زیادہ تر برطانوی افسروں اور فوجیوں کو مار ڈالا تھا۔ باقی بچے لوگ اگلے دن فورٹ سنڈیمن پہنچے۔ اس افسر کو پھر ایک ایمبولینس کے ذریعے لورالائی پہنچایا گیا۔ رسل کی پسپائی کی خبر پورے برٹش بلوچستان اور خصوصاً ان علاقوں کے شیرانی اور حریفال قبائل میں میں جنگل کے آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس کے نتیجے میں شیرانی سکاؤٹ کی پانچ چوکیاں خالی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ہو گئیں۔ جو گیزیوں کی زیر قیادت ژوب ملیشیا کے کاکڑ سکواڈرن نے میر علی خیل خالی کر دیا جبکہ ۴ جون ۱۹۱۹ء کو مانی خواہ میں ژوب ملیشیا کے آدمیوں نے بغیر لڑے شیرانی، مندوخیل اور حریفال کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ دہانہ سر کے ملیشیا چھاؤنی کے بزداروں نے بھی بغیر کسی مزاحمت کے اپنی چوکی شیرانیوں کے حوالے کی اور اپنے حصے کے ہتھیاروں کے ساتھ درگ کی طرف چلے گئے۔ کیپٹن ییٹل پر ضلعی ہیڈ کوارٹر سے چند میل دور اس وقت حملہ ہوا جب وہ دو سو گرکھاوں اور ژوب ملیشیا کے کچھ دستوں کے ساتھ براستہ مینا بازار فورٹ سنڈیمن آرہے تھے۔ اس حملے میں لیفٹننٹ ایلیسن اور ۲۶ دیگر لوگ مارے گئے۔ وزیروں، محسودوں، شیرانیوں، مندوخیلوں اور عبداللہ زیوں نے فورٹ سنڈیمن بازار پر حملہ کیا، لوٹ مار کی اور اسے جلادیا۔ کچھ وقت تک ۲۸/۲۹ مئی ۱۹۱۹ء کو فورٹ سنڈیمن کا ہیڈ کوارٹر کوئی چار ہزار افغان قبائلیوں کے محاصرے میں رہا جن پر برطانوی جہازوں نے بمباری کی اور وہ منتشر ہو گئے۔

فورٹ سنڈیمن کے محاصرے کے بارے میں بلوچستان کے ملٹری رپورٹ (۱۹۲۹ء) میں کہا گیا ہے:

"فائرنگ کے شور سے جانوروں میں بھگدڑ مچ گئی اور ۸۵ گھوڑے، ٹٹو اور خچر بھاگ گئے جو پھر کبھی نہیں ملے"۔

یکم نومبر ۱۹۹۹ء کو روزنامہ کوہستان کوئٹہ کے محمد جان مندوخیل ولد مرحوم حوالدار حاجی عبدالرحمٰن (سابق مندوخیل سکاؤٹ کے) نے بتایا کہ ان کے والد نے اس شورش میں برطانویوں کا ساتھ دیا تھا۔ اور یہ کہ فورٹ سنڈیمن کے محاصرے کے دوران برطانوی حکام نے جانوروں کو قصداً کھلا چھوڑا تھا ان کا خیال تھا کہ قبائلی ان عمدہ جانوروں کی طرف مائل ہوں گے کہ اب یہ کسی کی بھی ملکیت ہو سکتے ہیں۔ ان کا خیال درست ثابت ہوا۔ قبائلی محاصرہ چھوڑ کر گھوڑوں اور جانوروں کو پکڑنے کے لئے ان کے تعاقب میں بھاگے۔ ان جانوروں کو پکڑنے کے عمل نے مئی ۱۹۱۹ء میں فورٹ سنڈیمن کو بچانے میں اتنا ہی اہم کردار ادا کیا جتنا اہم کردار جہازوں سے بمباری نے ادا کیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

شیرانی سکاؤٹ کے سربراہ مشوخان شیرانی نے بھی بغاوت کی اور ۱۰ جون ۱۹۱۹ء کو موسیٰ خیل پر حملہ آور ہوا۔ میجر بروس نے اس تحصیل ہیڈ کوارٹر کا دفاع کیا۔

اس نازک صورتحال میں ہو سکتا تھا کہ افغان باغی فورٹ سنڈیمن ہیڈ کوارٹر اور تحصیل ہیڈ کوارٹر موسیٰ خیل کو قبضہ کر لیتے۔ اس لئے برٹش بلوچستان کی حکومت نے تمام ہتھیاروں سے لیس ایک فوج تشکیل دینے اور اسے جنرل او گریڈی کی زیر قیادت اور میجر ہریسن کو اس کے پولیٹیکل ایجنٹ کے طور پر مرغہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس فوج کی تیاری کو ۱۶ جون ۱۹۱۹ء تک مکمل کر کے اس کے ذریعے فورٹ سنڈیمن کو آزاد کرانا اور باغی قبیلوں کو سزا دینا مقصود تھا۔

کوئٹہ سے ۲۱ اگست ۱۹۱۹ء کو لکھے گئے خفیہ خط میں اے۔جی۔جی ڈوبس نے جنرل او گریڈی کی فوجی جوش سے عاری فوج پر تنقید کرتے ہوئے سیکرٹری خارجہ ہیملٹن گرانٹ کو لکھا:

"جنرل او گریڈی کی اصل فوج کبھی بھی کیپپ سے آگے نہیں بڑھی البتہ اس نے خود فورٹ سنڈیمن کا دورہ کیا"۔

"۳۰ جون کو فورٹ سنڈیمن سے ایک دستے نے بادینزئی فصلات اور دیہاتوں کو تباہ کیا، واپسی پر ان پر فائرنگ ہوئی اور انہیں کافی نقصان ہوا۔ ۳ جولائی ۱۹۱۹ء کو جنرل او گریڈی کو ژوب سے واپس بلانے، ان کی فوج کو کم کرنے اور جنرل دیل کے ماتحت اسے ژوب فورس کے طور پر رکھنے کے احکامات جاری کئے گئے۔ جنرل او گریڈی کی فوج ملٹری حکام نے اس مقصد کے لئے تشکیل دی تھی کہ انہیں کچھ مزید رائفلیں دے کر فورٹ سنڈیمن میں قافلوں کی نگہبانی کی جا سکے۔ لکہ بند اور فورٹ سنڈیمن کے درمیان باقی چوکیاں ختم کر دی گئیں۔ اس لئے فورٹ سنڈیمن الگ تھلگ اور باغیوں میں گھر گیا۔ اسے مشکل پہاڑوں میں لکہ بند اور کیپپ کے درمیان ضرورت پڑنے پر قافلوں کی نگہبانی کرنے کی نیت سے لورالائی سے علیحدہ کیا گیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ ژوب نے یکم جولائی ۱۹۱۹ء کو جنرل او

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گریڈی کو ایک یادداشت بھیجی جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ کیپیپ میں فوج کی موجودگی سے ارد گرد کے قبائل کے کان پر جوں تک نہیں رہے گی اور یقیناً وہ اس کے انخلا سے مزید خوفناک بن جائیں گے۔ انہوں نے محسودوں کے ساتھ وزیروں کے ژوب آنے فورٹ سنڈیمن پر حملے کرنے کی بات کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ لوٹ مار کرنے والے سلیمانخیلوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے اس امکان پر شک کا اظہار کیا کہ لورالائی سے کسی بہتر حفاظت کے بغیر قافلوں کی نگہبانی ہو سکے گی یا مرغہ، لکہ بند اور فورٹ سنڈیمن کی چھاؤنی سے پہرہ داری ہو پائے گی۔ انہوں نے اس پر اپنی بات ختم کی کہ مرغہ میں ایک مضبوط گشتی دستے کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ لورالائی اور فورٹ سنڈیمن کے مابین سڑک کھلی رکھی جائے۔ بعد میں ہونے والے واقعات نے کرنل جیکب کی پیشگوئی درست ثابت کی"۔

اسی خط میں اے۔جی۔جی نے آگے چل کر کہا کہ جنرل او گریڈی کی فوج نے ۴ جولائی ۱۹۱۹ء کو واپسی شروع کی جبکہ اس کے بعد بھی قبائلیوں کے حملے جاری رہے۔ ۶ جولائی ۱۹۱۹ء کو کیپیپ میں مشو شیرانی کے گروہ نے حکومتی فوجوں پر حملہ کیا۔ لیکن باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کے تین رہنما مارے گئے۔ ان میں مشو شیرانی، ملک شیرانی اور سندھئی شیرانی اور سردار پائیندان خان کبزئی شامل تھے۔ ۱۵/۱۶ جولائی ۱۹۱۹ء شیرک کی قیادت میں عبداللہ زیوں کے ایک بڑے لشکر نے، شیرانیوں، وزیروں اور حریفالوں کو ساتھ ملا کر، لکہ بند سے فورٹ سنڈیمن ساز و سامان لانے والے ایک قافلے پر حملہ کر دیا۔

حکومتی فوج کو مکمل شکست ہوئی۔ افغان باغیوں نے ۶۶ سپاہی اور ۳ انگریز افسر مار دیئے۔ انہوں نے تین توپیں اور ۹۴ رائفلیں قبضے میں لیں۔ اس کے بعد انہوں نے ڈیرہ غازی خان میں ویہووا پر حملہ کر کے لوٹ مار کی اور اسی طرح انہوں نے ضلع لورالائی میں بھی کئی حملے کئے۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں اونٹوں اور بیل گاڑیوں پر سوار ۱۲۰ عبداللہ زیوں، مردانزیوں، غوریزیوں (کاکڑ) اور سلیمانخیلوں نے میختر بازار پر حملہ کر کے اس میں لوٹ مار کی اور وہ اپنے ساتھ ڈھائی میل کی ٹیلیگراف تار بھی لے گئے۔ اس صورتحال میں حکومتی فوجوں کی حالت کے بارے میں اے۔جی۔جی ڈوبس نے لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"اس گروہ کی نقل و حرکت کو دیکھ کے پتہ چلتا ہے کہ ان قبائلیوں نے یہ سیکھ لیا ہے کہ وہ ہمارے فوجوں کے قریبی علاقوں کو نظر انداز کیسے کریں"۔

۱۸ جولائی ۱۹۱۹ء کو سردار پائندان خان کے بھتیجے کی قیادت میں کبزیوں، محمد جان کی قیادت میں صافیوں اور کاکڑ قبیلوں غوریزئی، مردانزئی اور عبداللہ زئی نے نے کبزئی سکاؤٹ پر حملہ کر کے ان کے ہتھیار چھین لئے۔ انہوں نے مرغہ کبزئی قلعہ کے شمال میں غورلم پہاڑوں سے گزرنے والی سڑکوں پر بھی وارداتیں کیں۔ گوال حیدرزئی کے دولت زیوں نے لورالائی کے قریب حملے کئے اور انہوں نے دکی میں حبیب کلا پر بھی دھاوا بولا۔ تاہم ڈی۔ ایس۔ پی مسٹر گلیسن کی قیادت میں پولیس فورس نے ان پر حملہ کر کے انہیں کافی نقصان پہنچایا۔

۲۷ جولائی ۱۹۱۹ء کو عبداللہ زیوں نے لورالائی سے براستہ زیارت جانے والے شاہی ایئر فورس پر ریگوڑہ کے مقام پر حملہ کیا۔ ۳ اگست ۱۹۱۹ء کو سنجاوی (سالن) بازار پر حملہ کر کے اسے جلایا گیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۱۹ء کو ۸۰ افراد پر مشتمل عبداللہ زیوں کے گروہ نے دکی بازار کو بھی لوٹا اور واپس آتے ہوئے انہوں نے پٹیالہ لانسرز پر بھی حملہ کیا۔

۱۹۱۹ء کے شورش کے سال کے دوران بہت سی پشتو شاعری کی تخلیق بھی ہوئی جسے اب تک کسی نے محفوظ نہیں کیا ہے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو عبدالرحیم مندوخیل، عبدالرحیم زیارتوال اور عبدالقہار ودان مجھ سے ملنے سیٹلائٹ ٹاؤن میں میرے گھر آئیں اور ان سے ان واقعات پر خوب بحث ہوئی۔ میں پشتو شاعری کے کچھ اشعار سے بہت محظوظ ہوا جن کا ترجمہ کچھ ایسا بنتا ہے:

۱۔ "اے چھوٹے سندھی! میں تمہارے قدموں میں قربان ہو جاوں گا اگر تم برطانوی فوج کے خچر کی لگام اپنے ہاتھوں میں لو تا کہ وہ سپاہیوں کے لئے اسلحہ لے جانے کے قابل نہ ہو سکے"۔

۲۔ "ازمیر خان (ولد اختر خان مندوخیل) زمین پر گر چکے تھے۔ وہ اپنے فخریہ مونچھوں سمیت مٹی سے لت پت ہو چکے تھے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اس دوران ان حملہ آوروں کے خلاف برٹش بلوچستان کے مقامی افغان قبیلوں کو مسلح کرنے کی تجویز پر بھی غور کیا گیا لیکن بعد میں اس وجہ سے اس پر عمل نہیں ہوا کیونکہ اے۔جی۔جی ڈوبس نے ۲۱ اگست ۱۹۱۹ء کے اپنے خفیہ خط میں لکھا:

"چونکہ افغانستان ہمارے خلاف ہے تو اس وجہ سے یہ خطرہ ہمیشہ سے موجود رہا ہے کہ اسلام کی وحدت کے جوش میں قبائل آپسی اختلافات کو پیچھے ڈال دیں گے۔ میں نے افغانستان کے ساتھ اختلافات کے ابتدائی دنوں میں دشمن کے خلاف اپنے قبائلیوں کو مسلح کرنے کے بارے میں سوچا اور اس حوالے سے میں نے اپنے سب سے تجربہ کار پولیٹیکل افسروں سے مشورہ کیا۔ لیکن وہ سب اس تجویز کے خلاف تھے۔ تاہم افغان عنصر کے خاتمے کے ساتھ ہماری عملیات ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئیں۔ اب ہمیں اپنے اندرونی مسائل کو ختم کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے وفادار اور پرامن قبائل کو ان لٹیروں کے خلاف مضبوط بنانا ہوگا جو ہمارے خلاف ہیں"۔

اوپر بیان کئے گئے اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانوی فوج تھک کر بے ہمت ہو چکی تھی اور وہ ان افغان علاقوں پر مشتمل برٹش بلوچستان کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت اور ہمت کھو چکے تھے۔ لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں افغان قیادت کی ناکامی سے بھی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔

ان دنوں سبی کے خان صاحب ولہاڑی خان مرغزانی، سردار مصطفٰی خان باروزئی، گلو خان نودھانی، خان صاحب حاجی احمد خان لونی، دوست محمد خان صافی اور سربراہ عظمت خان حجک زندہ تھے اور عوامی امور میں سرگرم حصہ لے رہے تھے تاہم وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ شمالی افغان علاقوں میں کیا ہو رہا ہے۔ صوبے کے دو معروف سیاستدان (عبدالصمد خان اچکزئی اور یوسف عزیز مگسی) ان دنوں غالباً ۱۳ سال کے ہوں گے لیکن بعد میں انہوں نے قوم پرست اور مذہبی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ تاہم ہمارے پاس کافی ثبوت اور ریکارڈ موجود نہیں ہیں کہ ان دو سرکشوں نے سبی، سنگان اور ہرنائی ریجن کے لوگوں کی زندگی اور خیالات پر کیا اثرات ڈالے ہیں جو ان دنوں شدید قحط سے گزر رہے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

البتہ اس بات کا ریکارڈ موجود ہے کہ جون ۱۹۱۹ء میں پنجپائی میں ژوب ملیشیا کی جگہ سبی / شاہپور سے کہیری (افغان) لیویز بلائی گئی۔

یہاں ان دنوں ہونے والے کچھ دیگر تاریخی واقعات کا ذکر کرنا بے جا نہیں ہو گا۔

"پنڑی کے سربراہ سردار مصطفٰی خان باروزئی ۸ فروری ۱۹۲۴ء کو فوت ہوئے۔ وہ تحصیل سبی کے معروف سردار تھے اور ان کی کمی محسوس کی جائے گی۔ ان کے بیٹے میر سمندر خان ان کے جانشین بنے"۔

اپریل ۱۹۲۳ء میں حبیب ونیچی اور ان کے گروہ نے سپین تنگی بازار کو لوٹا اور افغانستان فرار ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۲۳ء میں دلکونہ (ہرنائی) کے مقام پر آئی۔ ایم۔ ایس کے کیپٹن بارکر جونز قتل کئے گئے۔ نواب خیر بخش مری ۲۸ جنوری ۱۹۲۵ء کو سبی میں اچانک انتقال کر گئے۔ ان کے بیٹے میر مہراللہ خان ان کے جانشین بنے اور ۱۹۳۳ء میں ان کے بعد دوداخان نواب بنے اور ۱۹۵۱ء میں خیر بخش ان کے جانشین بنے۔

"گلوشہر کے لوگوں اور وہاں قریب کیمپ میں آباد مری کی شاخ مزارانی کے درمیان مویشی چَرانے پر جھگڑا ہوا جس میں ایک مری ہلاک اور کئی زخمی ہوئے۔ ایک خصوصی جرگے نے اس مسئلے کا تصفیہ کرایا"۔

جب یہ حقائق نودھانی کے موجودہ لوگوں کے سامنے رکھے گئے تو انہوں نے کہا کہ اس مری کو مرحوم فقیر علی خان ولد گلوخان نودھانی نے تلوار کی ایک وار سے قتل کیا۔ مقتول نے قاتل کو پہلے بہت غلیظ گالیاں دیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ راضی نامہ زیادہ عرصے تک نہیں چلا کیونکہ مریوں نے بدلہ لینے کے لئے نومبر ۱۹۲۶ء میں قاتل کے بڑے بھائی جلال خان نودھانی کو گولی مار کر شدید زخمی کر دیا تھا۔ وہ اس وقت اپنے بیٹے اللہ داد، بلوچ خان مرغزانی اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن مرغزانی کے ہمراہ تانگے میں سبی جا رہے تھے۔ اس تنازعے کے ابتدائی مراحل میں جب تمام توانا نودھانی افراد

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گرفتار تھے تو ان دنوں کے۔ ایس حاجی احمد خان لونی کے متعین کردہ حاجی مولوی داود خان لونی راتوں میں نودھانیوں کے گھروں پر نظر رکھتے تھے۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا سردار سمندر خان باروزئی نے فروری ۱۹۲۴ء میں اپنے والد کی موت کے فوراً بعد سبی کے پنڑی افغانوں کی سربراہی سنبھالی۔ انہی کے دور میں ملک عیسٰی خان باروزئی ولد بختیار خان باروزئی اور ان کے بھائی محمد یعقوب خان باروزئی نے کُڑک کے قریب ایک چیتے کو گولی ماری تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ چیتا شمالی پہاڑوں سے آیا تھا اور کُڑک۔ حجک سڑک پر گندم کی کھیت میں چھپا ہوا تھا۔ جیسا کہ اس وقت کے چشم دید گواہ مرحوم ملک حاجی عیسٰی خان عثمانی نے بتایا کہ کُڑک گاؤں کے موسٰی خان صافی چیتے کو دیکھ کر حیران ہوا تھا۔ اس نے فوراً گھر آکر مرزا خان باروزئی کو بتایا۔ اس کے بعد بہت سے ہندو تلوار اور بندوقیں اٹھا کر پیدل اور گھوڑوں پر اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں چیتا دیکھا گیا تھا۔ اسی دوران محمد بابئ نے چیتے کو دیکھا لیکن اس درندے نے ان پر حملہ کر کے ان کو زخمی کر دیا۔ چیتے نے میر زاخان باروئی، کالا رازی اور قادرو کمہار پر بھی حملہ کر کے ان کو شدید زخمی کیا۔ آخر کار ماہر شکاری عیسٰی خان باروزئی ولد بختیار خان، جسے اس جانور سے اپنے تجربے کی بنیاد پر نمٹنے کے لئے بلایا گیا تھا، نے اس جانور کو مار دیا۔ عیسٰی خان نومبر ۱۹۳۹ء میں فوت ہوئے اور ان کے بھائی محمد یعقوب خان باروزئی ان کے جانشین بنے۔

اس کے واقعے کے بارے میں لوگوں میں بہت دلچسپی پائی گئی اسی لئے اس کے کئی ورژن سننے کو ملتے ہیں۔ اس کے کئی سال بعد ہم اپنے بچپن میں اس کا یہی ورژن سنتے رہیں۔ اس سے متعلق انتظامی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ:

۶۔ "ستمبر ۱۹۳۰ء کے آخر میں مویشی چرانے پر تحصیل سبی حجک اور جتک براہویوں کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں تین حجک معمولی اور بارہ براہوی شدید زخمی ہوئے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۵

برٹش بلوچستان میں خلافت اور ہجرت کی تحریکیں

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ برٹش بلوچستان کے قبائلیوں کی ۱۹۱۸ء اور ۱۹۱۹ء کی بغاوتیں جزوی طور پر ہندوستان اور افغانستان کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئیں جسے ملاوں نے ہوا دی۔ ترکوں سے ان کی ہمدردی ترکی کے سلطان کی خلافت سے محبت کی وجہ سے تھی۔

اس مسئلے کے تاریخی اور بین الاقوامی پہلوؤں پر Cambridge History of India Volume VI (pages ۵۷۷ and ۵۸۴) اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

"اٹلی اور ترکی کے مابین جنگ، فارس کے حوالے سے روس اور انگلستان کے درمیان معاہدہ اور کچھ بالکن جنگ نے اس شک و شبے کو جنم دیا کہ آزاد اسلامی قوتیں خطرے میں ہیں۔ خلیفہ کے بارے میں مسلمانوں کے خیالات مختلف ہیں۔ جب ۱۲۵۸ء میں منگولوں نے عباسیوں کو شکست دی اور جب ۱۵۱۷ء میں ترکی کے سلطان سلیم اول نے اس خطاب کو اپنایا تو ہندوستان کے مسلمانوں نے مشکل سے ہی اسے تسلیم کیا تھا۔ جب ہندوستان میں مغلوں کی شہنشاہیت معدوم ہو ئی تو کچھ ہندوستانی مسلمانوں نے اس بنیاد پر سلطان کی خلافت کو قبول کیا کہ خلیفہ میں دنیاوی اور روحانی طاقت ہونی چاہیے۔ اسی وجہ سے کریمین جنگ کے دوران اپنے ہم مذہوں سے ہمدردی کا بڑھنا ایک فطری بات تھی۔ حالانکہ سر سید احمد خان جیسے سنی علما نے بھی یہ کہہ دیا تھا کہ خلافت کا ادارہ ۱۲۵۸ء میں ختم ہو چکا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"بیس سال بعد لارڈ لٹن نے لارڈ سیلزبری کو کانسٹنٹی نوپل کانفرنس (جو ترکی اور روس کے مابین جنگ برپا ہونے سے تھوڑے عرصے پہلے منعقد ہوئی) میں خبردار کرتے ہوئے لکھا کہ ترکی کے حوالے سے ہندوستانی مسلمان کسی طرح مختلف نہیں۔ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں ترکی اور بالکن ریاستوں کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور دہلی میں ایک طبی مشن تشکیل دے کر ترکوں کی مدد کے لئے بھیجا گیا جبکہ ہلال احمر نے بھی امداد وصول کی"۔

"جس طرح بنگال اور بمبئی میں سیاسی تحریکوں نے پر تشدد جرائم کو جنم دیا بالکل اسی طرح خلافت احتجاج نے بھی کیا۔ ترکی نے اتحادیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ لیکن اس سے بھی ہندوستان کی حالات پر اچھے اثرات نہیں پڑیں۔ جون ۱۹۱۵ء میں شریف آف مکہ کی بغاوت نے سلطان کی خلافت کے ساتھ ان کی عقیدت کو مزید مضبوط کر دیا۔ وہ ان کی اس وضاحت سے ٹس سے مس نہیں ہوئے کہ اسے اس فعل کے لئے ترک نوجوانوں نے اکسایا تھا۔ اتحادیوں نے اسلام کے مقدس مقامات کی حرمت کی ضمانت دی تھی۔ لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک فرقے نے اعتراف کیا کہ وہ خطرے میں ہیں"۔

افغانستان کے ساتھ امن معاہدہ کرنے کے بعد بھی ڈیورنڈ لائن پر حالات میں بہتری نہیں آئی۔ یہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۰ء کو محمد عمر الکوزئی کے اغوا کے واقعے سے واضح تھا۔ ایسا معروف آزادی کے جنگجو خیر وجان اچکزئی کے اکسانے پر کیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں تمام سرحدی علاقوں بشمول ہندوباغ، گلستان اور برشور میں شدید حملے کئے گئے۔ ۲۰۰ فراریوں پر مشتمل ایک گروہ نے برشور میں ایک فوجی اڈے پر حملہ کر کے پندرہ سپاہیوں کو ہلاک کیا، ایک برطانوی افسر سمیت دس لوگ زخمی ہوئے اور وہ بارہ رائفلیں بھی ساتھ لے گئے۔ بلوچستان ایجنسی کی سالانہ انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۲۱ء۔۱۹۲۲ء کے صفحہ ۳ پر اے۔جی۔جی نے نومبر ۱۹۲۱ء میں برشور میں ہونے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ افغان حملہ آوروں نے برشور میں فوجی اڈے پر حملہ کر کے دو برطانوی افسروں سمیت چالیس دیگر فوجی ہلاک کئے اور وہ کئی قیدی بھی اپنے ساتھ لے گئے۔

شمال میں اس انتشار کے اثرات کے ساتھ ساتھ جنوب میں بھی کچھ واقعات ہوئے۔ ۱۹۲۰ء۔۱۹۲۱ء کی بلوچستان کی سالانہ انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے:

ا۔ "۱۹۲۰ء کی بہار نے سندھ سرحد کے ساتھ بڑھتی ہوئی بے چینی دیکھی۔ ہمسائے صوبے میں بلوچستان کے اسلامی پروپیگنڈے کی محض قربت ہی سرحد کے اس پار کے مسلمانوں کی وفاداری متزلزل کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن مزید برآں یہ واضح ہے کہ اس میں بلوچستان کے مسلمانوں کے خیالات بدلنے میں خلافت تحریک کے رہنماؤں کی کوششیں بھی شامل تھی۔ اس صوبے کے مسلمانوں میں ہندوستان کے ان تحریکوں سے بے نیازی اور ہمدردی کی کمی سندھ کے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کے لئے تشویش کا باعث تھی"۔

۲۔ "اطلاع ملی ہے کہ جیکب آباد میں سندھ میں خلافت پر احتجاج کرنے والوں کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنا اگلا اجلاس کوئٹہ میں منعقد کریں گے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ ایسا کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"۔

(۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کو ڈیوکا کارٹر کو لکھا گیا خط)۔

مئی، جون اور جولائی ۱۹۲۰ء کے مہینوں میں ہندوستان اور سندھ میں برطانوی مخالف سیاسی احتجاج مزید پھیل گیا۔ اس نے عدم تعاون اور ہجرت تحریک کی شکل اختیار کی جو برٹش بلوچستان کے سبی اور مری علاقوں میں ملاوں کے ذریعے پھیلی۔ کوشش کے باوجود برطانوی حکام کسی بھی ملا کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ہجرت احتجاج میں گرمجوشی کی وجہ سے اگست ۱۹۲۰ء کا مہینہ بڑا حساس رہا۔ اس نے پہلے ہی کوئٹہ اور سبی میں اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"جولائی ۱۹۲۰ء کے آخر میں لاڑکانہ سے پنجاب جانے والی خصوصی مہاجرین ریل ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں بگل بجانے کے مترادف ثابت ہوئی۔ یہ بہت خوش نصیبی تھی کہ ان مہاجرین نے کوئٹہ کے راستے افغانستان کا رخ نہیں کیا۔ سرحدی دوستوں کی طرف سے کئی خطوط اور پیغامات آئیں کہ ملک چھوڑ دیں اور افغانستان چلے جائیں۔ ان اپیلوں کی طرف (سوائے سبی کے چند سرکار سے ناخوش افراد کے) کسی نے بھی کان نہیں دھرا"۔ (صفحہ ۱۲)

"اسی دوران صوبے کے باہر سے بلوچستان میں سیاسی اور مذہبی پروپیگنڈا پھیلانے کی جدوجہد جاری رہی۔ گرمی کے مہینوں میں سندھ کے پیر اور پنجاب کے سیاستدان کوئٹہ آتے جاتے رہے لیکن انہیں عجلت میں جلدی جانا پڑا کیونکہ ان احتجاج کرنے والوں کی یہاں کے لوگوں میں عزت نہیں تھی۔ خزاں (۱۹۲۰ء) میں حالات نے پلٹا کھایا اور انتشار ختم ہوا"۔ (صفحہ ۱۳)

اوپر دی گئی اقتباسات کی تصدیق لوگوں کی ان کہانیوں کے ذریعے بھی ہوتی ہے جو سبی کے لوگ ان دنوں کے حالات کے بارے میں سناتے تھے۔ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ لونی گاؤں سبی کے مولوی خلیل الرحمٰن رزاق نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ سبی سے مرحوم محمد یعقوب خان کی قیادت میں شکارپور جانے والے ایک گروہ کو مولوی تاج محمد امروتی نے ہجرت تحریک کی حمایت نہ کرنے پر کئی طعنے دیئے۔ 'تم۔ سبی کے لوگوں کو اسلام کے پیروکار ماننا مشکل ہے'۔ اس وقت مولوی نے ان کو کہا تھا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ سرداروں کی وفاداری اور مقامی اور غیر مقامی افسر شاہی کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ تھا کہ بلوچستان کے لوگوں نے خلافت اور ہجرت تحریکوں میں باقاعدہ حصہ نہیں لیا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سندھ اور ہندوستان کے سیاسی واقعات نے اس صوبے کے دانشوروں پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ یہ اثرات ان تحریکوں کے گزرنے کے بعد پیدا ہونے والی تنظیموں اور جماعتوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جیسا پہلے بھی ذکر ہوا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن پی۔ایل مشرانے اسمبلی میں مارچ ۱۹۲۲ء میں قرارداد پیش کی کہ "یہ اسمبلی کونسل کے گورنر جنرل کو سفارش کرتی ہے کہ ریگولیشن ۱۱۱ جسے فرنٹئیر کرائمز ریگولیشن کہا جاتا ہے، اسے فی الفور منسوخ کیا جائے"۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اے۔جی۔جی نے نواب سر میر شمس شاہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی جس میں خان بہادر میر شربت خان، رائے بہادر دیوان جمعیت رائے، خان بہادر خان تما خان ای۔اے۔سی، قاضی عبداللہ جان، سردار بہادر نواب اسداللہ خان رئیسانی اور خان بہادر حاجی اسکان خان ترین اراکین کے طور پر شامل تھے۔

۱۹۱۸ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں برٹش بلوچستان کے سیاسی انقلابات کے بعد صوبے کے بڑے حصے میں قلت اور قحط نے ۱۹۲۱ء کے اوائل میں لوگوں کو متاثر کرنا شروع کیا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو اس وقت کے اے۔جی۔جی سر ارمین ڈیو نے اپنے گارڈن پارٹی کے دوران اپنی تقریر میں کہا کہ جرگے کے ششماہی اجلاس، کوئٹہ کا دربار اور میلہ اسپاں کو ملتوی کرنا پڑے گا:

"موجودہ قحط اور متعدی زکام اور پورے صوبے میں ہماری عمومی معاشی حالت کی وجہ سے پچھلے چھ مہینے میں قحط، عمومی قلت، مہنگائی اور ہیضہ کے شدید اثرات سے نمٹنے میں لگے"۔

"کوئٹہ میں نئی ٹاؤن کی عمارت اور مارکیٹ نے کافی لوگوں کو کام دیا"۔

"ہمیں ہمارے دیرینہ ساتھی اہلکار آر۔بی دیوان بھاگ مل کی پنجاب میں اپنے گھر میں ہونے والی موت پر سخت افسوس ہے"۔

بلوچستان کے ریونیو کمشنر لیفٹننٹ کرنل رامسے ۱۹۲۱ء۔ ۱۹۲۲ء کے حوالے سے "Famine and Scarcity" کے عنوان تلے لکھتے ہیں کہ ۱۹۲۱ء کے اوائل میں ہی یہ واضح ہو گیا تھا کہ بری فصلوں اور سردیوں میں ہونے والی ناکافی بارشوں کی وجہ سے صوبے کے کچھ علاقوں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں قحط اور دیگر میں قلت پیدا ہو گی۔ بے شمار مویشی، بھیڑ اور بکریاں مر گئیں، کچھ لوگوں نے زندہ رہنے کے لئے اپنے گھر کا سامان تک بیچا اور بہت سے لوگوں نے اپنے ریوڑوں کے ساتھ سندھ اور اور کچھ نے کندھار ہجرت کی۔

اس پر صوبے میں پھوٹنے والی ہیضے کی وباء نے اس کے اثرات مزید شدید کر دیئے۔ کوئٹہ، پشین، سبی، لورالائی اور ژوب کے اضلاع میں اپریل ۱۹۲۱ء سے مارچ ۱۹۲۲ء کے دوران ۲۰۰۰ لوگ مارے گئے۔

صدی کے آخری ربع حصے میں سنگان اور اس کے آس پاس رہنے والے افغان قبائل کی آپس میں کئی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یہ لڑائیاں باروزیوں کی آپس میں اور ان کے اپنے مزارعوں سے حکومتی محصول اکٹھا کرنے پر ہوتی رہیں۔ ۱۹۲۷ء۔۱۹۲۸ء کی انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۴۳ پر درج ذیل عبارت ہے:

"مارچ ۱۹۲۷ء میں باروزیوں اور سنگان کے زمینداروں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی۔ یہ معاملہ جرگے کو پیش کیا گیا جس نے تیرہ باروزئی اور آٹھ زمینداروں کو مجرم قرار دیتے ہوئے انہیں مختلف میعاد کے لئے سزائیں دیں۔ ہر ایک فریق پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ بھی عائد کیا گیا۔ سردار تاج محمد خان اور مالک ناصر کو بھی چھ مہینے کے لئے سبی تحصیل سے بدر کیا گیا۔ بعد میں دونوں فریقوں کے کچھ لوگ پیروں کے پاس گئے اور انہوں نے دیرپا امن رکھنے کے لئے تصفیہ کیا۔ اسے قبول کیا گیا اور سردار تاج محمد خان اور ملک ناصر کی سزا ختم کی گئی"۔

سنگان سردار تاج محمد خان ذوالفقارزئی باروزئی سبی سب ڈویژن کے سب سے پرانے سردار، ۲۸ ستمبر ۱۹۳۳ء کو فوت ہوئے۔ اور ان کے بیٹے سردار باز محمد خان باروزئی نے ان کی جگہ لی۔ اسی عرصے میں برٹش بلوچستان کے کچھ تعلیم یافتہ ملازمین نے بھی کچھ احتجاج کئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۲جون ۱۹۳۴کو لکھی گئی اپنی ایک درخواست میں سبی سے تعلق رکھنے والے معروف صحافی اور "بلوچستان جدید" بارنیس روڈ کراچی کے ایڈیٹر نسیم تلوی نے پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ۔پشین کو خبر دی کہ مولوی عبدالرشید (غالباً دفتر کے سپرنٹنڈنٹ) جو خود ایک آبادکار ہیں وہ مقامی لوگوں کے بدخواہ ہیں۔ اور یہ کہ عرض گزار کو سات سال تک پرائمری سکول استاد (جزوی طور پر بارنیس ہائی سکول میں) رہنے کے بعد اپنی ملازمت چھوڑنی پڑی۔ اب انہوں نے اپنے اخبار کو کوئٹہ منتقل کرنے کی درخواست دی ہے۔ یہ ناخوشی آنے والے سالوں میں مزید بھی بڑھی جن کا تعلق خان بہادر عبدالرشید خان، مولوی نذیر احمد، ملک فضل داد اور ملک عبدالقادر سے تھا جو سارے غیر مقامی اور آبادکار تھے اور مقامی لوگ انہیں "چہار درویش" کہا کرتے تھے۔ لیکن در حقیقت وہ 'مسلمانوں کے حامی' تھے اور انہیں غلطی سے مقامیوں کے خلاف سمجھا گیا۔

۳۹۔۱۹۳۸ء کی انتظامی رپورٹ میں یہ سطور موجود ہیں:

"ڈھاڈر (ریاست قلات) کے کھوجی حاجی گل محمد کھوسہ کو سبی بازار میں ۱۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو تحصیل سبی کے تین دہپالیوں نے قتل کر دیا تھا۔ یہ اس دہپال کے قتل کا بدلہ تھا جسے قلات میں پچھلے سال قتل کیا گیا تھا"۔

ہم میں سے بہت سے لوگوں نے "زرک (ژڑک) خان" کی شاندار کہانیاں سنی ہیں۔ ان کی بہادری کے بارے میں انگریزی میں ایک کتاب لکھی گئی اور فلم بھی بنائی گئی تھی۔ اس تصوراتی کہانی کے علاوہ ان کے بارے میں ضلع لورالائی کے انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۲۷ء۔ ۱۹۲۸ء میں صرف ایک عبارت موجود ہے جس میں اس وقت کے پولیٹیکل ایجنٹ لورالائی ڈی لافارگ نے لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"اندرونی امن کے حوالے سے طور (بوری تحصیل) میں اپریل ۱۹۲۷ء میں ایک پٹواری اور وریزئی (دکی تحصیل) میں دسمبر ۱۹۲۷ء میں ایک پولیس کانسٹیبل کا قتل اس سال کے اہم واقعات ہیں۔ وریزئی کے قتل میں دکی کے ایک مفرور ژڑک خان کو کافی توجہ حاصل ہوئی۔ حمزازئی۔لونی کے مابین گدے بر کے پہاڑوں میں مفرور ژڑک اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ فروری ۱۹۲۸ء میں اپنی ہی درخواست پر اپنے خلاف معاملات ختم کرانے اور دریزئی قتل میں صفائی دینے کے لئے نیچے آئے۔ ان کی پیروی کرتے ہوئے چودہ دیگر فراری، جن میں زیادہ تر دکی اور کوہلو کے زرکون شامل ہیں، بھی اسی مقصد کے تحت آئے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۶

صوبے میں اصلاحات کا مطالبہ اور افغانستان کے بادشاہ امان اللہ کی رخصتی

پورے ہندوستان میں مانٹیگو چیمسفورڈ کی ۱۹۱۸ء کی رپورٹ کے حوالے سے سیاسی فعالیت دیکھی گئی۔ اس رپورٹ کو بعد میں حکومت ہند کے ایکٹ ۱۹۱۹ء میں شامل کر لیا گیا جسے `۱۹۱۹ء کی اصلاحات` کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ حکومت بلوچستان کی آرکائیوز میں بھی ہمیں اس حوالے سے ایک چھوٹی سی فائل ملتی ہے جس کا عنوان A.G.G Balochistan: Year ۱۹۲۸: Secret: Subject – A Memorandum presented to the Indian statutory commission by the Government of India on the subject of Reforms in Balochistan ہے۔ یہ یادداشت چودہ صفحات پر مشتمل ہے جس میں درج ذیل گیارہ سرخیاں ہیں۔

۱۔ مرکزی شماریاتی اعداد
۲۔ ہندوستانی ریاستیں اور قبائلی علاقہ جات
۳۔ برطانوی انتظامیہ کے ماتحت علاقے
۴۔ مالیاتی امور
۵۔ بلوچستان اور ۱۹۱۹ء کی اصلاحات
۶۔ ۷ ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء کا سر ہنری ڈوبس کا مراسلہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۷۔ حکومت کا ۱۹۲۰ء کا فیصلہ

۸۔ حالیہ تجزیہ

۹۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۷ء کا سر فریڈرک جونسٹن کا مراسلہ

۱۰۔ ۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء کا کرنل سینٹ جون کا مراسلہ

۱۱۔ اختتامیہ کلمات

ذیل میں کچھ الفاظ دیئے جارہے ہیں جو سرخی نمبر ۵ سے لئے گئے ہیں:

"ہندوستان کے آئینی اصلاحات کی عبارت ۱۹۸ میں بلوچستان کا ذکر ان علاقوں کے طور پر ہوا ہے جن کے بارے میں حکومت ہند کو اس مشورے پر عمل کرنے کا کہا گیا ہے کہ اسے زمینی حقائق کی روشنی میں ایک مشاورتی کونسل کی شکل میں چیف کمشنر کی انتظامیہ کے تحت رکھا جائے۔ اے۔جی۔جی (ڈوبس) کو اپنے خیالات کے لئے بلایا گیا اور اس نے انہیں مندرجہ ذیل مراسلہ پیش کیا (۲۷ اکتوبر ۱۹۱۸ء)"۔

ڈوبس نے لکھا کہ صرف چند قبائلی ہیں جو سرداروں کی طاقت اور رواجی قانون کو پسند نہیں کرتے۔ دیگر سب لوگ اس نظام کو پسند کرتے ہیں اور اس میں کسی بھی تبدیلی کے خواہشمند نہیں ہیں۔ برٹش بلوچستان کے لئے ایک الگ مشاورتی کونسل قائم کرنے میں قانونی اور عملی مشکلات بھی حائل ہیں۔ ڈوبس نے کہا کہ اس عمل سے ریاست قلات کے سرداروں کو خارج کرنا مشکل ہے۔ قبائلی نظام کے اوپر ایک مرکزی مشاورتی کونسل لانا ممکن نہیں ہے۔ اس کے خلاف سر فریڈرک جونسٹن نے اپنے ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۷ء کے مراسلے میں لکھا کہ انہیں اس علاقے کے اپنے سرکردہ رہنماوں پر مشتمل ایک آئینی کونسل پر کوئی اعتراض نہیں ہے جو اپنے معاملات کے حوالے آسانی سے قانون سازی کر سکے۔ اس پر اے۔جی۔جی سینٹ جون نے اپنے ۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء کے مراسلے میں لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"سائمن کمیشن کا ہندوستان کے اگلے دورے اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی اور بلوچستان میں مکمل اصلاحات کے حق میں دہلی کے معروف سیاستدانوں کی رائے کی روشنی میں یہ بہت ضروری ہے کہ انتظامیہ اس کا ایک بار پھر جائزہ لیں"۔

ایک پیچیدہ دلیل دینے کے بعد وہ پھر کہتا ہے:

"ان حالات میں میں نہیں سمجھتا کہ شاہی جرگہ کے نظام میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کی جائے۔ میں اس حق میں ہوں کہ یہ اسمبلی انتظامی امور پر مشاورت اور صوبے کے عوام کی عمومی فلاح کے لئے زیادہ تواتر سے ملے"۔

اے۔جی۔جی کے مندرجہ بالا خیالات کو بنیاد بنا کر حکومت ہند نے اس معاملے کو ختم کرتے ہوئے لکھا:

"بلوچستان کے عوام نے آئینی اصلاحات کے ذریعے کسی بھی قسم کے ادارے بنانے کی کوئی بھی تجاویز نہیں دیں۔ تاہم اسے ہندوستانی مسلم سیاسی پلیٹ فارم کے مرکزی لوحوں کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اگر اس طرح کا کوئی مطالبہ سامنے آتا ہے تو اس کو تجویز کرنے والوں کو موجودہ رژیم میں کسی بھی تبدیلی کے لئے بہت پختہ اور معقول دلائل پیش کرنے ہوں گے"۔

۲۰ سے ۲۸ اپریل ۱۹۲۷ء کو وائسرائے ہند لارڈ ارون اور ان کی بیگم نے کوئٹہ اور پھر چمن، مستونگ اور فورٹ سنڈیمن کا دورہ کیا۔ ایک کتابچے "ہماری جدوجہد کی داستان (۱۹۵۴ء)" میں مرحوم عبدالصمد درانی کے ایک مضمون کے مطابق "انجمن ملک مسلمانان بلوچستان" کے اراکین نے شاہی جرگہ کے ارکان کو ترغیب دی کہ دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ وہ وائسرائے کے سامنے اپنے سپاسنامے میں حکومت سے یہ مطالبہ بھی شامل کریں کہ وہ اس صوبے کے عوام کے تعلیمی، معاشی اور سماجی حقوق کی ضمانت دیں۔ معتبرین نے ریذیڈنسی گارڈن میں ہونے والے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

استقبالیہ میں اس خطاب کے لئے خان عطا محمد خان مرغزانی کو منتخب کیا۔ ہندوستان کے بہت سے اخباروں نے ان کے خطاب کے نکات کو اگلے دن شائع کیا اور کچھ اخباروں نے تو اس پر اداریے بھی لکھے۔ لاہور کے کچھ اخباروں نے اسے بلوچستان میں سیاسی بیداری کا آغاز قرار دیا۔ تاہم عبدالصمد درانی اس کی تاریخوں، ناموں اور جگہوں کے حوالے سے کچھ الجھن کا شکار رہے ہیں۔ اس حوالے سے مولوی دین محمد کی کتاب "یادگار تاجپوشی قلات ۱۹۳۲ء" اور بلوچستان ایجنسی کی انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۳۲ء۔ ۱۹۳۳ء میں درج ذیل حقائق ہیں:

"وائسرائے ہند لارڈ اور لیڈی ویلنگٹن میر اعظم جان کو خان قلات کی منصب پر بٹھانے کے لئے کوئٹہ کے دورے پر آئیں۔ یہ تقریب ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو کوئٹہ جم خانہ میں ہوئی۔ برٹش بلوچستان کے معتبرین نے وائسرائے کے لئے گورنمنٹ ہاوس میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا جس سے خطاب کرتے ہوئے عطا محمد خان مرغزانی اور اسی طرح نواب محمد خان جوگیزئی نے وائسرائے کو خوش آمدید کہا۔ اس موقع پر خان بہادر سردار وہاب خان پانیزئی، خان صاحب سردار مراد خان سارنگزئی نے ضلع سبی کی نمائندگی کی۔ لورالائی کی نمائندگی سردار مہر شاہ غرشین۔ سردار گوہر خان لونی اور خان بہادر غنڈک خان کدیزئی نے کی"۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصے بعد، دسمبر ۱۹۲۷ء میں افغانستان کی ملکہ ثریا اور بادشاہ امان اللہ خان یورپ جانے کے لئے کوئٹہ پشین ضلع سے گزریں۔ وہ سات مہینے بعد جولائی ۱۹۲۸ء میں سڑک کے ذریعے مشہد اور ہرات کے راستے واپس آئیں۔ بلوچستان پر ملٹری رپورٹ کے حصہ دوم (صفحہ ۲۱) پر ایک عبارت ہے:

"دسمبر ۱۹۲۷ء میں افغانستان کے بادشاہ کے یورپ کے دورے کے حوالے سے بھی مراسلے میں اضافہ کیا جانا چاہیے۔ افغان سرحد پر بادشاہ امان اللہ خان کے استقبال کے لئے ایک بریگیڈ چمن بھیجی گئی وہاں سے ان کی آمد کے بعد وہ بذریعہ ریل کراچی روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے کوئٹہ میں انہیں ملٹری اعزاز کے ساتھ مختصر استقبالیہ دیا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

عطا محمد خان مرغزانی ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے، وہ ۱۹۱۷ء میں نائب تحصیلدار، اور ۱۹۲۵ء میں تحصیلدار تعینات ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۲۹ء میں اس وقت حکومت کی ملازمت سے استعفادے دیا جب وہ بارکھان میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے سبی سے اخبار "کلمات الحق" کا اجرا کیا اور انہوں نے ایک کتاب Psychology of Human Habits بھی لکھی اور اسی طرح خود ساختہ ملاوں کے کردار پر بھی ایک کتاب لکھی۔ انہوں نے ۱۹۵۰ء میں حج ادا کیا۔ ۲ مارچ ۱۹۳۵ء کو پولیٹیکل ایجنٹ سبی نے ان کے اخبار کی اشاعت کی درخواست کے حوالے سے اپنے خط میں لکھا:

"پچھلے سال ان پر یہ شک کیا گیا کہ ان کی بلوچستان کے سیاسی ذہن رکھنے والوں کے ساتھ ہمدردی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے پیش رو نے انہیں اس حوالے سے خبردار بھی کیا تھا"۔

اس سے پہلے ایک اخبار شائع کرنے کی اجازت کے لئے ۲۳ دسمبر ۱۹۳۴ء کو لکھی گئی درخواست میں مرغزانی نے کہا تھا کہ وہ یہ سن سن کے تھک گئے کہ وہ ایک سماجی مصلح ہیں اور وہ بیگار، غلامی اور بری رواجوں جیسی برائیوں کے خلاف ہے اور اب وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اپنے خیالات کی تشہیر کے لئے ایک اخبار کا اجرا کیا جائے۔ انہوں نے بارنیس ہائی سکول سبی کے سامنے لگائی گئی پرانے پریس سے ایک اخبار کا اجرا کیا۔

وہ ۳۱ جولوئی ۱۹۵۸ء کو سکھر میں غیر معمولی حالت میں ۶۶ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ انہیں تحصیل سبی میں داوی گاؤں / ولہاڑی شہر کی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ایمانداری سے اگر کہا جائے تو وہ وہ سبی کے پہلے سیاستدان اور پہلے صحافی تھے۔ اپنے مذکورہ مضمون میں مرحوم عبدالصمد درانی نے وائسرائے (لارڈ ارون) کے دورے کی تاریخ اپریل ۱۹۳۱ء لکھی ہے جس کا سرکاری دستاویزات میں کوئی ذکر نہیں ہے، اس لئے اسے درست نہیں مانا جاسکتا۔ وائسرائے اور

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ان کی بیگم فورٹ سنڈیمن سے بذریعہ طیارہ ۲۳ اپریل ۱۹۳۲ء کو کوئٹہ پہنچے تھے اور ۲۸ اپریل ۱۹۳۲ء کو بذریعہ ریل واپس گئے۔ یہ تاریخیں صمد درانی کی دی گئی تاریخوں سے مختلف ہیں جس میں انہوں نے عطا محمد خان مرغزانی کا وائسرائے کو سپاسنامہ پیش کرنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اگرچہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے لیکن ہم اپریل ۱۹۳۲ء کو سر دست درست تاریخ مان سکتے ہیں۔ اپنی کتاب "بابائے پشتون" میں صفحہ ۳۷ اور ۳۸ پر پروفیسر غنو نے خان صاحب کا ایک بیان دیا ہے جس کی ترتیب یوں بنتی ہے، (ا) "کلمات الحق" کراچی سے چھپ کر سبی سے جاری ہوتا تھا، (ب) کچھ دنوں کی اشاعت کے بعد اخبار بند ہوا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے (گورنمنٹ بارنیس ہائی سکول کے طالب علم کے طور پر) ۱۹۴۶ء۔۱۹۴۷ء میں اس اخبار کو ان کے سبی کے پریس سے کافی عرصے تک چھپتے دیکھا۔

سردارزادہ یوسف علی خان عزیز مگسی ولد سردار قیصر خان مگسی نے مرغزانی کی پیروی کی۔ وہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۹ء تک ملتان میں قیام کے دوران انڈین نیشنل کانگرس کی سیاسی سرگرمیوں سے متاثر ہوئے تھے۔ ۱۷ نومبر ۱۹۲۹ء کو انہوں نے لاہور کے اخبار "ہمدرد" میں ایک مضمون (فریاد بلوچستان) لکھا جس کے نتیجے میں ۱۹۳۰ء میں سبی پہنچنے پر انہیں گرفتار کر کے مستونگ جیل بھیجا گیا۔ ۱۷ جولائی ۱۹۳۰ء کو ایک قبائلی جرگے نے قلات میں ہونے والے اجلاس میں انہیں مجرم قرار دیتے ہوئے ایک سال کے لئے اپنے گھر میں نظر بند کرنے کی سزا دی اور ان پر ۱۲۹۰۰ روپیہ کا جرمانہ عائد کیا گیا اور مستقبل میں اچھے رویے کی ضمانت بھی طلب کی گئی۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں کچھ سیاسی شعور رکھنے والے نوجوانوں نے "انجمن اتحاد بلوچاں" قائم کی اور سردار زادہ اس کے صدر بنے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء کو اس تنظیم نے "شمس گردی" کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں ریاست قلات کے وزیر اعظم میر شمس شاہ کی زیادتیوں کی تفصیل دی گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ میر عبدالعزیز کرد نے یہ کتابچہ لکھا تھا۔ برطانوی دور کی دستاویزات کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مطابق محمد حسن والد محمد عبداللہ (غالبا معروف نظامی) پر بھی شک ہوا کہ وہ ڈیرہ بگٹی کے امور کے حوالے سے "محراب گردی" کے عنوان سے ایسا ہی کتابچہ لکھ رہے ہیں۔

آخر کار نومبر ۱۹۳۱ء میں انجمن اتحاد بلوچاں پرنس محمد اعظم جان کو خان قلات کے منصب پر بٹھانے میں کامیاب ہوئی۔ میر شمس شاہ کو اپنے منصب سے یکم جنوری ۱۹۳۲ء سے استعفا دینا پڑا کیونکہ وہ خان قلات کے منصب کے لئے اپنے امیدوار کی تعیناتی میں ناکام ہو چکا تھا۔ ان کی جگہ کے۔بی گل محمد خان نے لی۔ دسمبر ۱۹۳۲ء میں سردارزادہ کی کوششوں سے جیکب آباد میں آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کانفرنس کی صدارت کے لئے عبدالصمد خان اچکزئی شہید کو کہا گیا۔ مصنفوں عنایت اللہ بلوچ، جان محمد دشتی اور عزیز بگٹی نے اپنی تحریروں میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے جبکہ میر گل خان نصیر نے اس پر بات کی ہے۔

سردار گل محمد خان مگسی نے بیماری کی وجہ سے اپریل ۱۹۳۳ء میں اپنے منصب سے استعفا دے دیا اس پر ان کے چھوٹے بھائی یوسف علی خان کو مگسی قبیلے کا سردار بنایا گیا۔ انہیں سرداری کی خلعت مرحوم خان بیگلر بیگی نواب بہادر سر محمد اعظم جان نے پہنائی جو خود قلات میں ۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء کو فوت ہوئے۔ ان کے بیٹے لیفٹننٹ شہزادہ احمد یار خان دوم ان کے جانشین بنے۔ فروری ۱۹۳۴ء میں خان نے نوجوان یوسف علی مگسی کو ایک خفیہ مشن پر انگلستان بھیجا۔ وہ فروری ۱۹۳۵ء میں واپس آئے اور بدقسمتی سے ۳۱ مئی ۱۹۳۵ کو کوئٹہ میں ہونے والے ہولناک زلزلے میں فوت ہوئے۔ ان کی سیاسی تاریخ صرف پانچ سال کے مختصر عرصے پر محیط رہی۔

سبی کے ایک اور معروف اشتراکی سیاستدان کُڑک گاؤں کے قاضی داد محمد ولد قاضی عرض محمد دفعدار لیویز تھے۔ ایک شائع شدہ مضمون (جو ان کے بیٹے قاضی محمد یعقوب نے ۱۸ اپریل ۲۰۰۰ء کو مجھے دیا) کے مطابق وہ ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ستمبر ۱۹۵۱ء کو سول ہسپتال کوئٹہ میں فوت ہوئے۔ انہیں کاسی قبرستان میں یوسف علی عزیز مگسی کے پہلو میں دفنایا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گیا۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول کُڑک سے حاصل کی اور گورنمنٹ ہائی سکول سبی سے مڈل پاس کیا۔ وہ ۱۹۲۱ء میں اپنی تعلم ترک کر کے ریونیو محکمہ میں پٹواری تعینات ہوئے اور ۱۹۲۶ء میں انہیں نائب تحصیلدار کی منصب پر ترقی دی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں سرکاری ملازمت کو خیر باد کہہ کر انہوں نے "بلوچستان لیبر فاونڈیشن" بنائی۔ انہوں نے سبی میں ایک لائبریری "مزدور یوسف لائبریری" قائم کی۔ ایک بار ان کے چاہنے والوں نے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ اتم چند سڑک کو قاضی صاحب کے نام سے منسوب کیا جائے۔

قاضی صاحب کے بارے میں ۱۹ مئی ۱۹۳۹ء کے ایک خفیہ مراسلے میں قدرے بخیلانہ خلاصہ موجود ہے جو پولیٹیکل ایجنٹ سبی کے ایک انگریز سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس نے لکھا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے:

"اپنے آپ کو سماجی مصلح کے طور پر پیش کر کے قاضی اپنے گزر بسر کے لئے کماتا ہے۔ عبدالصمد اچکزئی اور ان کی جماعت سے رابطے سے پہلے وہ بہت مفلس تھے۔ ۱۹۳۴ء میں اس نے سبی میں ایک دکان کھولی جس میں کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ اس پر ان کے گاہکوں کے ساتھ بدلحاظی نے ان کی معاشی حالت میں بہتری کا کوئی موقع نہیں دیا۔ اپنی معاشی حالت میں بہتری لانے کے لئے اس نے عبدالصمد اچکزئی کے ایک ساتھی کو اس نیت پر ٹھیکہ دیا کہ اس طرح وہ مقامی مسلمان گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ پائے گا۔ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا اور انہیں کرایہ نہ دینے کی پاداش میں جیل جانا پڑا۔ مقدمے کے دوران توہین عدالت کرنے پر ان کی سزا مزید بڑھائی گئی۔ سینٹرل جیل مچھ میں انہوں نے جیل انتظامیہ کے خلاف بھوک ہڑتال کر دی، جسے بہر حال عبدالصمد خان اچکزئی کے کہنے پر ختم کی۔ رہا ہونے کے بعد انہوں نے سبی میں مسجد بنانے کے لئے چندہ اکھٹا کیا جو کچھ وقت ان کے لئے سود مند رہا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۳۷ء میں انہوں نے کوئٹہ میں مزدوروں کی ہڑتال میں بھرپور حصہ لیا اور اسی طرح کی ہڑتال انہوں نے مستونگ میں بھی کرائی۔ انہیں مزدور کمیٹی کا عہدیدار بنایا گیا۔ سبی واپس آنے پر انہوں نے اپنے آپ کو "مزدور یونین" کا مقامی نمائندہ ظاہر کیا لیکن کسی نے انہیں توجہ نہیں دی۔ ۱۹۳۸ء میں ہر طرح سے ناکام ہونے کے بعد انہوں نے سردار یوسف عزیز مگسی کی یاد میں لائبریری قائم کرنے کے لئے چندہ اکھٹا کیا۔ اس نے انہیں دیوالیہ ہونے سے بچایا۔ ۱۹۳۹ء میں وہ عزیز پریس کوئٹہ قائم کرنے کے لئے ہونے والے چندے میں سے کچھ نہ ملنے پر عبدالصمد خان اچکزئی سے الجھ پڑیں۔ ان کی پرانی چالاکیاں کام ائیں اور اب انہوں نے "مزدور" کے نام سے اخبار نکالنے کے لئے پھر سے چندہ اکھٹا کرنا شروع کیا ہے"۔

قاضی داد محمد ایک بے ایمان ہیں اور عبدالصمد خان اچکزئی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ان کا تعلق ایک منفی خوبی ہے۔ اگرچہ قاضی موخرالذکر کو ایک سیاسی اور قومی ہیرو کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن ان کے خیالات مبہم ہیں۔ حتٰی کہ انہوں نے قرض کی وجہ سے کاٹی جیل کو بھی سیاسی قربانی کا نام دیا ہے۔ ۱۹۳۹ء کے اوائل میں انہوں نے راجکوٹ کے معاملے میں مداخلت کرنے کے لئے وائسرائے کو تار بھیجی اور انہوں نے سٹیٹ پیپلز کانفرنس کے وقت جواہر لال نہرو کو بھی تار بھیجی کہ بلوچستان کے مزدور ان کے ساتھ ہیں۔

اوپر بیان کئے گئے خلاصے میں اضافہ کرتے ہوئے میں کہوں گا کہ اس طرح کے مفلسوں کا ذریعہ معاش چندے نہیں بلکہ بلیک میل ہے کیونکہ جو لوگ آسانی سے شہرت کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ انہیں فوراً پیسے دے دیتے ہیں"۔

۱۰ ستمبر ۲۰۰۰ء کو فضل احمد غازی نے مجھے بتایا کہ کان کے مالک مرحوم ولایت حسین، مستونگ شورش بابو اور ملک سید محمد کاسی قاضی صاحب کے خیرخواہ تھے۔ انہوں نے ان کی باعزت تدفین اور ان کی قبر پکی کرنے میں مدد فراہم کی تھی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۲۶ء۔۱۹۲۷ء میں خان قلات (میر محمود خان) نے قلات ریاست نومبر ۱۹۲۶ء سے غلامی ختم کرنے کا فرمان جاری کیا تھا۔ وہ ۳نومبر ۱۹۳۱ء کو انتقال کر گئے اور میر اعظم جان ان کے جانشین بنے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو لارڈ ویلنگٹن وائسرائے ہند نے کوئٹہ دربار میں ان کو خان کی منصب پر باقاعدہ بٹھایا۔ اس تقریب میں نواب محمد خان جوگیزئی، سردار غلام محمد خان ترین، نواب اسد اللہ خان رئیسانی، سردار سمندر خان باروزئی، سردار رستم خان جمالی، میر نور محمد خان گولہ اور دیگر افراد نے شرکت کی تھی۔

خان بہادر سردار گل محمد خان، جو بعد میں ۱۹۳۲ء میں میر شمس شاہ کی جگہ قلات کے وزیر اعظم بنے تھے، دسمبر ۱۹۲۷ء میں بادشاہ امان اللہ خان کے مہماندار تعینات ہوئے اور وہ افغانستان میں قلعہ جدید سے بمبئی تک ان کے ہمراہ رہے۔ اور وہ اس وقت بھی مئی ۱۹۲۹ء میں ہندوستانی سیاسی افسر کے طور پر رہے جب بادشاہ افغانستان چھوڑ کر جا رہے تھے۔ وہ بغداد جاتے وقت امیر عنایت اللہ کے بھی ہمراہ تھے۔ انہوں نے وزیر اعظم سردار محمد ہاشم خان کے دورہ کوئٹہ کے دوران سیاسی افسر کے فرائض ادا کئے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو ای۔بی ویکفیلڈ آئی۔ سی۔ ایس نے انہیں ریات قلات کا وزیر اعظم اور خان صاحب میاں نصیر الدین کو خان کا چیف سیکرٹری مقرر کیا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۹ء کو ایک معروف ریونیو افسر کے۔بی مولوی منیر احمد (مولوی محمود کے چچا) قلات کے وزیر اعظم تعینات ہوئے اور انہوں نے ۲۵ جون ۱۹۴۰ء تک اس منصب کے فرائض سر انجام دیئے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ریٹائرڈ ای۔ اے۔ سی کے۔بی مرزا شیر محمد خان کو چارج دیا۔ انہوں نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۰ء تک اس منصب پر کام کیا۔ یکم نومبر ۱۹۴۰ء سے سال کے آخر تک میجر پنہے اس منصب پر رہے۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں ریاست قلات میں وزیر خاص بننے کے بعد حاجی محمد ابراہیم خان کی جگہ ستمبر ۱۹۳۹ء میں میر عزیز کرد وزیر مکران بنے۔ ۱۹۴۰ء۔۱۹۴۱ء میں کسٹم افسر جیوانی میر گل خان نصیر کا تبادلہ کر کے انہیں کسٹم افسر پسنی تعینات کیا گیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جولائی ۱۹۲۸ء میں غیر ملکی دورے سے لوٹنے کے بعد افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خان نے آئین بنانے اور تعلیم اور سماجی اصلاحات لانے کے لئے تیسرا لویہ جرگہ بلایا۔ ان کے ان اقدامات کے بعد کئی مسائل پیدا ہوئے اس دوران ایک تاجک ڈاکو بچہ سکاؤ نے دارالخلافہ پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو کندھار جانے پر مجبور کیا۔ اپریل۔ مئی ۱۹۲۹ء میں بادشاہ نے کابل واپس لینے کے لئے کئی بار جدوجہد کی لیکن انہیں تاجک۔غلزئی اتحاد نے شکست دی۔ اور آخر کار مئی ۱۹۲۹ء میں وہ جلاوطن ہوگئے۔ انتظامی رپورٹ برائے سال ۳۰۔۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۱ء کے ذیل میں دی گئیں اقتباسات ان دنوں کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱)۔ سابق بادشاہ امان اللہ کے کابل سے کندھار جانے کے بعد افغانستان میں پھیلے انتشار کے اثرات کوئٹہ پشین ضلع کے سرحدی قبیلوں خصوصا اچکزیوں پر بھی پڑیں۔ کچھ بدنام لوگ بھی سرحد پار جاکر امان اللہ کے ساتھ ملیں۔ جنوری ۱۹۲۹ء میں عنایت اللہ خان، مارچ ۱۹۲۹ء میں شاغاسی علی احمد کے کوئٹہ سے گزرنے اور امان اللہ خان کی معزولی کے نتیجے میں پشاور کی طرف آنے والے سرکاری اہلکاروں کی وجہ سے کوئٹہ پشین ضلع میں بھی افراتفری پھیلی"۔ (انتظامیہ رپورٹ ۱۹۲۸ء۔۱۹۲۹ء)

"مئی ۱۹۲۹ء میں سابق بادشاہ امان اللہ خان نے اپنے بھائی عنایت اللہ خان اور ۷۰ افراد پر مشتمل قافلے کے ہمراہ مہاجرین کی حیثیت سے چمن سرحد پار کی۔ اگرچہ ان کی آمد بالکل غیر متوقع تھی لیکن ان کی اقامت اور حفاظت کے لئے فوری انتظام کیا گیا۔ ان کو اور ان کے خاندان کے تمام افراد کو ممبئی کے لئے ایک خصوصی ریل میں بٹھایا گیا جہاں وہ باہر جانے تک رہیں۔ افغانستان کے حالات کی وجہ سے اس انتظامیہ کو کافی تکلیف ہوئی اور اس کے اثرات پورے صوبے میں اور کوئٹہ پشین ضلع میں شدید طور پر محسوس کئے گئے۔ یہاں کچھ ایسے واقعات بھی ہوئے جن پر قابو پانے کے لئے مقامی انتظامیہ نے فوری اقدامات کئے۔ ہمارے قبائلیوں میں ایک

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

شدید پروپیگنڈا کیا گیا لیکن ہمارے ضلعی افسروں کی حکمت عملی اور نگرانی اور ملکوں اور سربراہوں کی مدد نے قبائلیوں کی مسلح مداخلت کو بڑی حد تک رفع کر دیا۔

۲)۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں جب بادشاہ محمد نادر شاہ نے کندھار پر قبضہ کر لیا تو اس کے بعد بہت بڑی تعداد میں سکاوی مہاجرین اور بچہ سکاؤ کے پیروکار چمن آئیں۔ اچکزیوں سے ان کی دشمنی کے سبب ان کو پناہ دینے سے انکار ان کی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اس لئے ان میں سے کوئی ۵۰۰ افراد کو افغان حکومت کی مرضی سے سبی میں نظر بند کیا گیا اور پھر انہیں براستہ پشاور واپس بھیجا گیا"۔

۳)۔ "گلستان کے بہت سے خوانین نے سرحد پار کرنے اور امان اللہ خان کو اپنی خدمات دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ انہیں کوئٹہ لایا گیا اور انہیں افغان معاملات میں حکومت کی سخت غیر جانبداری کی وضاحت دی اور اس کے بعد وہ اپنے گھروں کو لوٹ گئے"۔

۴)۔ "۱۵ جنوری ۱۹۲۹ کو سپین تنگی کے قریب میاں کچھ میں ایک افسوسناک واقعہ ہوا۔ خان محمد بگٹی اور دین محمد بگٹی نے ایک عزت دار اور بااثر سید اور جرگہ کے رکن سید عقیل شاہ پر گھر میں حملہ کر کے ان کے سر، داڑھی اور مونچھوں کے سارے بال منڈوا دیئے، ان کے گھوڑے کو ہلاک کیا، ان کے چھوٹے بھائی کی بھی بے عزتی کی۔ یہ معاملہ اپریل ۱۹۳۰ء میں ہونے والے خصوصی جرگے کو بھیجا جا چکا ہے"۔

۵)۔ "چمن سے سات میل دور کوئٹہ چمن سڑک سے اچکزیوں کا ایک سرحدی گروہ ۴ جون ۱۹۳۱ء کو دن کے ساڑھے تین بجے میجر ای۔ ایل فارلی ایم۔ سی۔ آر۔ ای، کیپٹن جے۔ جی فریرے جی۔ ایس۔ او ویسٹرن کمانڈ اور بیگم فریرے کو اغوا کر کے سرحد پار لے گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کوئٹہ پشین ضلع کے حوالے سے ونگیٹ آئی۔ سی۔ ایس اور میجر و کہم ایم۔ وی۔ او کے ریکارڈ کردہ انتظامی رپورٹ برائے سال ۱۹۳۰ء۔ ۱۹۳۱ء کی جانچ پڑتال سے پتہ چلتا ہے کہ ان سالوں کے دوران اس ضلع میں کئی (۴۸) ناخوشگوار واقعات ہوئے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امان اللہ کے بعد کے عہد نے صوبے کے اس ضلع کو بری طرح متاثر کیا۔

اس اہم موڑ پر ان دنوں ہونے والے ایک اہم حقیقت کا ذکر بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ برٹش بلوچستان کی آبادی کے ذہن اور یادداشت پر بادشاہ امان اللہ خان کی شخصیت اور ان کی کارکردگی نے گہرے نقوش چھوڑے۔ حتٰی کہ ۱۹۴۵ء میں بھی گرامافون پر ان دنوں کے غمگین گانے سنائی دیتے تھے۔ بڑے شہروں اور چھوٹے قصبوں کے ہوٹلوں میں دیواروں پر بادشاہ امان اللہ خان کی مکمل درباری وردی میں تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ ۱۹۴۱ء میں لونی گاؤں میں ہمارے فارسی کے استاد محمد قاسم بڑے احترام سے ہمیں ان دنوں کی کہانی سناتے تھے جب بادشاہ امان اللہ خان یورپ جانے کے لئے چمن۔ کوئٹہ۔ سبی ریلوے میں گئے تھے۔ اور اس وقت بھی جب وہ افغانستان سے جلاوطن ہو کر آئے تھے۔ یہ کہنا بجا ہو گا کہ احمد شاہ ابدالی کے بعد امان اللہ خان وہ واحد بادشاہ تھے جنہیں اپنے دور میں ڈیورنڈ لائن کے اس پار اتنی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

افغانستان سے چلے جانے کے ایک عشرے بعد بھی سابق بادشاہ امان اللہ خان کی سرگرمیاں ہندوستان کے برطانوی حکام اور کابل میں ظاہر شاہ کی نظام حکومت کے لئے خطرہ تھیں۔ یہ مندرجہ ذیل سرکاری دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے:

"روم میں امان اللہ اور برلن میں غلام صادق کی موجودگی سے یہ بات یقینی ہے کہ ہندوستان کے قبائلی علاقوں میں شامی پیر جیسے افغان حکومت مخالف ایجنٹوں کے ذریعے کوششیں کی جائیں گی"۔ (فریزر ٹائٹلر کی طرف سے سیکرٹری خارجہ کو ڈی۔ او خط مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۳۹ء)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"شامی پیر ملکہ ثریا کے رشتہ دار تھے اور انہیں بلاشبہ سابق بادشاہ کے لوگوں نے کٹواز میں انقلاب لانے کے لئے بھیجا گیا تھا"۔

ا)۔ اس کی وجہ سے پیر کو فوراً اس کا حل نکالنے کے لئے عمل کرنا پڑا۔ اگلے دن ۱۳ جون ۱۹۳۸ء کو انہوں نے معروف محسودوں اور وزیروں کا جرگہ طلب کیا جس میں انہوں نے بادشاہ ظاہر شاہ کو غاصب قرار دیا اور امان اللہ خان کو ہی قانونی بادشاہ کے طور پر یاد کیا۔ اس اعلان نے جنوبی وزیرستان اور لاتعداد محسودوں اور وزیروں میں جنونیت کی ایک لہر پیدا کی اور وہ ۲۳ جون ۱۹۳۹ء کو پیر کے ساتھ شامل ہو کر افغانستان کی طرف بڑھنے لگے"۔ (عالیجاہ کے وزیر کی افغانستان ۱۹۳۸ء کی رپورٹ)

"بالکل اسی طرح آل انڈیا کانگرس، سابق بادشاہ امان اللہ اور ان تمام عناصر کے خلاف (برطانوی) پروپیگنڈا کیا گیا جو جنگ اور ان مشکل حالات کے دوران قبائلی علاقوں اور افغانستان میں گڑبڑ پیدا کر سکتے ہیں"۔ (یکم نومبر ۱۹۴۲ء سے ۳۱ جنوری ۱۹۴۳ء کی پبلسٹی رپورٹ)

"وقتاً فوقتاً یہ ضروری ہے کہ امان اللہ کی حمایت میں ہونے والے پروپیگنڈے کا توڑ کیا جائے جو پوری سرحد اور افغانستان میں پھیلا ہوا ہے"۔ (۱۸ جولائی ۱۹۴۲ء کو میر انشاہ سے لکھی گئی پبلسٹی رپورٹ)

امریکی مصنف پولادا نے اپنی کتاب Reform and Rebellion in Afghanistan (۱۹۷۳) کے صفحہ ۲۶۵ پر لکھا ہے:

"اس کا واحد نتیجہ اس لئے یہ نکلتا ہے کہ ایسا کوئی سیاسی، تاریخی اور دستاویزی ثبوت نہیں ہے کہ امان اللہ خان کا تختہ الٹانے کی سازش انگریزوں کی تھی۔ افغانستان میں صورتحال کو برقرار رکھنا ہی برطانوی پالیسی تھی۔ اس بغاوت سے پہلے انگریزوں سے امان اللہ کے تعلقات کافی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

بہتر ہوئے تھے اور انگریز افغانستان کو وسیع امداد دینے پر غور کر رہے تھے۔ برطانوی خفیہ دستاویزات نہ صرف اس قسم کے سازش کا ذکر کرنے میں ناکام ہیں بلکہ ان میں اس کے برعکس بے شمار ثبوت موجود ہیں"۔

اپنی اس کتاب میں پولا دانے امان اللہ کی معزولی کے تمام عمومی تصورات کو رد کیا ہے۔ ان کے مطابق جدیدیت کا پروگرام اس انتشار کی وجہ کی بجائے اس کی بھینٹ چڑھا تھا۔ اور یہ کہ افغان قبائل اور ان کے مذہبی جذبات کو سمجھنے کے لئے بادشاہ میں سیاسی ذہانت اور ذاتی خوبیوں کی کمی تھی۔ یہ ان کی غلطی تھی کہ انہوں نے مختلف اصلاحات پر بیک وقت کام شروع کیا۔ وہ ایک مضبوط فوج بنانے اور انگریزوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کرنے میں ناکام ہوئے تھے جو باغیوں کا سامنا کرنے کے لئے ضروری تھے۔ اس کے نتیجے میں ملا اور ملک آپس میں مل گئے اور مذہبی اصطلاحات سے عام آدمی کی ہمدردی حاصل کر کے وہ بادشاہ کو معزول کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

تاہم ایل۔ دپری صفحہ ۴۴۹ پر لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے خلاف بیانگ دہل بولنے اور روسی تیکنیک کاروں کو قبول کرنے کے رویے نے انگریزوں کو انہیں ہٹانے کا جواز فراہم کیا"۔

میں نے ذاتی طور پر امان اللہ کو ہٹانے میں انگریزوں کا ہاتھ ہونے کے حوالے سے کوئی دقیق تحقیق نہیں کی ہے۔ لیکن کچھ ایسے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ امان اللہ مخالف پیش بندی اور پروپیگنڈے کے ساتھ برطانوی ہندی حکام امان اللہ کی مخالفت اور نادر شاہ کی حکومت کی حمایت میں کئی آگے نکل گئی۔ مثال کے طور پر اے۔جی۔جی کی (۱۹۳۱) ۱۹/۲ File No. بعنوان Quarrel Between Nasirs and Tokhis and Arrest of Sardar Jaffar Khan Nasir, Asmatullah Nasir and Malik Sawan Kahn Nasir میں انہوں فورٹ سنڈیمن سے ۱۴ اگست ۱۹۳۰ء کو پولیٹیکل ایجنٹ ژوب کا سیکرٹری اے۔جی۔جی کو لکھے گئے خط میں کہا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"آپ کو اور مسٹر کارٹر کو یاد ہو گا کہ سردیوں میں حکومت ہند نے کہا تھا کہ پولیٹیکل ایجنٹس ناصروں اور پاوندوں کے ذریعے ایک پروپیگنڈہ کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اس لئے جب یہ پاوندے ہندوستان میں سردیاں گزارنے کے بعد واپس افغانستان جائیں تو موجودہ امیر کے خلاف کسی قسم کی سازش نہیں کریں گے"۔

"میں نے انہیں رات کے کھانے پر بلایا اور ان پر اچھی طرح واضح کیا کہ ہم افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف کسی بھی قسم کی چڑھائی نہیں چاہتے"۔

اسی طرح دہلی سے ۲ مارچ ۱۹۳۳ء کو محکمہ داخلہ حکومت ہند کے انٹیلیجنس بیورو کی یادداشت میں ذکر ہوا ہے کہ بادشاہ نادر شاہ کے خلاف غلط احساسات رکھنے والے کسی بھی مہاجر کو افغانستان واپس جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ پابندی اس وقت اٹھائی گئی جب افغانستان میں حالات معمول پر آئے۔ صوبائی حکومت کے ریکارڈ میں ایک خفیہ فائل ہے جس کا عنوان A Survey regarding Ex-King Amanullah Khan from March to the end of May ۱۹۳۵ ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر درج ہے:

"۵ مارچ ۱۹۳۵ء کو امان اللہ خان، پرنس محمد حسن اور ادیب آفندی کے ہمراہ روم سے الیگزینڈرا پہنچے اور پھر وہ حج کرنے سویز سے جدہ کے لئے روانہ ہوئے۔ روم میں افغان وزیر کے مطابق سابق بادشاہ کا حج جانے کا مقصد اپنے ہمدردوں سے ملنا ہے۔ امان اللہ اور ان کے بیٹے کے پاس اطالوی پاسپورٹ ہیں جبکہ اولیا حضرت کے پاس افغان پاسپورٹ ہے۔ ان کا استقبال متاثر کن نہیں تھا لیکن انہیں شاہی مہمان کے طور پر رکھا گیا۔ جدہ کی ایک رپورٹ دکھاتی ہے کہ امان اللہ افغانوں کی بجائے ہندوستانیوں اور خصوصاً صوبہ سرحد کے لوگوں سے زیادہ ملے"۔

امان اللہ سے وہاں ملنے والوں میں کوئٹہ کے سید محمد یعقوب، حاجی زرزاو، خانِ قلات کے چچا سردار سلطان ابراہیم، گلستان کے صاحبزادہ نورالحق، حبیب زئی کے صاحبزادہ محمد اکبر شاہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور سر انان کے عبد الصمد خان کا کڑ شامل تھے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۳۵ء کو سابق بادشاہ مدینہ سے واپس آئے اور ۳۱ مارچ ۱۹۳۵ء کو قاہرہ پہنچے اور وہاں سے یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو اٹلی روانہ ہوئے۔ نومبر ۱۹۳۸ء میں امان اللہ خان نے انقرہ میں کمال اتاترک کے جنازے میں شرکت کی۔ دسمبر ۱۹۳۸ء کے دوران وہ کچھ عرصہ اٹلی اور کچھ عرصہ سوئٹزرلینڈ میں اپنی ولا میں رہے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۶۰ء کو وہ زیورخ میں فوت ہوئے، ان کا جسد خاکی واپس لایا گیا اور انہیں عزت و احترام کے ساتھ ان کے والد امیر حبیب اللہ خان کے مقبرے کے ساتھ دفنایا گیا۔

"کمال اتاترک نے امان اللہ کو تب تک بڑے پیمانے پر کوئی بھی سماجی اور سیاسی اصلاحات نہ لانے کا کہا کہ جب تک ان کے پاس ایک مضبوط اور تربیت یافتہ فوج نہ ہو۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ افغانوں کی تربیت کے لئے اپنے کچھ بہترین افسر بھیجے گا"۔ (افغانستان، ایل دپری، ص۔ ۴۵۱)

میں یہ سمجھتا ہوں کہ افغانستان میں امان اللہ خان کی متعارف کردہ اصلاحات، ملاؤں کی ان اصلاحات کی مخالفت اور امان اللہ خان کے خلاف انگریزوں کی سازشوں نے برٹش بلوچستان کے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ افسوس کی بات ہے کہ ہمارے لکھاریوں نے سیاسی تاریخ کے اس اہم پہلو کو مکمل طور پر نظر انداز کیا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۷

جنوب میں ڈاکو عبدالرحمٰن براہوی (۱۹۳۲ء) اور شمال مشرقی برٹش بلوچستان میں فراری پالے خوستی (۱۹۳۵ء)

اس حوالے سے اس وقت کے کمشنر سندھ مسٹر گبسن آئی۔سی۔ایس نے اے۔جی۔جی بلوچستان مسٹر کارٹر کو ۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک خط میں لکھا:

"میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ قلات اور نصیر آباد میں حکام سے بات کریں کہ وہ مقامی سرداروں پر دباو ڈالیں کہ وہ ڈاکو عبدالرحمٰن اور اس کے گروہ کے بارے میں پتہ کریں جو اپر سندھ کے لوگوں کے لئے دہشت بنا ہوا ہے"۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاڑکانہ مسٹر گرین نے پولیٹیکل ایجنٹ سبی کو ۲۱ مارچ ۱۹۳۳ء کے خط میں لکھا:

"۔۔۔۔۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء کی رات میرو خان کی تعلقہ بٹھی میں جو ڈکیتی ہوئی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں بدنام زمانہ عبدالرحمٰن بروہی اور ان کا گروہ ملوث ہیں۔ وہ پہلے ہی سندھ میں ہونے والے بہت سے جرائم میں مطلوب ہیں اور وہ کچھ مہینے پہلے پولیس کی حراست سے اس وقت فرار ہو گئے جب انہیں مقدمے کے بعد شکارپور سے سکھر لایا جا رہا تھا۔

تیس کی دہائی کے پہلے نصف میں برٹش بلوچستان میں دو اہم واقعات رونما ہوئے۔ جن میں سے ایک ضلع سبی کے نصیر آباد کے علاقے میں اور دوسرا ژوب ایجنسی کے مرغہ کبزئی کے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

علاقے میں ہوا۔ پہلے واقعے کا تعلق عبدالرحمٰن براہوی سے ہے جو ایک ڈاکو تھے اور اکتوبر ۱۹۳۲ء میں قانون شکنی کے واقعات (قتل وغیرہ) کی وجہ سے صوبہ سندھ کے کیرتھر ایری گیشن ڈویژن ضلع لاڑکانہ میں منظر عام پر آئے۔

کمشنر سندھ کے خط کے جواب میں اے۔جی۔جی بلوچستان نے ۱۱ مئی ۱۹۳۳ء کو لکھا کہ عبدالرحمٰن کے بیان کے مطابق وہ اپنی بہن کے ساتھ ہونے والی ناانصافی وجہ سے جھگڑے میں پڑیں جن میں لاڑکانہ کے ایک وڈیرہ کی دلچسپی تھی۔ ان حالات نے اسے مجرم بنادیا۔ چاغی لیویز کو کو ریاست قلات کے علاقے زرکزئی جانے کا حکم دیا گیا ہے جہاں سے اس ڈاکو کا بنیادی تعلق ہے اور وہ وہاں چھپتا ہے۔ اس کی والدہ شوراوک کی پشتون بڑیچ قبیلے سے ہیں اور پولیٹیکل ایجنٹ سبی سے پشتو میں روانی سے بات کرسکتی ہیں۔ یارو، شامیر، افغان، ایک حجک، چار عورتیں اور چند کتابیں ان کے ساتھی ہیں۔ سرکاری دستاویزات میں ان عورتوں کے نام درناز، دربی بی، لال بخت اور گرنازی ہیں۔ پولیٹیکل ایجنٹ قلات مسٹر سکرائن، اے۔پی۔اے اور نوآبادیاتی افسر نصیر آباد مسٹر جی۔سی۔ایس کرٹس کے مطابق میر جعفر خان جمالی اور وڈیرہ آدم خان پنوار اس ڈاکو کی مبینہ طور پر معاونت کرتے ہیں۔ اس لئے حکام نے میر صاحب کو ۱۷ نومبر ۱۹۳۳ء سے لورالائی میں مک ائیور سرائے میں رہنے کے لئے بھیج دیا۔ انہیں کچھ عرصہ سبی میں بھی رسالدار ارباب خان لونی کے پاس رکھا گیا۔ جمعدار وزیر خان کی قیادت میں چاغی لیویز کور کے آدمیوں نے براہوی ڈاکو کو آخر کار روجھان جمالی میں ڈھونڈ کر ۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو گولی مار کر ہلاک کردیا۔ روجھان کیمپ میں ۳ نومبر ۱۹۳۳ء کو جی۔سی۔ایس کرٹس نے ایک رپورٹ میں اس معاملے کو ختم کرتے ہوئے لکھا:

"عبدالرحمٰن کی موت کی خبر خوش آئند ہے کیونکہ اس نے بڑے عرصے سے سندھ پولیس کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اور ہزاروں روپیہ کا نقصان پہنچایا تھا۔ اس کا کریڈٹ بلا شبہ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نصیر آباد رائے صاحب دیوان ہری چند کو جاتا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"چاغی لیویز کور کے بغیر عبدالرحمٰن کے معاملے کو حل کرنا ناممکن ہوتا۔ اس پورے معاملے میں ان کی جرات اور انتظام بہت شاندار رہی"۔

یہ بہت اہم مسئلہ تھا اے۔جی۔جی مسٹر کارٹر اور حکومت ہند کے خارجہ سیکرٹری مسٹر فریزر ٹائیٹلر کے مابین مراسلت کا موضوع رہا اور اس پر ۴ نومبر ۱۹۳۳ء کو "اسٹیٹ مین" کے کراچی کے نمائندے کی رپورٹ بھی چھپی۔ جب ہم بچے تھے تو تب بھی ہم اپنے بڑوں سے اس براہوی ڈاکو کے قصے سنتے تھے۔

جب عبدالرحمٰن۔براہوی ڈاکو۔اپر سندھ کے رہنے والوں کے لئے دہشت کی علامت تھے، اس وقت برٹش بلوچستان کے شمال میں ژوب ایجنسی میں پالے خوستی۔پٹھان فراری۔ بھی ایسی ہی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک مرحلے پر تو ان کی سرگرمیاں اے۔جی۔جی بلوچستان اور حکومت ہند کے خارجہ سیکرٹری، لندن میں خارجہ سیکرٹری اور حکومت افغانستان کے درمیان پیچیدہ مراسلت کا موضوع رہی تھی۔ان دنوں کے پولیٹیکل ایجنٹ ژوب ڈی لا فارگ نے فورٹ سنڈیمن میں ۲۹ اپریل ۱۹۳۵ء کو "پالے کے بارے میں نوٹ" میں لکھا کہ بابر اور لکہ بند لیویز چوکیوں کے درمیان ۲۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو ڈاک گاڑی پر حملے کی خبر اس گاڑی کے ڈرائیور صالح محمد ضلعی ہیڈ کوارٹر لے کے آیا۔ حملے سے پہلے لیویز چوکی پر پٹواری پیر بخش (حجب) نے گاڑی کو روکا اور دو کبزئی سکاؤٹ اس کے ہمراہ کر دیئے۔ابھی گاڑی ذرا سی ہی آگے گئی تھی جب پالے فراری، ان کے بھائی کالے (پسر ان گنون) نیک محمد ولد حاجی کشمیر اور باز محمد ولد باجے نے اس پر گولیاں چلائیں۔ پالے کے دوسرے ساتھی سلیمانخیل ہیں جن کے ساتھ انہوں نے افغانستان میں پناہ لی ہے۔ مل رام اور ان کے ایک سال کی بیٹی موقع پر ہی ہلاک ہوئے جبکہ پولیس ہیڈ کانسٹیبل سید یوسف شاہ، اشھار داس بیگم ملے راج زخمی ہوئے۔ تین کبزئی سکاؤٹ لیویز دفعدار فضل خان، قادر اور سلطان مارے گئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

پٹھان فراری پالے کے اور ان کے معاملے کی مختصر تاریخ کے بارے میں یہ کافی ہو گا کہ خصوصی جرگے کے ۲۳ مئی ۱۹۳۵ء کے فیصلے کے کچھ حصے یہاں نقل کئے جائیں۔ یہ واضح ہو کہ اس وقت تک پالے گرفتار نہیں ہوا تھا اور ان پر مقدمہ ان کی غیر حاضری میں چلا تھا۔ جرگے کا فیصلہ لوئر ژوب کے اے۔ سی محمود خان کے ماتحت متفقہ طور پر ہوا تھا۔ یہ جرگہ ایس۔بی نواب محمد خان جوگیزئی، ایس۔بی سید مہر شاہ غرشین، ایس۔بی سردار وہاب خان پانیزئی، ایس۔بی باز گل خان مندوخیل، کے۔ایس سردار غلام محمد خان ترین، حاجی عبدالغفار خان اچکزئی، کے۔ایس اعزازی کیپٹن پیر غفور شاہ اور کے۔ایس سیٹھ ڈھڈو مل پر مشتمل تھا۔ اس فیصلے میں لکھا گیا:

"یہ فائل تمام متعلقہ لوگوں کی موجودگی میں ہمارے پاس آئی۔ ہم نے اس معاملے کی تمام حقائق شروع سے آخر تک سنیں۔ ہم نے پالے، اس گروہ کے سربراہ جس نے لیویز میل پر ۲۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو حملہ کیا، کی گزشتہ تاریخ کا بھی جائزہ لیا۔ ان کی پوری تاریخ ابراہیم شاہ خوستی کے قتل (جو ۱۸ مئی ۱۹۳۳ء کو ہوا) اور دیگر فائلوں میں دی گئی ہے۔ یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ ۱۰ مئی ۱۹۳۳ء کو پالے شاہ نے اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ اپنا گاؤں چھوڑا اور فورٹ سنڈیمن بازار جانے کے لئے ایک لاری میں روانہ ہوئے لیکن وہ سمبازا کی طرف چلے گئے۔ کچھ آگے جا کر انہوں نے گاڑی فورٹ سنڈیمن واپس بھیجی۔ پھر وہ سلیمانخیل وطن چلے گئے جہاں وہ سردار فتح خان خوئیدادخیل سلیمانخیل کے ہمسایہ ہوئے (تاہم وہ اپنی روپوشی کے ابتدائی مرحلوں میں جنوبی وزیرستان کے بیرمل میں عبداللہ جان وزیر کے ہاں منتقل ہوئے)۔ پالے شاہ کو ابھی سلیمانخیل وطن میں کچھ ہی دن ہوئے تھے جب وہ خوستی علاقے واپس آیا اور اس نے ۱۸ مئی ۱۹۳۳ء کو اپنے رشتہ دار ابراہیم شاہ کو قتل کر دیا"۔

۲۸ جون ۱۹۳۳ء کو پالے کو اپنا معاملہ طے کرنے کے لئے برطانوی خطے میں لانے ایک محافظ دستہ بھیجا گیا۔ وہ جنوری ۱۹۳۴ء میں رمضان کے مہینے میں فورٹ سنڈیمن آیا اور اس وعدے پر واپس سرحد پار چلا گیا کہ رمضان کے بعد آئے گا، لیکن وہ نہیں آیا۔ پھر وہ ایک بار چھپ کر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

سلیمانخیلوں کے ساتھ برطانوی خطے آیا اور اس نے اپنے مویشی ان کے حوالے کئے اور واپس افغانستان چلا گیا۔

اگست ۱۹۳۴ء میں اسے راہداری پر بلایا گیا اور اس نے مندرجہ ذیل پیشگی شرائط رکھیں:

۱۔ تمام خوستیوں کو کے۔بی مراد خان کبزئی کی ماتحتی سے نکال کر ملک شیر علی عبداللہ زئی کی تحویل میں دیا جائے۔

۲۔ پالے کو خوستیوں کے اصل سربراہ فتح اللہ کی جگہ سربراہ تسلیم کیا جائے۔

۳۔ اسے خانہ نشینی وظیفہ اور محافظ دیئے جائیں۔

کے۔بی مراد خان نے کہا کہ پالے ایک عام آدمی ہے اور وہ قبیلے کے بڑے آدمی کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس نے مزید کہا کہ اگر حکام پالے پر کوئی مہربانی کریں گے تو اسے اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ اگر پالے اپنے معاملات کو حل کرنا چاہتا ہے تو اسے یہ جرگے کے ذریعے کرنا چاہیے۔ تنازعہ ابھی حل نہیں ہوا اور پالے واپس افغانستان چلا گیا۔ "۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء کو اس نے خوستیوں کے اکتالیس مویشی اٹھا لئے۔ ۴ نومبر ۱۹۳۴ء پالے دوبارہ آیا اور اس نے خوستیوں کے کئی گھروں کو آگ لگا دی۔ ۸ اپریل ۱۹۳۵ء کو سردار فتح خان کی درخواست پر ای۔اے۔سی لوئر ژوب کے۔بی سردار میر احمد خان سمبازہ گئے۔ کے۔بی مراد خان کبزئی، کے۔بی باز گل خان مندوخیل، ملک حسن خان کبزئی اور ملک فضل خان مندوخیل بھی ان کے ساتھ تھے۔ کے۔بی مراد خان نے پالے کو بتایا کہ وہ متاثرہ فریقوں سے ان کے خلاف دعوے سے دستبردار ہونے کی استدعا کریں گے اور ابراہیم شاہ کا خون بہا سب کبزئی مل کر ادا کریں گے۔ لیکن پالے نے اپنے وہی مطالبات دہرائے اور مذاکرات ناکام ہو گئے۔ اس کے بعد ۱۱ اپریل ۱۹۳۵ء کو حکم جاری کیا گیا کہ اگر وہ دوبارہ برطانوی خطے میں نظر آئے تو گرفتار کیا جائے اور اگر اس نے گرفتاری پر مزاحمت کی تو اسے گولی ماری جائے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

" ۲۴ اپریل ۱۹۳۵ء کو پولیٹیکل ایجنٹ لورالائی نے اطلاع دی کہ پالے اور ان کا گروہ اٹل کچھ کے قریب روزانی شیلا میں چھپا ہوا ہے۔ ان کی پناہ گاہ کو گھیرنے کے لئے لیویز اور فوج کی صف بندی کی گئی۔ دفعدار حسن خان نے کہا کہ وہ اپنے بھائی فاضل خان اور دیگر کے ساتھ شامل ہو جائے گا جو خوستیوں کے گھروں کی تلاشی لینے کے بعد سڑک کی نگرانی کر رہے تھے۔ وہ ۲۷ اپریل ۱۹۳۵ء کی سہ پہر وہاں پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ ڈاک گاڑی پر حملے میں اس کا بھائی فضل خان ہلاک ہو گیا ہے۔

"تاہم جرگے نے خان بہادر مراد خان کبزئی، کبزئی قبیلے اور ملک سیفو بابر کو اس معاملے میں کسی بھی ذمہ داری سے مبرا کر دیا۔

عالیجاہ کے کابل میں وزیر نے افغانستان پر اپنی سالانہ رپورٹ برائے سال ۱۹۳۸ء میں لکھا:

"بدنام مفرور پالے پھر سے پریشانیاں پیدا کر رہا ہے۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اس نے لورالائی۔ فورٹ سنڈیمن کی ڈاک گاڑی لوٹ لی۔ ڈاک گاڑی کے ساتھ ایک کار میں ای۔ اے۔ سی خان صاحب دوست محمد شاہ بھی اپنے خاندان کے ہمراہ جا رہے تھے، اسے بھی روکا گیا اور ڈرائیور کو گولی ماری گئی۔ خان صاحب نے بڑی مشکل سے پالے کو گاڑی میں سوار سکھ اور ہندو مسافروں کو مارنے سے روکا۔ پالے اور اس کے ساتھی آسانی سے سرحد پار کر کے فرار ہو گئے۔ افغان حکومت سے انہیں گرفتار کرنے اور اپنی سرحد سے بے دخل کرنے کی درخواست کی ہے"۔

۱۴ جون ۱۹۴۰ء کو پالے اور اس کے چالیس وزیروں پر مشتمل گروہ نے قلعہ سیف اللہ اور فورٹ سنڈیمن کے درمیان ایم۔ ای۔ ایس کی گاڑی روکی اور اس کے تمام مسافروں کو اغوا کر لیا۔ لیکن کچھ مہینے بعد ان سب کو چھوڑ دیا گیا اور پالے کے ساتھ آخر ایک تصفیہ ہوا، پالے نے مفروری کی زندگی ترک کی اور ژوب میں پر امن طریقے سے آباد ہوا۔ ۱۴ اگست ۲۰۰۰ء کو نوابزادہ احمد یار خان جوگیزئی نے مجھے بتایا کہ پالے شاہ اور ان کے بھائی کاٹے کی مفروری کی وجہ یہ تھی کہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کاٹے نے (شاید ابراہیم شاہ سے) زنا کے شک میں اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ تفتیش کرنے پر یہ الزام مکمل طور پر غلط ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے پالے اور کاٹے کو متاثرہ فرد کے رشتہ داروں کی طرف سے بدلہ لینے اور حکام کی طرف سے سزا ملنے کا اندیشہ لاحق ہوا۔ اور یہ کہ اغوا کے بڑے واقعے کے بعد پولیٹیکل ایجنٹ ژوب مسٹر بروس نے پالے کے لئے ایک راہداری کا اجرا کر کے اسے نواب محمد خان جوگیزئی کے سپرد کیا۔ نواب نے اپنے بیٹے مرحوم نوابزادہ تیمور شاہ پالے اور اس کے خاندان کو لانے کے لئے وزیرستان بھیجا اور ان سے یہ وعدہ کیا گیا کہ ان کے لئے تصفیے کی موزوں شرائط رکھی جائیں گی۔ ایسا ہوا اور پالے اور ان کا خاندان کو واپس لا کر پہلے قلعہ سیف اللہ میں نواب صاحب کی رہائش گاہ کے قریب آباد کیا گیا اور بعد میں وہ سنجاوی میں حکومت کی طرف سے ملنے والی زمین پر جا کر رہنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ پالے اپنے پسماندگان اور اپنی داستان چھوڑ کر اپنے دوسرے مسکن میں فوت ہوئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب۔۲۸

مرحوم عبدالصمد خان اچکزئی (خان شہید) کی سیاست

خان شہید کے نام سے جانے جانے والے عبدالصمد خان ۱۹۰۷ء میں گلستان کے عنایت اللہ کاریز میں نور محمد خان اور بی بی دلبرہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے عربی اور فارسی مقامی مدرسہ میں پڑھی اور پھر گورنمنٹ مڈل سکول گلستان میں ثانوی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں اپنی طویل قید و بند کے دوران انہوں نے بی۔اے بھی کیا۔ وہ صرف دس سال کے تھے جب ان کے والد فوت ہوئے۔ ان کے والد کی موت اور تیسری اینگلوافغان جنگ سے جڑے واقعات نے ان کے ذہن پر گہرے اثرات ڈالے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ دیگر افغان قبائل کی طرح ڈیورنڈ لائن کے اس پار رہنے والے خوانین اور عوام افغانستان میں ہونے والے واقعات سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ اس کے علاوہ خلافت تحریک سے جڑی احتجاجی سرگرمیوں نے بھی ان پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کے ابتدائی سال اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی سیاست مذہبی اور نسلی قوم پرستی کے امتزاج پر مبنی رہی یعنی انہوں نے ہندوستان اور افغانستان کی سیاست کی۔ ان دونوں عوامل میں ان کی سیاست بنیادی طور پر انگریزوں کے خلاف رہی۔ پروفیسر غنو کے مطابق (خان شہید کی سوانح عمری) انہوں نے ۱۹۱۸ء میں گلستان میں خلافت تحریک کے حق میں سکول کے لڑکوں کے احتجاج کی قیادت کی۔ اس تاریخ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے کیونکہ پہلی خلافت کانفرنس ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں ہوئی تھی۔

اس میں دیگر کے علاوہ گاندھی نے بھی شرکت کی اور انہوں نے ہندی مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف عدم تعاون تحریک شروع کرنے پر زور دیا تاکہ وہ ترک میں خلافت کو سالم رکھنے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

پر مجبور ہوں۔ اس کی پیروی میں ۸، ۹، ۱۰ جون ۱۹۲۱ء کو کراچی میں آل انڈیا خلافت کانفرنس ہوئی جس میں ایک قرارداد پاس کی گئی جس کی نویں شق میں کہا گیا:

۹۔ "یہ کانفرنس سندھ کے پیروں اور زمینداروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ خلافت تحریک میں مزید دلچسپی لیں جیسا انہوں نے اب تک کیا۔ یہ کانفرنس ان سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیں"۔

اس لئے یہ مشکل سے ہی کسی سیاسی کارکن کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ سندھ یا بلوچستان میں ۱۹۱۸ء میں خلافت سے متعلق احتجاج کریں۔ اسی طرح پروفیسر غنونے "بابائے پشتون" جلد اول کے صفحہ ۱۰۷ پر خان کی گرفتاری اور رہائی سے متعلق جن تاریخوں کا ذکر کیا ہے ان کا دوبارہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ گل خان نصیر نے "تاریخ بلوچستان" کے جلد دوم کے صفحہ ۴۳۵ پر جن حقائق اور تاریخوں کا ذکر کیا ہے وہ بھی مشکوک ہیں۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کے دوران عبدالصمد خان اچکزئی کی سردار یوسف علی عزیز مگسی سے دوستی ہوئی جو انہی کی طرح کانگرس کے حمایتی اور حکومت برٹش بلوچستان کی انتظامی پالیسیوں سے غیر مطمئن نوجوان تھے۔

۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں وائسرائے ہند لارڈ ارون اور ہندی سیاسی رہنماؤں کے درمیان ہونے والی ملاقات ایک منفی نتیجے پر ختم ہوئی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کی نصف شب انڈین نیشنل کانگرس کے لاہور کی نشست میں ۲۸ جنوری ۱۹۳۰ سے آزادی کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ مشہور سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء کو گاندھی نے ڈانڈی کے لئے اپنے تاریخی سالٹ مارچ کا آغاز کیا اور اپریل ۱۹۳۰ میں انہوں نے نمک کے قانون کو توڑا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں برطانوی حکمرانی کی نافرمانی کی آگ پھیلی ہوئی تھی۔ یہی حالت شمال مغربی سرحدی صوبے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میں تھی۔ ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو عبدالغفار خان نے اتمانزئی میں لوگوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہیں سول نافرمانی تحریک میں حصہ لینے کا کہا۔ اس کے فوراً بعد وہ اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار کئے گئے۔ اس حوالے سے کافی انتشار پھیلا اور قصہ خوانی بازار میں سینکڑوں افراد مارے گئے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ خان شہید اور اور یوسف علی عزیز مگسی نے لاہور کانگرس کی نشست میں شرکت کی تھی۔ اس کے نتیجے میں ان کو گرفتار کیا گیا اور خان شہید کو سنڈیمن ہال کوئٹہ میں ایک پشتون جرگے کے سامنے پیش کیا گیا جس نے انہیں، ان کے بڑے بھائی اور محمد ایوب خان اچکزئی کے ساتھ دو سال قید کی سزا سنائی۔ ایک اندازے کے مطابق گاندھی ارون معاہدے کے نتیجے میں، جون ۱۹۳۱ میں انہیں رہا کیا گیا۔ رہائی کے بعد جون ۱۹۳۲ء میں انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ کے گراونڈ میں ایک مقامی انجمن کے زیر اہتمام جلسے میں شرکت کی۔ یہ تنظیم، جسے مقامی مسلم ایسوسی ایشن بھی کہا جاتا ہے، ۱۹۲۵ میں صوبائی حکومت کی آشیر باد سے ایک خالص فلاحی تنظیم کے طور پر قائم ہوئی تھی، اس کے اراکین میں کئی سردار اور سول ملازمین بھی تھے۔ اس اجلاس کو صوبے کا پہلا سیاسی اجلاس قرار دیا جاتا ہے جس کی صدارت مرحوم نواب محمد خان جوگیزئی نے کی تھی اور اس کے حاضرین میں رائے بہادر جمعیت رائے، عبدالصمد خان اچکزئی، یوسف علی خان عزیز مگسی، عبدالعزیز کرد، جام نوراللہ خان اور نواب اسداللہ خان رئیسانی بھی شامل تھے۔ یہ اجلاس چھ گھنٹے جاری رہا اور اس میں بلوچستان کی پسماندگی کی وجوہات پر کامیاب بحث ہوئی۔

دسمبر ۱۹۳۲ء میں خان صاحب نے جیکب آباد میں ہونے والی آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی صدارت کی۔ ۵ جولائی ۱۹۳۳ء کو خواجہ ارمان کی زیارت پر عبدالصمد خان اچکزئی و دیگر خوانین کی دارو خان غیبیزئی اچکزئی اور ان کی جماعت کے لوگوں کے درمیان شدید جھگڑا ہوا۔ میرے خیال میں یہ جھگڑا ان دونوں شاخوں کے درمیان مسلسل برے تعلقات کی بنیاد بنا رہا جس نے ۱۹۹۰ء میں شدید شکل اختیار کی۔ نومبر ۱۹۳۳ء میں خان صاحب نے حیدر آباد میں ہونے والی آل انڈیا بلوچ کانفرنس میں شرکت کی جس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے مندرجہ ذیل حکومت مخالف بیان دیا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"سرحد پر ڈکیتیوں اور قتل وغارت کی وجہ لوگوں کو دبانے والے قوانین ہیں۔ سزا کے خلاف اپیل کا کوئی حق نہیں ہے جس کی وجہ سے لوگ ڈکیتیاں کرنے اور حکومت کے اہلکاروں کے قتل پر مجبور ہو جاتے ہیں"۔

سرکاری سطح پر اس بیان کو تخریبی قرار دے کر خان صاحب کو ۶ اپریل ۱۹۳۴ء گرفتار کیا گیا اور تین سال کے لئے ان کو جیل بھیج دیا گیا۔

ایک خفیہ فائل نمبر ۶ متفرق۔ عنوان: Control of Press in Balochistan کے مطابق دسمبر ۱۹۳۳ میں انڈین قانون ساز اسمبلی میں مسعود احمد اور مولوی محمد شفیع داودی نے گلستان کے عبدالصمد خان اچکزئی کی اکتوبر ۱۹۳۳ کی درخواست کی نامنظوری کے خلاف سوال اٹھایا۔ یہ درخواست "بلوچستان" کے نام سے ایک مقامی اخبار کی اشاعت کی اجازت کے حوالے سے تھی۔ پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ پشن نے ۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء کو جواب میں لکھا:

"ہاں انہوں نے بلوچستان کی مذہبی، سیاسی، سماجی اور تعلیمی ترقی کے لئے ایک اردو اخبار شروع کرنے کی خاطر اجازت کی درخواست دی۔ اس نوجوان کے گزشتہ ریکارڈ، ان کے ہندوستان کے اخباروں میں شائع شدہ غیر متوازن اور اشتعال انگیز مضامین کو دیکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس سرحد میں انہیں اپنا اخبار نکالنے کی اجازت دی جائے"۔

۱۹۳۳ء کا سال سیاسی سرگرمیوں کے حوالے سے ایک ہیجان انگیز سال رہا ہے کیونکہ اس وقت کے اے۔جی۔جی نے ۱۹۳۳ء میں بلوچستان میں ہونے والے واقعات کے خلاصے میں لکھا:

"اس سال کی ایک ناخوشگوار خصوصیت یہ تھی کہ کراچی اور لاہور کے اخبارات میں بلوچستان کے امور کو نمایاں جگہ دی گئی۔ یہ زیادہ تر اس بگاڑ پر مشتمل رہے جو صوبے کے معاشرتی اور انتظامی نظام پر ایک حملے کی طرف بڑھ رہا ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۷ جنوری ۱۹۳۷ء کو سیکرٹری اے۔جی۔جی کو پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ پشین کے لکھے گئے خفیہ خط کے مطابق:

"گلستان کے عبدالصمد خان اچکزئی کی درخواست برائے (۱) کوئٹہ میں عزیز پرنٹنگ پریس اور لیتھو پریس کا قیام، (۲) کوئٹہ سے "جدید بلوچستان" کے نام سے ایک مقامی اخبار کی ادارت، چھپائی اور اشاعت"۔

"اس شخص کی تاریخ معلوم ہے۔ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے ایک اخبار کے اجرا اور پریس کے لئے درخواست دی، پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ پشین نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس حوالے سے قانون ساز اسمبلی میں سوال اٹھائے گئے اور ان کو جواب بھیجے گئے۔ اس مراسلہ نگاری میں اس درخواست گزار کو اجازت دینے سے انکار کی وجوہات دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ درخواست گزار کے خلاف درجِ ذیل جرائم ہیں:

۱)۔ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء کو فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کے تحت ان کو دو سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔

۲)۔ ۱۶ اپریل ۱۹۳۴ کو ایف۔سی۔آر کے سیکشن ۴۰ کے تحت ان کو فارلے کے اغوا کے سلسلے میں تین سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ انہیں ایک معاہدے کے تحت ۷ مئی ۱۹۳۶ کو رہا کیا گیا۔"

"ان حالات میں میں ان کی درخواست کی مخالفت نہیں کرتا"۔

ذیل میں کوئٹہ میں اس وقت موجودہ پریس کی تفصیل دی گئی ہے:

۱۔ کمرشل پریس
۲۔ کرزن پریس

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳۔پنجاب پریس
۴۔البرٹ پریس

اس کے علاوہ کوئٹہ چھاؤنی میں سٹاف کالج پریس بھی ہے"۔

دو سال سے زیادہ عرصے کی قید سے خان صاحب ۷ مئی ۱۹۳۶ء کو ایک سال پہلے رہا ہوئے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جیل میں تھے جب کوئٹہ میں تباہ کن زلزلہ آیا تھا اور اس کے نتیجے میں پورا شہر تباہ ہوا تھا۔ فضل احمد غازی نے مجھے بتایا تھا کہ سنٹرل جیل مچھ میں خان صاحب نے انتظامیہ کو اس آفت سے متاثرہ لوگوں کی ریلیف کے کام میں مدد کی پیشکش کی لیکن حکام نے اسے قبول نہیں کیا اور اس کے نتیجے میں وہ ایک اور سال تک جیل میں ہی رہے۔ انہیں اخبار کی اشاعت کی منظوری دیتے ہوئے سیکرٹری اے۔جی۔جی نے اپنی ۱۹۳۷ء کی یادداشت میں لکھا:

۲۔ مجھے یہ کہنے کی ہدایت دی گئی ہے کہ کوئٹہ سے اپنے مقامی اخبار "جدید بلوچستان" کی اشاعت کے لئے عبدالصمد خان اچکزئی سے کسی بھی قسم کی ابتدائی ضمانت نہ لی جائے۔

اس پر قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کے صدر عبدالعزیز کرد نے خان صاحب کی صحافتی کوشش کی حمایت میں سبی سے یکم مئی ۱۹۳۷ء کو تین صفحات پر مشتمل اپیل جاری کی جس کا لب لباب یہ تھا:

"بلوچستان کے لوگوں نے سن لیا ہوگا کہ بلوچستان کے معروف قوم پرست رہنما عبدالصمد خان کو اخبار کے اجراء کی اجازت دی گئی ہے۔ وہ ایک جانے مانے محب وطن ہیں جو بلوچستان کو آزاد دیکھنے کی خواہش پر دو بار جیل بھی جا چکے ہیں۔ وہ مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور معاشی اصلاحات کے لئے کام کریں گے۔ اگرچہ خان صاحب ایک انتہا پسند رہنما ہیں تاہم وہ حکومت اور اپنے مخالفین کے لئے روادار طرز رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ بلوچستان کے استحکام کو تسلیم کیا ہے اور

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انہوں نے برٹش پارلیمنٹ میں اس تصور کی حمایت کی ہے۔ خان صاحب کئی زبانیں اور موضوعات جانتے ہیں جو ان کے اخبار کے مستقبل کے معیار کے لئے اہم ہیں۔ اس پریس کے قیام کے لئے کم از کم دس ہزار روپیہ درکار ہے۔ میں بلوچستان کے غیور عوام، ریاست قلات کے بیٹوں، قومی راہنماوں اور ملکی افسروں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ آگے آئیں اور خان صاحب کی مالی مدد کریں"۔

۲۲ جون ۱۹۳۸ء کو خان صاحب نے ایک سیاسی پارٹی "انجمن وطن" کے نام سے قائم کی۔ اس کا سالانہ اجلاس ۱۶، ۱۷، ۱۸ جون ۱۹۳۸ء کو کوئٹہ میں ہوا۔ اس وقت ورکنگ کمیٹی میں درج ذیل اراکین تھے:

۱۔ عبدالصمد خان اچکزئی	صدر
۲۔ محمد حسین عنقا	جنرل سیکرٹری
۳۔ سیٹھ دینو مل	خازن
۴۔ میر شہباز خان نوشیروانی	
۵۔ میر محمد خان کھوسو	
۶۔ ملک شیر محمد خان غلزئی	
۷۔ ولی محمد خان مرغزانی (سبی)	
۸۔ محمد اسلم خان اچکزئی	
۹۔ سردار دیال سنگھ	
۱۰۔ مولوی غلام حیدر مہترزئی	

خان صاحب نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"بلوچستان کی پسماندگی اور سخت گیر حالات عیاں حقائق ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم غیر ملکیوں کے غلام ہیں۔ انجمن وطن، جو عظیم یوسف مگسی کی جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوئی ہے، کو اس غلامی کی بنیادیں ہلادینے والا عمل شروع کرنا چاہیے۔ یہ الزام بالکل غلط ہے کہ ہماری جماعت کانگرس کی ایک شاخ ہے۔ ہمارے مسائل تب ہی حل ہوں گے جب ہندوستان کے بڑے مسائل حل ہوں گے۔ منگل کو ہونے والی تقریر میں میں آپ کی توجہ خصوصی طور پر دو اہم مسائل کی طرف مبذول کراوں گا جس میں تعلیم کی بہتری اور کسانوں اور مزدوروں کی حالات میں بہتری شامل ہیں"۔

تاہم ان کی جماعت کے بنیادی دستور میں انجمن وطن کا مقصد "بلوچستان کے لئے صوبائی خود مختاری کا حصول" درج ہے۔

۱۹۳۸ء میں خالصہ سکول کوئٹہ کے طلباء نے برٹش بلوچستان میں ثقافتی اور ادبی سرگرمیوں کے لئے "کوئٹہ سٹوڈنٹس یونین" کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۳۸ء کی گرمیوں میں پورے صوبے میں کامیاب ہڑتال کے بعد اس تنظیم کو "بلوچستان سٹوڈنٹس یونین" کا نام دیا گیا۔ یہ ہڑتال بلوچستان میں نگرانِ تعلیم جے۔ لیچ ولسن کی فیسوں میں اضافے کی منظوری کے خلاف ہوئی تھی۔ یہ ہڑتال پہلے سبی اور پشین کے ہائی سکولوں میں شروع ہوئی جبکہ کوئٹہ میں مک موہن پارک (اب لیاقت پارک) میں ایک احتجاجی مظاہرہ ہوا، جس کی صدارت اس وقت نئی قائم ہونے والی جماعت انجمن وطن کے صدر خان صاحب نے کی۔ اس اجلاس سے سٹوڈنٹس یونین کے صدر بلال، عیسیٰ بختیار، عبدالصمد درانی اور مولوی غلام حیدر مہترزئی نے بھی خطاب کیا جبکہ کمال خان شیرانی نے گورنمنٹ ٹرنچ مڈل سکول فورٹ سنڈیمن میں اس ہڑتال کا اہتمام کیا۔ اس کے نتیجے میں مولوی صاحب کو گرفتار کیا گیا اور انہیں ان کے آبائی قصبے کان مہترزئی لے جا کر رہا کر دیا۔ یہ ژوب ایجنسی میں اپنی نوعیت کی پہلی ہڑتال تھی۔ کوئٹہ میں ہونے والی ان احتجاجی سرگرمیوں میں راولپنڈی کے ایک طالب علم سجاد یو نے بھی حصہ لیا۔ اس کے نتیجے میں ولسن کو فیسوں میں اضافے کا فیصلہ واپس لینا پڑا۔ بلوچستان ایجنسی کی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انتظامی رپورٹ برائے سال ۳۹۔۱۹۳۸ء میں اے۔جی۔جی لیفٹننٹ کرنل سر آرتھر پارسن نے ان خیالات کا اظہار کیا:

"گرمیوں میں سکولوں میں ہونے والی ہڑتال نے تعلیمی ترقی میں رکاوٹیں ڈالیں۔ یہ ہڑتال بیرونی عناصر نے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے بظاہر فیسوں میں اضافے کے خلاف کی۔ جب یہ پتہ چلا کہ یہ احتجاج مصنوعی ہے تو ہڑتال ختم ہو گئی۔ بلوچستان میں فیس اس کے ہمسایہ صوبوں کی نسبت اب بھی بہت کم ہے"۔

ذیل میں سینٹرل انٹیلیجنس افسر کے ۱۹ نومبر ۱۹۳۸ء کے خط کا متن ملاحظہ ہو:

"سندھ سے خبر ملی ہے کہ محمد امین کھوسو ایم۔ایل۔اے، جو اخبار "استقلال" کے منتظمین میں سے ہیں، نے قدوس سہبائی کو اخبار کا مدیر تعینات کیا ہے۔ ان کا تعلق بھوپال سے ہے اور وہ کراچی اکیڈمی میں استاد رہے ہیں"۔

انتظامی رپورٹ برائے سال ۳۹۔۱۹۳۸ء میں پولیٹیکل ایجنٹ سبی میجر البن نے لکھا:

"بگٹی وطن میں تومندار کی سختیوں کے خلاف بہت بے چینی پائی جاتی ہے۔ ان کے بڑے بیٹے میر عبدالرحمٰن نے جنوری ۱۹۳۸ء میں بغیر چھٹی لئے نوشکی کے تحصیلدار کا عہدہ چھوڑا اور بگٹی وطن گیا جہاں انہوں نے اپنے والد کو ہٹانے اور اپنے آپ کو تومندار بنانے کی نیت سے ایک لشکر تشکیل دیا۔ اس نے اپنے آپ کو تومندار بنانے کے لئے دستار بندی کی تقریب کا بھی اہتمام کیا لیکن صرف چند سو افراد نے اس میں شرکت کی جن میں زیادہ تر "ماریتاس" تھے جو غلام مانے جاتے ہیں۔ اس صورتحال نے بگٹی وطن میں بے چینی پیدا کی لیکن بروقت کاروائی سے حالات پر قابو پالیا گیا۔ ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء کو عبدالرحمٰن نے پچیس ساتھیوں سمیت ہتھیار ڈال دیئے، انہیں فورٹ سنڈیمن بھیجا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گیا جہاں انہیں رہنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں اور ان کے خاندان کے لئے ۵۰۰ روپیہ کا وظیفہ مقرر کیا گیا"۔

فورٹ سنڈیمن ر ژوب میں بسنے کے بعد، ضلعی حکام کے مطابق، میر عبدالرحمٰن بگٹی نے کچھ مقامی پشتونوں کے ساتھ مل کر صوبے کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ میر صاحب ایک تعلیم یافتہ شخص اور قیمتی کتابوں پر مشتمل شاندار لائبریری رکھتے ہیں۔

مئی ۱۹۳۹ء میں اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ژوب سنڈیمن نے لکھا کہ عبدالرحمٰن بگٹی اور ویٹرنری اسسٹنٹ سرجن محمد رمضان (بابر) المعروف "طوفان" جیسے حکومت کے مخالف لوگ ایک برطرف کئے گئے محرر مرحوم کمال الدین ولد ملا مرجان چوہڑ خیل شیرانی کی ادارت میں "بلوچستان قدیم" کے نام سے ایک اخبار نکالنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ کان مہتر زئی کے ایک دیوبندی ملا ،مولوی غلام حیدر، ٹھیکیدار شیخ جمعہ اور حرمت خان کلرک ان کے معاونین تھے۔

جولائی ۱۹۳۹ء میں قاضی محمد عیسیٰ بار ایٹ لا اور بلوچستان صوبائی مسلم لیگ کے صدر نے ایک ہفتہ وار اخبار "الاسلام" کے اجرا کی درخواست دی اور اسی مہینے ان کو اجازت دے دی گئی۔ اس اخبار کی اشاعت شروع ہوئی اور مولوی کریم، شبیر حسنین اور فضل احمد غازی بلترتیب اس کے مدیر رہیں۔ یہ اخبار بلوچستان میں مسلم لیگ کا ترجمان تھا۔ عبدالصمد خان کی درخواست کی نسبت مرحوم قاضی صاحب کی درخواست کی منظوری کے حوالے سے زیادہ پھرتی دھائی گئی۔ اس سے یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ برٹش بلوچستان کی حکومت مسلم لیگ اور پاکستان کی تحریک کے لئے نرم گوشہ رکھتی تھی۔

۷ مئی ۱۹۳۶ء کی رہائی، جنوری ۱۹۳۷ میں "بلوچستان جدید" اخبار نکالنے کی منظوری، مئی ۱۹۳۷ء میں قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کے صدر کے اخلاقی تعاون کے بعد خان صاحب نے چندہ اکھٹا

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ لیکن افسوس کہ کوئی بھی معتبر مقامی پشتون ان کی مدد کے لئے آگے نہیں بڑھا جبکہ اس وقت کے خانِ قلات احمد یار خان اور کچھ بلوچ سرداروں نے ان کی مالی مدد کی۔ اس سے وہ اس قابل ہوئے کہ انہوں نے عزیز الیکٹرک پریس کی بنیاد رکھی اور "استقلال" (نہ کہ بلوچستان جدید) کے عنوان سے ایک ہفتہ وار اخبار کا اجرا کیا۔ یہ غالباً ۱۹۳۸ء کے وسط میں ہوا۔ قدوس سہبائی کو استقلال کا مدیر تعینات کیا گیا۔ اسی سال (۲۲ جون ۱۹۳۸ء میں) خان صاحب نے اس مقصد کے لئے انجمن وطن کے نام سے جماعت قائم کی کہ برٹش بلوچستان میں آئینی اصلاحات لانے کے لئے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا جائے۔ گل خان نصیر کے مطابق خان صاحب نے یہ تنظیم میر محمد امین کھوسو، جام میر نصر اللہ خان، میر شہباز خان نوشیروانی، محمد حسین عنقا، محمد حسن نظامی اور کچھ ہندو دوستوں کی مدد سے قائم کی۔ اس فہرست میں کوئی پشتون شامل نہیں ہے۔ اس کا جھنڈا تین رنگوں نارنجی، سفید اور سبز پر مبنی تھا۔ کوئٹہ پشین، سبی، لورالائی، ژوب اور چاغی میں شاخوں کے ساتھ یہ تنظیم اور اس کے ساتھ ساتھ لوکل مسلم ایسوسی ایشن کا دائرہ کار برٹش بلوچستان رہا ہے جبکہ قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی ریاست قلات میں سیاست کر رہی تھی اور انہوں نے انجمن وطن کے کارکنوں کے شانہ بشانہ کام کیا۔

اسی دور میں جمعیت العلماء ہند بھی صوبے میں آئی، تاہم اس کی سرگرمیوں کا دائرہ کار پورا بلوچستان تھا۔ اس مذہبی جماعت کے کارکن اپنی سرگرمیاں آزادانہ طور پر کرنے کی بجائے بلوچ اور پشتون قوم پرستوں کے ساتھ شامل ہوتے تھے، ۱۹۳۹ء میں عبدالغفار خان کے دورہ بلوچستان میں بھی ایسا ہی ہوا۔ چونکہ ان کی جماعت بھی کانگرس کی حامی تھی اور کیونکہ خان صاحب بھی گاندھی کے عدم تشدد میں یقین رکھتے تھے اس لئے انہیں "بلوچستانی گاندھی" بھی کہا جانے لگا۔ ۷ مئی ۱۹۳۶ء سے ان کی ۱۹۴۲ء میں دوبارہ گرفتاری کے دوران خان صاحب چھ سال جیل سے باہر رہیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

ستمبر ۱۹۳۹ء میں این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے عبدالغفار خان کوئٹہ آئے اور انہوں نے خان شہید کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔ شملہ سے ہندوستان کے محکمہ خارجہ نے اے۔جی۔جی کو مندرجہ ذیل ہدایات جاری کیں:

"جب تک وہ صوبے کے امن کو بگاڑنے یا افغان حکومت کے خلاف کوئی سرگرمیاں نہیں کرتے اس وقت تک اس موقع پر آرڈیننس کے تحت عبدالغفار خان کے خلاف طاقت کے استعمال سے گریز کریں"۔

حکومت کے ریکارڈ کی جانچ پڑتال سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت برطانوی بلوچستان میں اپنی اور اتنا ہی افغانستان میں امان اللہ کے بعد بننے والی حکومت کے استحکام کے بارے میں فکرمند رہتے تھے۔

۲۱ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جب خان عبدالغفار خان اور ان کے ساتھی لورالائی جارہے تھے تو لورالائی زیارت سڑک پر کانگرس کے مقامی ارکان باران خان، محمد عثمان، خدائے رحم اور دیگر نے ان کا استقبال کیا۔ وڈز بالارڈ پارک میں رات نو بجے ملک باران خان کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں عبدالصمد خان نے سرحدی خان کا تعارف کرایا اس کے بعد انہوں نے اپنی تقریر کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جمعیت العلماء اسلام اور کانگرس کے درمیان ختم ہوتے ہوئے تضاد پر بات کرتے ہوئے کہا کہ دونوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تقریر کے بعد اپنے آپ کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی میں شامل کرنے کے لئے ایک شخص ایوب خان جوگیزئی عبدالغفار خان سے ملے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کی صبح وہ فورٹ سنڈیمن کے لئے روانہ ہوئے۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو عبدالغفار خان، عبدالصمد خان، محمد امین کھوسو ایم۔ایل۔اے سندھ اور اور دیگر ایک گاڑی میں لورالائی سے فورٹ سنڈیمن پہنچیں۔ مرحوم کمال الدین شیرانی انہیں لینے گئے۔ فورٹ سنڈیمن میں ہندو شمشان گھاٹ کے قریب انہیں تاج محمد بگٹی، شیخ جمعہ خان، شیخ محمد نور، حکیم زرین خان، سرور مندوخیل، عبدلقادر

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

(مہاجر) کے بھائی عبدالحق شاہ اور محمد سمیع الحق کی قیادت میں عوام نے ان کا استقبال کیا۔ وہ ایک جلوس کی شکل میں آئے تھے اور اللہ اکبر اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے حکومتی ٹھیکیدار صاحب جان مندوخیل کے گھر پہنچیں جس پر کانگرس کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ کچھ ہی دنوں میں ان کا گھر فورٹ سنڈیمن کے ہندو اور مسلمان عوام کے لئے زیارت کے طور پر ابھرا۔ ہندو راج بہادر ڈنڈومل اور سیٹھ دیال داس کی قیادت میں آئے۔ جمعیت العلماء ہند کی نمائندگی مولوی اختر شاہ اور مولوی خالق داد نے کی۔ شیخ میرک خان نے اپنی گاڑی اے۔ٹی۔اے ۵۱۰۴ جلوس کے منتظمین کو دے رکھی تھی۔ میر عبدالرحمٰن بگٹی اور ٹھیکیدار خداداد خان نے بھی جلوس میں حصہ لیا۔ ٹھیکیدار خداداد خان نے خان کی اپنے گھر میں بھی خدمت کی۔ اس وفد سے ملنے والی نمایاں شخصیات میں کے۔بی باز گل خان مندوخیل، شیخ میرک خان، ٹھیکیدار خداداد خان، کلی شیخان کے حاجی خدائیداد، ٹھیکیدار صاحب جان مندوخیل، اور ژوب ملیشیا کے ہندی افسروں کے ہمراہ صوبیدار میجر دلبر خان شامل تھے۔ عبدالغفار خان، عبدالصمد خان اچکزئی اور محمد امین کھوسو نے جامع مسجد پارک میں اجتماع سے خطاب کیا۔ کھوسو نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میر عبدالرحمٰن بگٹی اپنے علاقے کے ایک بہت عزت دار شخص تھے لیکن اب ان کا فورٹ سنڈیمن میں رہنا برطانوی حکمرانوں کے ظلم اور ناجائز سلوک کا نتیجہ ہے اسی لئے خان یہاں مختلف لوگوں کو متحد کرنے اور انہیں برطانوی غلامی سے نکلنے کا راستہ دکھانے آئے ہیں۔ عبدالصمد خان اچکزئی نے کہا:

"انجمن وطن نے آزادی کے لئے احتجاج کا آغاز کیا۔ اس کا مطلب غلامی کا خاتمہ کرنا ہے۔ اب یہ آزادی کا وقت ہے آپ سب کو فرنگی کی غلامی کو ختم کرنے کے لئے آگے آنا ہو گا"۔

"صرف این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے پٹھانوں کو عزت ملی ہے اسی لئے خان یہی عزت ہمارے لئے بھی چاہتے ہیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ بلوچستان اصلاحات نہیں چاہتا اس کے باوجود کہ انجمن وطن، جمعیت العلماء اور مسلم لیگ نے اپنی قراردادوں کے ذریعے اس کا مطالبہ بھی کیا۔ خان نے سامعین سے کہا کہ وہ آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک قومی فوج منظم کر رہے ہیں اور انجمن وطن وہ فوج ہے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"بلوچستان کو صوبائی خود مختاری دینے کے سوال کو دہلی میں مرکزی دستور ساز اسمبلی کے سامنے پچھلے ہفتے رکھا گیا لیکن اس قرارداد کو ۱۱ کے مقابلے میں ۴۰ ووٹ سے نامنظور کیا گیا۔ ایک قادیانی مسلمان سر ظفر اللہ خان نے کہا کہ بلوچستان آزادی نہیں چاہتا۔ میں آپ سب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ صحیح ہے؟"

اس کے بعد مرحوم کمال الدین شیرانی اٹھے اور انہوں نے یہ قرارداد پیش کی:

" یہ اجلاس اسمبلی اور برطانوی حکومت کے اس رویے پر شدید غصے کا اظہار کرتا ہے اور اس ذمہ دار اسمبلی کے فلور پر اہلکاروں اور اراکین کی اس غلط بیانی پر اعتراض کرتا ہے۔ یہ برطانوی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ بلوچستان کو بھی دیگر صوبوں کے برابر لایا جائے"۔

اگرچہ مزید تحقیق شرط ہے لیکن کمال الدین شیرانی کی اس قرارداد کو بلوچستان کی صوبائی خود مختاری کے لئے اس کے سیاستدانوں اور عوام کی طرف دوسرے باقاعدہ مطالبے کے طور پر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا مطالبہ مسلم لیگ کے قائداعظم کے چودہ نکات میں ایک عشرہ پہلے ۱۹۲۸ء میں کیا گیا تھا۔ یہ تاریخی شخصیت کمال الدین شیرانی ایک طویل اور گمنام زندگی گزارنے کے بعد ۱۳ مئی ۲۰۰۰ء کو فوت ہوئے۔ ایک دکاندار غلام نبی نے اس قرارداد کی حمایت کی اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور اسے پاس کیا گیا۔

آخر میں عبدالغفار خان نے پشتو زبان میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میرا مقصد برطانوی حکومت کے شکنجے سے آپ کو آزاد کرانا ہے۔ میں ہندو اور مسلمانوں سے متحد ہونے کو کہتا ہوں کیونکہ اتحاد میں طاقت ہے۔ میں عدم تشدد کی ہتھیار سے برطانوی حکومت سے لڑ رہا ہوں۔ دنیا کی باقی قومیں خوشحال ہیں لیکن پٹھان تباہ ہیں۔ ہم ایک قوم ہیں اور ہمارا ایک ملک ہے۔ ہم پٹھان کہتے ہیں کہ یہ ہماری قسمت ہے، لیکن یہ غلط ہے۔ برائے مہربانی قرآن پڑھیں اس میں

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خدا کہتے ہیں کہ میں نے کس قوم سے اپنا ملک چھینا ہے؟ جو قوم خود غرض ہے انہیں در بدر ٹھوکریں کھانی ہوں گی۔ ہم خود غرض، جاہل اور ظالم ہیں، لوگ پٹھانوں کے بارے میں ایسا ہی سوچتے ہیں۔ پٹھان بکریوں کی طرح ہیں، انہیں بھوک اور پیاس لگتی ہے، لیکن یہ ان کی غلطی نہیں ہے۔ دوسری قومیں یہ پروپیگنڈا کرتی ہیں کہ پٹھان ظالم، چور اور ڈاکو ہیں۔ لیکن جب ہم پٹھانوں نے متحد ہونا چاہا تو حکومت نے ہمیں دبانا شروع کر دیا۔ ہم نے بدلہ نہیں لیا۔ جب ہم مصیبت میں تھے تو ہم مسلم لیگ کے پاس گئے لیکن انہوں نے ہماری مدد نہیں کی صرف کانگرس نے ہماری حمایت کی۔ پٹھانوں کو ظالم ڈاکو گردانا جاتا ہے۔ آپ فرنگیوں کو بتا سکتے ہو کہ تم نے ہندوستان میں اصلاحات کی ہیں اور تمہیں ہمیں بھی اصلاحات دینی چاہیے"۔

اگلے روز رات سوا نو بجے بیماری کے باوجود عبدالغفار خان، محمد امین کھوسو، عبدالصمد خان اچکزئی، عبدالرحمٰن خان بگٹی، صاحبزادہ عبدالغفور شاہ، صاحبزادہ عبدالحق شاہ اور غلام نبی دکاندار کے ہمراہ انجمن وطن کے زیر انتظام ہونے والے اجتماع میں شرکت کے لئے جامع مسجد پہنچیں۔ اس اجتماع کی صدارت عبدالرحمٰن بگٹی نے کی۔ تلاوت مولوی اختر شاہ نے کی جبکہ جعفر شاہ نے پشتو نظم پیش کی۔

۲۵ ستمبر ۱۹۳۹ء کو عبدالغفار خان، عبدالصمد خان اور ان کے ساتھی فورٹ سنڈیمن سے قلعہ سیف اللہ اور ہندو باغ روانہ ہوئے۔ اس جماعت کی قلعہ سیف اللہ میں ان کی روئیداد کے حوالے سے کوئی سرکاری دستاویزات موجود نہیں ہیں لیکن احمد یار خان ولد مرحوم نواب محمد خان جوگیزئی نے ۱۷ مئی ۲۰۰۰ء کو مجھے بتایا کہ نواب صاحب نے ان کا استقبال کیا تھا اور انہوں نے قلعہ سیف اللہ بازار میں تقاریر کی تھیں جس میں ہندو دکانداروں نے بھی آزادی سے شرکت کی تھی۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۳۹ء کو رات ساڑھے نو بجے انہوں نے زونکی رام گارڈن پشین میں ایک اجتماع سے خطاب کیا جہاں سوڈا واٹر کارخانے کے مالک ہردیت سنگھ نے عبدالغفار خان کو میوے سے بھری ٹوکری پیش کی تھی۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳۰ ستمبر ۱۹۳۹ء کو رات ساڑھے آٹھ بجے عبدالغفار خان، عبدالصمد خان اور ان کے ساتھی ایک گاڑی میں سبی پہنچے تھے۔ انجمن وطن کے مقامی اراکین نے صحبت سرائے کے قریب عید گاہ میں ایک خصوصی اجلاس کا انتظام کیا تھا جس سے عبدالغفار خان، عبدالصمد خان اور حکیم پنون خان نے خطاب کیا۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو وہ سبی سے اوستہ محمد روانہ ہوئے۔ اوستہ محمد میں خان عبدالغفار خان اور ان کی جماعت کی روئیداد کے حوالے سے یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لکھے گئے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کیپٹن آئی۔ ایس چوپڑا آئی۔ اے کی یادداشت کا حوالہ دینا بہتر ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں:

" ۳۰ ستمبر کی شام تک خان عبدالغفار خان کے اوستہ محمد کے دورے کا پوری طرح سے معلوم نہیں تھا۔ اس سے پہلے میں نے اوستہ تحصیل میں انجمن وطن کے پروپیگنڈے کے بارے میں مختلف زمینداروں سے سنا تھا۔ وہ سب انجمن وطن کے خلاف تھے۔ سردار رستم خان، جمالی سردار، نے جب عبدالغفار خان کے اوستہ محمد کے ممکنہ دورے کے بارے میں سنا تو وہ میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ان کے مجوزہ ملاقاتوں کے خلاف ہیں اور انہوں نے منتظمین کی ان سے ملنے کی درخواست سے انکار کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنے اثر ورسوخ سے یہ اجلاس نہ ہونے دوں۔ میں نے انہیں بتایا کہ سرکاری طور پر اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ اس اجلاس کے حوالے سے منتظمین نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ لیکن انجمن وطن کی طرف اس معاندانہ رویے کو دیکھتے ہوئے میں نے ای۔ اے۔ سی نصیر آباد غلام حیدر کو اوستہ میں اجلاس کے دوران موجود رہنے کی ہدایت کی۔ ڈھائی بجے مجھے ای۔ اے۔ سی نے ایک خط کے ذریعے اطلاع دی کہ کچھ لوگوں نے مقررین پر حملہ کر کے محمد امین کھوسو اور جیکب آباد کے ڈاکٹر چویٹ رام کو شدید زخمی کر دیا"۔

"عینی شاہدین کے مطابق انجمن وطن نے گیارہ بجے صبح اپنی کاروائی کا آغاز کیا۔ ان کے راہنماؤں میں عبدالغفار خان، عبدالصمد خان، محمد امین، اسلم اچکزئی، ڈاکٹر چویٹ رام، میر محمد کھوسو، ڈاکٹر خان چاند، موسیٰ بخش اور نور محمد پروانہ شامل تھے۔ سامعین میں ہندو اور دیگر کم ذات لوگ شامل

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تھے۔ کاروائی کا آغاز محمد امین کھوسو کی تقریر سے ہوا جس میں انہوں نے جمالیوں پر تنقید کی کہ انہوں نے مہمان نوازی کی بجائے لوگوں کو اپنا غلام اور زمینداروں کو دور رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی جنگ برطانوی حکومت کے خلاف ہے نہ کہ جمالیوں کے خلاف۔ البتہ انہوں نے سردار رستم خان جمالی کی ذہانت پر تنقید کی۔ اگلے مقرر عبدالصمد خان اچکزئی نے بھی اپنے خطاب میں جمالی سردار کو برا بھلا کہا۔ اس پر ہجوم میں سے تین افراد "یا علی" کا نعرہ لگاتے ہوئے ان راہنماؤں پر حملہ آور ہوئے۔ ای۔ اے۔ سی اور رستم خان نے فوراً موقع پر پہنچ کر زخمیوں کو انجمن وطن کے دفتر پہنچایا۔ زخمیوں نے کسی بھی قسم کا بیان دینے سے انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ وہ "خدائی خدمتگار" ہیں"۔

اے۔ پی۔ اے نصیر آباد چوپڑا نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ایک دوسرے خط میں لکھا:

۱)۔ "عبدالغفار خان نے مجھے بتایا کہ انہیں یہاں آنے پر افسوس ہے۔ اگر انہیں اپنے مقصد کے قبائلی مخالفت کا پتہ ہوتا تو وہ اے۔ جی۔ جی اور قبائلی معتبرین کی مرضی کے بغیر کبھی اوستہ کا دورہ نہ کرتے"۔

۲)۔ عبدالصمد اچکزئی پھر اٹھیں اور انہوں نے کہا:

"بھائیو! آپ کے خلاف جو بھی ظلم کیا گیا آپ کو آگے آکر اس کے بارے میں ہمیں بتانا چاہیے۔ ہم یہاں سے اس ظلم کا خاتمہ کرنے آئے ہیں جس کا آپ شکار ہیں۔ ہم نے انہی حقوق کا مطالبہ کیا ہے جو ہندوستان میں دیگر صوبوں کو حاصل ہیں۔ سردار رستم خان اور میر جعفر خان جمالی بھی اسی ظلم کا شکار ہیں اور اسی کے نتیجے میں حکومت نے انہیں جیل بھیجا تھا۔ ہم ان کی آزادی کے ذمہ دار ہیں لیکن وہ ہمارے ساتھ تعاون کرنے کی بجائے حکومت کے خیر خواہ بنے ہوئے ہیں۔ ہم بلوچ قوم سے لڑنے نہیں ان کے ساتھ ہمدردی کرنے آئے تھے۔ تقریر کے دوران اس جگہ "یا علی" کا نعرہ بلند ہوا اور حملہ کیا گیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کراچی سے ۵ اکتوبر ۱۹۳۹ کو ہندو مہا سبھا کے صدر نے احتجاج کے طور پر حکومت بلوچستان کو خط لکھا جس میں کہا گیا کہ یہ واقعہ پولیس تھانے سے چند قدم دور واقع ہوا، اس لئے یہ پولیس کی مکمل ناکامی ہے کہ وہ نہ ہی اس واقعہ کو ہونے سے روک سکی اور نہ ہی اس نے حملہ آوروں کو گرفتار کیا۔ کچھ سندھی، انگریزی اور اردو اخبارات نے بھی اس پر احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ "یا تو مقامی حکام نے اس واقعہ پر چشم پوشی سے کام لیا یا پھر وہ اس لاقانونیت پر قابو پانے کی صلاحیت سے محروم ہیں"۔ "سندھ آبزرور" نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۹ کو خبر دی کہ وزیر اعلیٰ سندھ خان بہادر اللہ بخش نے بھی اس واقعے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو سندھ آبزرور نے عبدالصمد خان اچکزئی کا درج ذیل بیان شائع کیا:

"اس میدان کے مالک سے پہلے ہی اجازت لی جا چکی تھی جہاں یہ جلسہ ہونے والا تھا۔ لیکن اس سے پہلے شام کو کچھ قبائلیوں نے ای۔ اے۔ سی اور سردار رستم خان جمالی کی موجودگی میں شامیانے کو نقصان پہنچایا۔ انجمن وطن کے کارکنوں نے نائب تحصیلدار کو اس عمل سے آگاہ کیا۔ اس کے علاوہ انجمن وطن کے مقامی شاخ کے صدر نور محمد پروانہ بروہی نے حکام کو ملزم کے نام بھی بتائے۔ یہ حملہ پہلے سے سوچا گیا تھا اور بغیر کسی اشتعال کے عمل میں لایا گیا"۔

"میں بلوچستان کے عوام اور انجمن وطن کے اراکین سے استدعا کرتا ہوں۔ یہ پہلا موقع ہے جس میں ہمیں صحافتی آزادی کے بدلے میں ہمارا خون دیا گیا۔ اس طرح کے حملے پھر بھی دہرائے جائیں گے۔ ہمیں ہر حال میں عدم تشدد پر عمل پیرا رہنا ہوگا اور لوگوں کو بتانا ہوگا کہ ہم ان کی بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں"۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے "ٹریبون" اخبار نے اس حملے کو پہلے سے سوچا سمجھا قرار دیا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے "سندھ آبزرور" نے دوبارہ لکھا:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"انجمن وطن کے صدر عبدالصمد خان "وردھا ورد ھاگنج" کے لئے روانہ ہوئے۔ وہ وہاں مہاتما گاندھی اور کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ارکان کے سامنے بلوچستان انتظامیہ کے حقائق رکھیں گے"۔

"انہوں نے کہا کہ انجمن وطن کی آواز دبانے کے لئے باقاعدہ اقدامات اٹھائے گئے جو دیگر صوبوں کی طرح اس صوبے میں بھی ایک ہمدرد حکومت کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ نے باقاعدہ منادی کرا کر لوگوں کو کانگرس کے جلسوں میں شرکت نہ کرنے کی تاکید کی"۔

حکومت بلوچستان نے کوئٹہ سے ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو جاری ہونے والے پریس نوٹ میں خان کے لگائے گئے تمام الزامات کی تردید کی۔ انہوں نے البتہ اس واقعے کے ایک مہینے کے اندر کیپٹن چوپڑا کا تبادلہ کر دیا اور ان کی جگہ اے۔ای ڈریک آئی۔ سی۔ایس کو نصیر آباد کو اے۔پی۔اے مقرر کیا۔ انہوں نے ۷ نومبر ۱۹۳۹ء کو چارج لیا، انہوں نے جنوری ۱۹۴۰ء میں اپنی تفتیشی رپورٹ جمع کی جسے حتمی قبول کیا گیا۔ یہ رپورٹ نتیجے اور مواد کے لحاظ سے کسی بھی طرح ان کے پیشرو کی رپورٹ سے مختلف نہیں تھی۔ ۲۳ اگست ۱۹۴۱ ء کو اے۔ای ڈریک آئی۔سی۔ایس نے نصیر آباد کے اے۔پی۔اے کا چارج کے۔ایس میر خان ای۔اے۔سی نصیر آباد کے سپرد کیا۔ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۱ء کو کیپٹن آئی۔ایس چوپڑا ان دوبارہ اسی منصب پر تعینات ہوئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوستہ محمد میں اس واقعے کے بعد جلد ہی خان صاحب نے سبی کا دورہ کیا۔ جیسا کہ پولیٹیکل ایجنٹ سبی ڈی۔ آر اسمتھ کی ڈائری میں درج ہے۔ وہ کہتا ہے:

"۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو عبدالصمد خان جیکب آباد سے سبی پہنچیں اور انہوں نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو شہر میں تقریر کی۔ ایک اور مقامی قائد ولی محمد خان مرغزانی نے بھی تقریر کی۔ اجتماع بہت ہی چھوٹا تھا۔ عبدالصمد خان اسی رات کوئٹہ لوٹے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

انہوں نے پھر نومبر ۱۹۴۰ء کے اوائل میں اپنی ڈائری میں لکھا:

"انجمن وطن سے علیحدہ ہونے والی جماعت نے ۱۰ نومبر ۱۹۴۰ء کو سبی میں طے شدہ جلسہ منعقد نہیں کیا۔ تاہم ۱۱ نومبر ۱۹۴۰ء کو آئے ہوئے وفود، جن میں زیادہ تر کوئٹہ سے آئے تھے، نے بند کمرہ اجلاس میں فیصلہ کیا بلوچستان نیشنل کانگرس کے نام سے ایک نئی جماعت تشکیل دینی چاہیے جس کا آل انڈیا کانگرس سے الحاق ہوگا۔ میر محمد کھوسو اس کے صدر اور محمد اسلم اچکزئی سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس تنظیم کا ہیڈ کوارٹر کوئٹہ میں قائم کیا جائے گا"۔

"اسی شام صحبت سرائے کے قریب ایک عوامی جلسہ ہوا۔ حاضرین بہت کم اور زیادہ تر ہندو اور سکھ تھے۔ وہ مقررین کے سیاسی خیالات کی بجائے 'تماشا' میں دلچسپی رکھتے تھے۔ تقاریر قابل اعتراض نہیں تھیں اور اس میں انہوں نے زیادہ تر کوئٹہ میں "چرخہ" کے افتتاح پر زور دیا گیا"۔

مرحوم قاضی محمد عیسیٰ کی غیر مطبوعہ سوانح عمری میں بتایا گیا ہے کہ وہ کوئٹہ میں شربت خان کے گھر میں ہونے والی چائے پارٹی میں عبدالغفار خان سے ملیں۔ خان ایک گاڑی میں آئے جس پر کانگرس کا جھنڈا لگا ہوا تھا اور قاضی عیسیٰ نے اس پر اعتراض کیا۔ یہ یقیناً ۱۹۳۹ء میں عبدالغفار خان کے دورہ بلوچستان کے دوران ہوا ہوگا۔ اسی "سوانح عمری" میں کچھ غلط بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اس میں ۱۹۳۹ء میں اوستہ محمد میں ہونے والے واقعے کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مقررین نے قائداعظم کے خلاف باتیں کیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکتوبر، نومبر ۱۹۳۹ء میں اوستہ محمد میں ہونے والے اس واقعے کے بعد بھی عبدالصمد خان اور ان کے ساتھی باز نہیں آئے اور انہوں نے اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ستمبر ۱۹۴۰ء میں اپنی پندرہ روزہ ڈائری میں پولیٹیکل ایجنٹ ژوب ایچ۔ اے بارنیس نے لکھا:

"۱۶ ستمبر ۱۹۴۰ء کو شربت خان پارک فورٹ سنڈیمن میں انجمن وطن کا ایک جلسہ ہوا جس میں ۲۵۰ افراد نے شرکت کی۔ اس جلسے سے انجمن کے خازن دینومل اور ارباب عبدالقادر نے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

خطاب کیا۔ دینو مل نے حاضرین کو کانگرس میں شامل ہونے کی ترغیب دی اور کہا کہ یہ ہندوستان کی واحد جماعت ہے جو غریب اور محکوم عوام کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ فورٹ سنڈیمن میں انجمن کی قائم ہونے والی شاخ کی وجہ سے آنے والے وقت میں اس میں شامل ہونے والوں کی تعداد کافی بڑھے گی۔ ارباب عبدالقادر نے بھی تقریر کی اور انہوں نے زیادہ تر حکومت مخالف پروپیگنڈا کیا۔ وہ انجمن وطن کے لورالائی جلسے کے لئے صرف ۲۵ روپیہ اکھٹا کر پائے"۔

"۱۷ ستمبر ۱۹۴۰ء شربت خان پارک میں دوبارہ انجمن وطن کا جلسہ ہوا۔ اس میں حاضرین کی تعداد ۳۰۰ تھی۔ اس سے صرف انجمن کے خازن دینو مل نے خطاب کیا۔ ان کی تقریر پچھلی تقریر کے نکات پر ہی تھی۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۰ء کو فورٹ سنڈیمن میں ایک اور جلسہ ہوا اور عبدالصمد اچکزئی نے اس سے خطاب کیا۔ اس میں حاضرین کی تعداد چالیس سے پچاس تھی۔ عبدالصمد کی تقریر عمومی نکات پر ہی تھی۔ ڈاکٹر روشن لال ڈنٹیسٹ نے کاروائی میں بھرپور حصہ لیا، اس سے لگتا ہے کہ وہ اب فورٹ سنڈیمن میں اس تحریک کے رہنما بنیں گے"۔

بد قسمتی سے پولیٹیکل ایجنٹ ژوب میجر ایچ۔ اے بارنیس کو چپراسی کے تاراسنگھ جمعدار سمیت ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو دن پونے بارہ بجے شیر جان جوگیزئی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ ملک دولت خان حرمزئی نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاتل کو گرفتار کیا۔ اس کا مقدمہ سیشن جج کی عدالت میں چلا اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو شیر جان کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ انہیں مچھ جیل میں پھانسی دی گئی اور ان کا جسدِ خاکی ایک گاڑی میں ۴ دسمبر ۱۹۴۰ء کو لایا گیا اور پشین کے شادیزئی گاؤں میں دفنایا گیا۔ مرحوم شادیزئی کے پیر شیر جان آغا کے پیروکار تھے۔ فورٹ سنڈیمن کے جلسے کے بعد انجمن وطن، قلات اسٹیٹ نیشنل پارٹی، جمعیت العلماء اور کانگرس کے قائدین فروری ۱۹۴۱ء کو مسلم لیگ کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لئے سبی میں ملیں لیکن عبدالصمد خان اچکزئی اور مولوی عبیداللہ کے مابین شدید اختلاف کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۴۲ء تک صوبے میں بلوچ اور پشتون نسلی گروہوں کے مابین کوئی شدید سیاسی اختلافات نہیں تھے۔ ان دنوں میں خان کہا کرتے تھے کہ میں پہلے مظلوم ہوں، پھر ایک ہندوستانی، پھر بلوچستانی اور آخر میں افغان ہوں۔ تاہم ۱۹۴۲ء کے اوائل میں پہلی بار ایک مکرانی بلوچ استاد محمد حسین عنقا نے اختلاف اٹھایا۔ انجمن وطن کے ایک اجلاس کے دوران اس نے احتجاج کیا اور کھڑے ہو کر نعرہ لگایا "بلوچ قوم زندہ باد"۔ پروفیسر غنو نے "بابائے پشتون" کے صفحہ ۲۱ پر عبدالصمد خان کا اپنے ساتھی اور دوست محمد امین کھوسو کے نام ۱۹ فروری ۱۹۴۲ء کا لکھا ہوا ایک خط نقل کیا ہے۔ اس خط میں وہ کہتے ہیں:

"آپ کے عنقا غیر ضروری طور پر اور صرف مادی فائدے کے لئے ایک رسمی اجلاس کے دوران کھڑے ہو کر "بلوچ قوم زندہ باد" کے نعرے لگانے لگے۔ ان کے اس نعرے کو شرکاء میں سے کسی بھی داد نہیں دی اور الٹا ان کی سرزنش کی۔ اجلاس کے صدر نے عنقا کو اس طرح کے نعرے لگانے سے منع کیا کہ پھر کوئی اور اٹھ کر "پشتون قوم زندہ باد" کے نعرے لگانا شروع کر دے گا"۔

"اور اگر ایسا ہوا تو پھر نسلی تضاد پیدا ہو گا یہ شاید عنقا کے مذموم عزائم کے لئے ٹھیک ہو لیکن یہ ہمارے مقاصد کی شکست ہو گی۔ اس واقعے کے بعد عنقا نے اجلاس کی بقیہ کاروائی کا بائیکاٹ کیا"۔

خان کے لگائے گئے ان الزامات کو حقیقت کے قریب اس لئے مانا جا سکتا ہے کیونکہ:

"۲۲ مئی ۱۹۴۲ء کو محمد حسین عنقا نے (حکومتی تعاون سے) ہونے والی فسطائیت مخالف کمیٹی کی صدارات کی اور اس میں انہوں نے دس روپیہ چندے کے ساتھ سبی کمیٹی سے اس کے الحاق کی تجویز دی"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

مندرجہ بالا ذکر پولیٹیکل ایجنٹ قلات ہوپکنسن نے اپنی پندرہ روزہ ڈائری میں کیا ہے۔ ۱۹ مئی ۱۹۴۸ء کو خارجہ دفتر کراچی کو لکھے گئے ایک خفیہ خط میں اے۔جی۔جی بلوچستان نے لکھا:

"اس نے قلات میں اپنے ارادوں سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا۔ آخر کار پندرہ آدمیوں نے ان کا ساتھ دیا جن میں محمد حسین عنقا بھی شامل تھے جو ایک ناپسندیدہ شخص اور دوغلے صحافی ہیں اور اس وقت قلات کے اخبار "بولان" کے مدیر ہیں"۔

اوپر ذکر کئے گئے خط کے بعد خان صاحب کو ہندوستان میں جاری کانگرس کے احتجاج کو مشتہر کرنے کے الزام میں اگست ۱۹۴۲ء میں گرفتار کیا گیا۔ آل انڈیا کانگرس نے اپنے بمبئی میں منعقدہ اجلاس میں "ہندوستان چھوڑ دو قرارداد" منظور کی۔ دو دن بعد گاندھی اور کانگرس کمیٹی کے ارکان کو گرفتار کیا گیا۔ اس وجہ سے پورے ہندوستان میں انتشار پھیلا۔ جب ان گرفتاریوں کی خبر عبدالغفار خان کو پہنچی تو انہوں نے ۱۰ اگست ۱۹۴۲ء کو ایک جلسے میں "ہندوستان چھوڑ دو تحریک" کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے اور ان کے پیروکاروں نے پورے این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کی شراب کی دکانوں کے سامنے مظاہرے شروع کئے۔ سکندر مرزا (این۔ڈبلیو۔ایف۔پی حکومت کے پولیٹیکل افسر) کے مشورے سے خدائی خدمتگاروں کے خلاف اٹھائے جانے والے اقدامات کا مشہور قصہ اسی احتجاج سے جڑا ہوا تھا۔

بلوچستان میں برطانوی حکام نے عبدالصمد خان، شیر محمد خان غلزئی، ارباب عبدالقادر کاسی، ملک سید محمد خان کاسی، سیٹھ دینو مل اور سردار ارجیت سنگھ کو گرفتار کیا۔ انہیں ۱۹۴۵ء میں رہا کیا گیا جس کے بعد عبدالصمد خان نے رسمی طور پر آل انڈیا نیشنل کانگرس کے ساتھ اپنے انجمن کا الحاق کیا۔ اسی دوران قائداعظم نے کوئٹہ کا دوسرا دورہ کیا اور انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیدریشن کی مقامی خواتین ونگ کی بنیاد رکھی۔ خان شہید کی سیاست (جنہوں نے آل انڈیا جماعتوں پر زیادہ انحصار کیا تھا) کے خلاف قاضی محمد عیسیٰ اور ان کے ساتھی مقامی سرداروں، طلبا اور نیشنل گارڈز کے رضاکاروں کو منظم کرنے میں مصروف تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

قاضی محمد عیسٰی نے اپنے مسلم لیگ حامی سیاست کا آغاز مئی ۱۹۳۹ء میں کیا جبکہ ستمبر ۱۹۳۹ ء میں دوسری عالمی جنگ شروع ہوئی۔ ان دونوں واقعات نے برٹش بلوچستان میں سیاسی سرگرمی کو تحریک دی ہوگی۔ اس کے نتیجے میں دو پشتون خوانین نے اکتوبر ۱۹۳۹ ء میں صوبے کے افغان علاقوں (سبی، کوئٹہ، پشین، لورالائی، فورٹ سنڈیمن اور قلعہ سیف اللہ) کے دورے کرنے شروع کئے۔ ان دوروں کے لئے یقیناً بہت محنت اور اخراجات کئے ہوں گے جن کو سراہنا انصاف کا تقاضہ ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

باب- ۲۹

مخالف محاذ- قاضی محمد عیسٰی (۱۹۴۰ – ۱۹۷۶ء)اور ان کی مسلم لیگ

ان کی والدہ نیک بی بی پشین کی ایک افغان ترین خاتون تھیں جبکہ ان کے والد قاضی جلال الدین کندھار کے ایک مہاجر تھے جسے برطانوی حکومت نے تحصیل پشین میں جائیداد دے کر بسایا تھا۔ اپنی حکومتی ملازمت کے دوران وہ برٹش بلوچستان کے معروف ریونیو افسروں میں شامل ہوئے اور وہ ۱۹۱۸ء میں اپنی موت تک ریاست قلات کے سیاسی مشیر رہے۔ اس لئے یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ عنایت اللہ بلوچ نے اپنی کتاب 'گریٹر بلوچستان' کی صفحہ ۱۵۸ پر ان کا ذکر پشین کے ایک تاجر کے طور پر کیا ہے۔ قاضی عیسٰی ۱۷ جولائی ۱۹۱۴ء میں پشین میں پیدا ہوئے اور ۹ جون ۱۹۷۶ء کو کوئٹہ میں باسٹھ سال کی عمر میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ لندن سے بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد وہ ۱۹۳۸ء میں کوئٹہ آئے۔ جنوری ۱۹۳۹ء میں وہ بمبئی میں قائداعظم سے ملے اور واپس آکر برٹش بلوچستان میں مسلم لیگ منظم کرنے لگے۔ ہاشم خان غلزئی، عطا محمد خان مرغزانی اور تحصیل پشین کے گاؤں خانوزئی کے معروف مذہبی عالم اخوندزادہ عبدالعلی (۱۸۷۲ء-۱۹۴۹ء) ان پہلی اہم شخصیات میں سے تھے جنہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت کی اور بعد میں جنہوں نے لورالائی کے مولوی عبدالکریم کدیزئی کی سربراہی میں جمعیت العلما کے ملاوں کے خلاف اس تنظیم کی حفاظت کی۔

پولیٹیکل ایجنٹ ژوب نے اپنے ہندوباغ کیمپ سے ۵ جون ۱۹۳۹ء کے مراسلے میں لکھا:

"۳۰ مئی ۱۹۳۹ء کو مندرجہ ذیل افراد قلعہ سیف اللہ میں جوگیزئی نواب سے ملیں:

۱۔ پشین کے قاضی محمد عیسٰی بار ایٹ لا ولد قاضی جلال الدین

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۔ کوئٹہ کے کے۔بی ارباب کرم خان کاسی

۳۔ کوئٹہ کے ایک تاجر کے۔ایس یار محمد خان (بڑیچ)

۴۔ خانوزئی کے عبدالعلی اخوندزادہ

میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے جوگیزئی نواب سے بلوچستان میں مسلم لیگ قائم کرنے کی تجویز پر بات کی ہوگی"۔

اس مراسلے کے ساتھ پولیٹیکل ایجنٹ ژوب نے ایک اردو پمفلٹ بھی منسلک کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ صوبے میں مسلم لیگ کا افتتاح ہو چکا ہے اور اس کا پہلا عوامی جلسہ ۱۰ جون ۱۹۳۹ء کو کوئٹہ کے مک موہن پارک میں منعقد ہوگا۔اس اشتہار میں 'اسلام کے ہمدردوں' کو مخاطب کر کے مسلمانوں سے استدعا کی گئی تھی وہ اپنے حقوق اور اسلامی تہذیب کے دفاع کے لئے متحد ہوں۔اس پر عیسٰی خان بار ایٹ لا، صدر بلوچستان مسلم لیگ کے دستخط تھے۔

اس پہلے جلسے میں بہت سے تنظیمی معاملات پر بحث ہوئی اور اس سے متعلق فیصلے کئے گئے۔اس کے علاوہ برٹش بلوچستان کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ صوبے میں اصلاحات متعارف کرائیں۔اس سے متعلق قاضی صاحب نے اپنی غیر مطبوعہ سوانح عمری میں لکھا ہے:

"اسی تاریخ سے صوبے میں لیگ کا عروج اور خان عبدالصمد خان کی قیادت میں ان کی انجمن وطن کے لبادے میں مقامی کانگرس جماعت کا زوال شروع ہوا۔اپنی جماعت کی مدد کے لئے قاضی عیسٰی نے ہفتہ وار اخبار "الاسلام" کا اجرا کیا جس نے کانگرس کے ترجمان "استقلال" کو خاموش کر دیا۔صمد خان کی انجمن وطن نے انہیں پنجابیوں کے ایجنٹ کے طور پر پیش کیا۔کانگرسی ملاوں نے مسلم لیگ میں شامل ہونے والوں کو کافر قرار دیا۔اس چیلنج سے نمٹنے کے لئے قاضی عیسٰی نے ۴۰۰ ملاوں کو پشین میں اپنی رہائش گاہ پر رات کے کھانے کے لئے مدعو کیا۔انہوں نے پر تکلف کھانے اور

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

میٹھے سے ان کی تواضع کے بعد ان کے سامنے سوال رکھا کہ "کیا یہ کافروں کی دعوت ہو سکتی ہے؟" سب نے بہ یک آواز "نہیں" کہا۔ پھر ان کے کہنے پر ملاوں نے مسلم لیگ کے دشمنوں کے خلاف فتویٰ دیا اور اس طرح انہوں نے کانگرسی ملاوں کے خلاف دیرپا فتح حاصل کرلی"۔

اسی طرح ۲۹ جولائی ۱۹۳۹ء کو مسلم لیگ کا دوسرا بڑا عوامی جلسہ ہوا جس میں درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"اس صوبے کی شدید غربت کے پیش نظر یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ مستقبل میں ٹھیکے صرف مسلمان ٹھیکیداروں کو ان ہدایات کے ساتھ دیئے جائیں کہ وہ اس کے کام کے لئے صرف مقامی افراد کو بھرتی کریں"۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک کونسل سیشن دہلی میں ہوا۔ اس میں قاضی محمد عیسٰی خان، ارباب کرم خان کاسی، ملک عبداللہ خان اور ملک عبدالغفار خان اچکزئی نے شرکت کی۔ اس سیشن میں قائد نے بلوچستان مسلم لیگ کا مرکزی تنظیم سے الحاق کا اعلان کیا۔ ایک موقع پر قائداعظم نے قاضی عیسٰی کو ڈائس پر بلایا تاکہ حاضرین انہیں دیکھ سکیں۔ اس پر حاضرین میں سے لوگوں نے اسٹیج پر آکر ان سے ہاتھ ملائے۔

پولیٹیکل ایجنٹ سبی ڈی۔ آر اسمتھ نے اپنی فروری ۱۹۴۱ء کی پندرہ روزہ ڈائری میں درج ذیل حقائق بیان کی ہیں:

"چار سیاسی جماعتوں، انجمن وطن، جمعیت العلما، قلات اسٹیٹ نیشنل پارٹی اور بلوچستان نیشنل کانگرس کی سرگرمیاں ہفتہ سبی کے دوران نمایاں طور پر نظر آئیں۔ ان جماعتوں کے حامی یہاں اکھٹے ہوئے تھے۔ ان جماعتوں کے قائدین نے اپنی تقریروں میں کہا کہ جب تک یہ تمام جماعتیں مل کر ایک مشترکہ جلسہ نہیں کرتی تب تک ان کی آواز بلوچستان کے حکام تک نہیں پہنچے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

گی۔ اس مقصد کے لئے ۴ فروری ۱۹۳۹ء سے ان کے کئی مشترکہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں کوئی متفقہ خیالات ابھر کر سامنے نہیں آئے۔ عبدالصمد خان، جو وردھا بھی گئے تھے اور وہاں گاندھی نے بلوچستان میں ستیہ گرہ کرنے کی ان کے تجویز کی حوصلہ شکنی کی تھی، لیکن وہ اب تک یہ تجویز کر رہے ہیں کہ ستیہ گرہ ایک ساتھ شروع ہونا چاہیے۔ مولوی عبیداللہ نے رائے دی کہ بلوچستان ستیہ گرہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ان متنوع خیالات پر گرماگرم بحث ہوئی جو اس نتیجے پر پہنچی کہ ستیہ گرہ آنے والے دنوں میں ہو گا اور اس پر بعد میں فیصلہ کیا جائے گا"۔

"ہفتہ سبی میں لوگوں کی بڑی تعداد میں سبی میں موجودگی کے باوجود اس جلسے میں لوگوں کی شرکت کم تھی۔ یہ ان قائدین کے لئے بہت مایوس کن تھا۔ جیکب آباد سے ایک اخبار کے مدیر محمد اسلم اچکزئی نے سبی میں اپنا زیادہ تر وقت یہ معلومات لینے میں گزارا کہ کیا کوئی بھی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے جو ایف۔ سی۔ آر کی دفعہ ۳۶ کے تحت انہیں کوئٹہ پشین میں داخلے سے روکنے والے حکم کو معطل کرانے میں مددگار ثابت ہو سکے۔ سبی میں عبدالصمد خان کو گاندھی کا ایک تار ملا جس میں بتایا گیا کہ مختلف جماعتوں کے اجلاسوں کے بعد فیصلہ ہوا کہ بلوچستان میں ستیہ گرہ شروع نہیں کرنا چاہیے"۔

اس مندرجہ بالا سرکاری نوٹ سے ۱۹۴۱ء کے اوائل میں صوبے کی سیاسی زندگی کی تین حقیقتیں سامنے لاتی ہیں، پہلی اس وقت کی تمام جماعتیں مسلم لیگ کی بڑھتی شہرت سے خائف تھیں اور ان میں سے کوئی ایک جماعت تنہا اس کا سامنا نہیں کر سکتی تھی۔ دوسری، ایک مذہبی علاقے میں ستیہ گرہ کرانا ناممکن تھا۔ تیسری اگر یہ چار جماعتیں ایک متحدہ محاذ تشکیل دینے میں کامیاب ہو جاتی تو اس کے نتیجے میں شاید سیاسی تاریخ مختلف ہوتی۔

جولائی ۱۹۴۱ء میں کوئٹہ میں بلوچستان صوبائی مسلم لیگ کی پہلی نشست لیاقت علی خان کی صدارت میں ہوئی۔ سبی میں مسلم لیگ کے حوالے سے پی۔ اے سبی ڈی۔ آر اسمتھ نے اپنی اکتوبر ۱۹۴۱ء کی ڈائری اور فروری ۱۹۴۲ء میں یوں ذکر کیا ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"حکیم پنوں خان نے سبی میں مسلم لیگ کی شاخ قائم کی۔ اب تک یہاں مسلم لیگ کا کوئی اجلاس نہیں ہوا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ حکیم نے کچھ افراد اکھٹے کئے ہیں۔

مسلم لیگ ۶ اور ۷ فروری کو سبی عید گاہ میں جلسہ کرنا چاہتی تھی۔ یہ اطلاع بھی ہے کہ انجمن وطن اور جمعیت العلما بھی اسی ہفتے میں جلسے کرنا چاہتی ہیں لیکن ان کی صحیح تاریخ ابھی معلوم نہیں ہے۔ کے۔ ایس دین محمد خان مرغزانی نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے اور وہ اس کی مقامی شاخ کے موجودہ صدر ہیں"۔

جولائی ۱۹۴۲ء میں کوئٹہ میں بلوچستان صوبائی مسلم لیگ کی دوسری نشست نواب افتخار حسین ممدوٹ کی صدارت میں ہوئی۔ ایک اور موقع پر چوہدری خلیق الزمان بھی کوئٹہ آئے اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز نے انہیں سلامی دی۔ انہوں نے گارڈز کی نظم و نسق کی تعریف کی۔ جولائی ۱۹۴۳ء میں قائداعظم نے پہلی بار کوئٹہ آکر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی اور دیگر امور نمٹانے کے ساتھ ساتھ انہوں نے بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا افتتاح بھی کیا۔ سردار خیر محمد خان ترین اس کے صدر اور نظر محمد کاکڑ جنرل سیکرٹری متعین ہوئے۔ فضل احمد غازی کے پاس بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی ورکنگ کمیٹی کی ایک گروپ فوٹو ہے اس میں ۱۹ افراد ہیں جن میں درمیان میں صدر محمد اعظم خان اور غازی بحیثیت نائب صدر موجود ہیں۔ ان ۱۹ ارکان میں سے ۱۱ پٹھان، دو بلوچ ہیں۔ ان ۱۱ پٹھانوں میں سے پانچ کا تعلق کاسی قبیلہ سے ہے۔ اس سے یہ دلچسپ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بلوچ کی نسبت پشتونوں نے مسلم لیگ کو زیادہ سپورٹ کیا ہے اور پشتونوں میں بھی کاسی قبیلے کے لوگوں نے اس پارٹی کے فروغ میں زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سٹوڈنٹس فیڈریشن کی ملکیت میں ایک دفتر، ایک لائبریری اور موسیقی کا ایک بینڈ ہے۔ یہ سیاسی اجلاسوں کے انعقاد اور تحفظ کے کام آتا ہے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کوئٹہ کے اپنے دوسرے دورے میں قائداعظم نے فضل احمد غازی کے تعاون سے سٹوڈنٹس فیڈریشن کی زنانہ ونگ کی بنیاد رکھی اور عاصمہ فدا علی اس کی صدر بنیں۔ ڈی۔جی خان کی مس ہاجرہ/صابرہ نائب صدر، زینت فرمان علی جنرل سیکرٹری، خورشید سردار حکیم جان سکول سیکرٹری، شیرین سردار رشید جان خازن اور جمیلہ رضوی پبلسٹی سیکرٹری متعین ہوئیں۔ مسلم گرلز سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی اراکین نے صوبے اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں مسلم لیگ کے مقاصد کے لئے کام کیا۔

غالباً ۱۹۴۵ء کے دورے میں قائداعظم نے قاضی محمد عیسٰی کو بلوچستان کا مقدمہ اور مطالبہ کے عنوان سے ایک دستاویز تیار کرنے کا کہا تاکہ اس کی بنیاد پر بلوچستان میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کی وکالت کی جاسکے۔ یہ دستاویز اتنے اچھے طریقے سے تیار کی گئی کہ ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے رکن کاوس جی جہانگیر نے بھی اسے بلوچستان کا کیس آگے بڑھانے کے لئے پیش کیا۔

اب ہم ذرا پیچھے مڑ کر کچھ واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ۳ اور ۴ جون ۱۹۴۵ء کو کوئٹہ میں منعقد ہونے والے بلوچستان مسلم لیگ کے تیسرے اجلاس میں کچھ قراردادیں منظور ہوئیں جن میں پاکستان کے مطالبے کی حمایت کی گئی۔ ان میں حاجی محمد اسمٰعیل اور سید اللہ داد شاہ کی وفات پر تعزیت بھی کی گئی۔ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ ذیل میں دیئے گئے بلوچستان کے تعلیم قواعد میں ترمیم کی جائے:

۱)۔ دو سال تک مسلسل ایک ہی جماعت میں ناکام ہونے والے طلبا کو سکول سے نکالنا (اس میں نرمی کی جائے)

۲)۔ پنجاب کے کسی تعلیم ادارے سے جاری کی گئی سند پر کسی طالب علم کو صوبے کے تعلیمی اداروں میں داخلہ نہ دینا (اس میں نرمی کی جائے)

۳)۔ ۲۰ سال کی عمر کو پہنچنے والے طلبا کا نام سکول سے خارج کرنا (اس میں نرمی کی جائے)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۴)۔ اسلامیہ سکول (واحد مسلم سکول ہونے کی وجہ سے) کے لئے خصوصی فنڈ اور وظیفے منظور کئے جائیں۔

۵)۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج کوئٹہ خان سرور خان کے تبادلے کے احکامات ملتوی کرنا۔ وہ کئی سالوں سے بلوچستان کی خدمت کر رہے ہیں۔

۶)۔ سبی کی نرخ کمیٹی اور میونسپل کمیٹی میں مسلم لیگ کو رکنیت دی جائے۔

۷)۔ حکومتی املاک کی چوری اور کوئٹہ میں بیچنے والے چوروں کو پکڑنے کی خاطر سٹی مسلم لیگ کو پی۔ این۔ جی کا دفتر کھولنے کے لئے دکان کی فراہمی میں ناکامی پر معاون بحالی کمشنر محمد اکبر خان (کاکڑ) سے وضاحت طلب کی جائے۔

۸)۔ صوبائی مسلم لیگ کی ۶ نومبر ۱۹۵۱ء کے ذریعے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جوڈیشل کے حکم کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ موخر الذکر نے ۴۰ ایف۔ سی۔ آر کے تحت درج ذیل افراد سے ضمانت طلب کی تھی:

(ا)۔ میر نبی بخش زہری، جنرل سیکرٹری بلوچستان مسلم لیگ

(ب)۔ میر گل خان نصیر، کونسلر آل پاکستان مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے ہفتہ وار اخبار کے "نوائے بلوچستان" کے مدیر

۹)۔ یورپی خاتون کی جگہ مسلمان سپرنٹنڈنٹ تعلیم کی تعیناتی کا مطالبہ

۱۰)۔ سب جج سبی کی جگہ پر کوئٹہ کے مسلمان وکیل کی تعیناتی کا مطالبہ

۱۱)۔ مسلم لیگ کی مشاورت سے بلوچستان کے لئے تعلیمی قوانین وضع کرنا کیونکہ موجودہ قوانین ان کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔

مندرجہ بالا مطالبات مختلف اجلاسوں میں قراردادوں کے ذریعے کئے گئے تھے۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"سبی مسلم لیگ کی سالانہ نشست ۶ اور ۷ فروری ۱۹۴۲ء کو عید گاہ میدان میں منعقد ہوئی"۔

سیٹھ محمد یوسف ولد حاجی سر عبداللہ ہارون نے اس کی صدارت کی جبکہ دیگر کے علاوہ قاضی محمد عیسٰی، میر جعفر خان جمالی، مولوی عبیداللہ سومرو اور مولوی ثناءاللہ نے اس میں شرکت کی۔ اس اجلاس میں اگلے سال کے صوبائی مسلم لیگ کے لئے قاضی محمد عیسٰی کو صدر، میر جعفر خان جمالی اور میر محمد علی رئیسانی کو نائب صدور اور سردار غلام محمد خان ترین جنرل سیکرٹری کے طور پر منتخب ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں قائداعظم نے کوئٹہ کا دورہ کیا، انہوں نے کوئٹہ میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی ایک ریلی سے خطاب کیا، انہوں نے خانِ قلات کی دعوت پر قلات سٹیٹ ہائی سکول مستونگ کا بھی دورہ کیا جہاں انہوں نے طلبا سے خطاب کیا اور سکول کے روزنامچہ میں انگریزی میں اپنے تاثرات بھی قلمبند کئے۔

۱۹۴۷ء میں ایک اہم واقعہ ہوا۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جھٹ پٹ نے اوستہ محمد سے ایک تار بھیجی جس میں لکھا تھا:

"میر گل محمد خان جمالی کی دعوت پر اوستہ محمد جانے کے لئے صوبائی مسلم لیگ کے قادر بخش جھٹ پٹ پہنچیں۔ انہیں سردار رستم خان اور علی نواز خان کی سربراہی میں جمالیوں کی دو شاخوں کے درمیان موجود تناؤ کی وجہ سے روکا گیا"۔

اس کے بعد پانچ صفحات پر مشتمل ۱۵ مئی ۱۹۴۷ء کی تحصیلدار کی رپورٹ میں محراب پور کے گل محمد خان جمالی پر حملے کی تفصیلات کچھ یوں دی گئی ہیں:

"۱۶ مئی ۱۹۴۷ء کی صبح نو بجے خان بہادر سردار رستم خان نے مجھے بتایا کہ انہوں نے کچھ گولیاں چلنے کی آواز سنی تھی۔ لیویز پہنچنے پر مجھے بتایا گیا کہ گولیوں کی آواز اوستہ محمد ریلوے اسٹیشن کی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

طرف سے آئی۔ اوستہ محمد میں محراب پور کے ریلوے پھاٹک کے قریب میں نے سڑک پر خون سمیت تشدد کے دیگر اثرات دیکھے۔ محراب پور پہنچنے پر پتہ چلا کہ میر گل محمد خان جمالی کو گولی ماری گئی ہے اور وہ شدید زخمی ہو کر گھر میں پڑے ہیں۔ میں ان سے ملا لیکن وہ بیان دینے کے قابل نہیں تھے۔ پتہ چلا کہ وہ سات ساتھیوں کے ہمراہ مسلم لیگ کی جیپ میں جیکب آباد جا رہے تھے۔ جب وہ اوستہ محمد کے ریلوے پھاٹک پہنچے تو پھاٹک بند تھی اسی اثنا میں تیس کے قریب جمالی آئے اور انہوں نے میر گل محمد خان جمالی اور ان کے ساتھیوں سے پہلے اسلحہ چھیننے کی کوشش کی۔ اس ہاتھا پائی میں میر کو گولی لگی اور وہ اور ان کے ساتھی شدید زخمی ہو گئے۔ اور پھر وہ واپس محراب پور آئیں۔ اے۔ پی۔ اے نے سردار اور ان کے بھائی میر حبیب اللہ خان سے ضمانتیں لیں اور انہوں نے "اے" ایریا میں ہونے والے اس حملے میں ملوث کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا"۔

اس واقعے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے اے۔ پی۔ اے نصیر آباد نے اپنے ۱۷ مئی ۱۹۴۷ء کی یادداشت میں لکھا:

"دونوں فریقوں، قاضی محمد عیسیٰ اور میر جعفر خان جمالی، نے ایک دوسرے کے خلاف اخبارات میں شدید پروپیگنڈا کیا۔ وہ اہلکاروں کو اس کا الزام دے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قادر بخش اور ان کے ساتھیوں پر جھٹ پٹ میں نظر رکھی گئی تھی اور انہیں اوستہ جانے کی اجازت نہیں تھی۔ نواب جوگیزئی کے نجی معاون عبدالخالق نے بتایا کہ لیویز کے ایک اہلکار نے میر گل محمد خان پر گولی چلائی۔ دوسری طرف تین ہکوانی جمالیوں نے اعتراف کیا ہے کہ میر گل محمد نے انہیں گالیاں دیتے ہوئے سڑک کھولنے کو کہا اور اس نے علی مراد پر گولی بھی چلائی۔ اس پر ہاتھا پائی شروع ہوئی اور گل محمد کو اپنے بندوق سے گولی لگی"۔

۲ جون ۱۹۴۷ء اور ۸ جون ۱۹۴۷ء کی یادداشتوں میں درج ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"دہلی اور سندھ میں جناح اور دیگر مسلم لیگی قائدین سے ملنے کے بعد میر جعفر خان جمالی یکم جون ۱۹۴۷ء کو جیکب آباد واپس لوٹے۔ ۲ جون ۱۹۴۷ء کو انہوں نے کہا کہ انہوں نے جناح کو تحریری طور پر لکھ کے دیا ہے کہ قاضی محمد عیسٰی نے لیگ کے پلیٹ فارم سے ان کے خلاف گستاخانہ رویہ اپناتے ہوئے مسلم لیگ کی تحریک کو کافی نقصان پہنچایا ہے"۔

مسلم لیگ کے حوالے سے بحث سمیٹتے ہوئے ہم درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

۱۔ جب مسلم لیگ برٹش بلوچستان میں قائم ہوئی تو اس وقت مقامی جماعتیں (جمعیت العلما، انجمن وطن اور لوکل مسلم لیگ ایسوسی ایشن) اس سے کئی سال پہلے یہاں وجود رکھتی تھیں لیکن پھر بھی وہ ان سب کو شکست دیتے ہوئے اپنے مقصد پاکستان کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

۲۔ دوسری طرف صوبے کی سیاست میں ہونے والے پر تشدد واقعات بھی مسلم لیگ سے منسوب رہے۔ گل محمد خان جمالی کا قتل، عبدالغفار خان اور ان کے ساتھیوں پر حملہ اس کی چند مثالیں ہیں۔

۳۔ یہ بھی مسلم لیگ ہی تھی جس نے سب سے پہلے کچھ بدبختانہ مثالیں قائم کیں جیسے (ا) اساتذہ اور طلبا کو غلط ترغیب دینا، (ب) حکومتی ملازمین کے فرائض میں مداخلت کرنا۔ اس موخر الذکر واقعے نے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس سکاٹ کو اے۔جی۔جی کو ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو لکھے گئے خط میں ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو ہونے والی سبی دربار میں قائداعظم سے اس بارے میں بات کرنے کو کہا:

"اس وقت پولیس کے نچلے منصبوں پر فائز لوگ باہر کے لوگوں کو اپنی ترقی اور دیگر امور کے حوالے سے درخواست کرنے لگے ہیں۔ یہ نظم ونسق کے لئے زہر قاتل ہے"۔

ذیل میں صوبے کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے ایک اہم موضوع پیش کیا جارہا ہے۔ میرے علم کے مطابق اب تک کسی بھی لکھاری نے اس موضوع پر تحقیق نہیں کی ہے۔۔ اگرچہ مزید

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تحقیق کی ضرورت ہے لیکن میری تحقیق کے مطابق بلوچستان میں مسلم لیگ کی کامیابی کی مندرجہ ذیل وجوہات تھیں:

ا۔ مسلم لیگ کے راہنما قائداعظم اور قاضی محمد عیسٰی جدید مغربی تعلیم سے آراستہ تھے جبکہ صوبائی قوم پرست محاذ پر ان کے مخالفین روایتی اور قدامت پسند لوگ تھے اور وہ جدید تنظیم سازی کا محدود علم رکھتے تھے۔

۲۔ مسلم لیگ نے سردار خیر محمد خان ترین، ملک محمد اعظم کاسی اور فضل احمد غازی کی قیادت میں لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل طلباء کی بہت موثر تنظیمیں قائم کی تھیں۔ سکولوں اور کالجوں کے ان نوجوانوں نے برٹش بلوچستان، ریاستِ قلات اور پورے ہندوستان میں پروپیگنڈا مہم اور دیگر امور میں مسلم لیگ کی بہت مدد کی۔ دوسری جانب قوم پرست جماعتیں لڑکوں یا لڑکیوں کی کوئی بھی طلبہ تنظیم بنانے میں ناکام تھیں۔

۳۔ ہندو اکثریت والی جماعت آل انڈیا کانگرس سے الحاق نے قوم پرست رہنماؤں کی ساکھ کو نقصان پہنچایا اور اس وجہ سے لوگ انہیں ہندو کے ایجنٹ کہتے تھے۔ انعام الحق کوثر نے اپنی کتاب "تحریک پاکستان بلوچستان میں" کے صفحہ ۱۴۶ پر مولانا شبیر الحسنین کا ایک قول نقل کیا ہے جو انہوں نے ۱۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو کاسی روڈ کی ریلی میں کہا تھا:

"گاندھی کی ٹوپی، نہرو کی واسکٹ اور پٹیل کے جوتوں میں ملبوس یہ قوم پرست نہ اپنے لئے مفید ہیں اور نہ ہی دوسروں کے لئے"۔

۴۔ مسلم لیگ کے مرکزی قائدین نے اس صوبے میں اپنی جماعت کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لی۔ یہ قائداعظم، قائد ملت، چوہدری خلیق الزمان، افتخار حسین ممدوٹ، دولتانہ، محمد ایوب کھوڑو اور عبدالرب نشتر کے کوئٹہ کے دوروں سے واضح تھا۔ اس کے مقابلے میں قوم پرست جماعتیں تنہا رہیں، گاندھی، نہرو اور آزاد میں سے کسی نے بھی ان کا دورہ نہیں کیا۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵۔ قوم پرست جماعتوں کے راہنماؤں کی قدامت پسندی اور کفایت شعاری کے مقابلے میں صوبائی مسلم لیگ کے قائدین فراخدل اور مہمان نواز تھے، وہ اپنے خرچے پر اپنی جماعت کے مفادات آگے بڑھاتے تھے۔ قاضی محمد عیسٰی، میر جعفر خان جمالی، سردار باز محمد خان جوگیزئی اور عبدالغفور خان درانی مرد اور خواتین کی مشترکہ تواضع کے حوالے سے کافی آزاد خیال تھے، کوئٹہ، جھٹ پٹ اور لورالائی میں مشترکہ اجلاس ہوا کرتے تھے۔

۶۔ کوئٹہ اور دیگر قصبوں کے آبادکار، ان کے بیٹے بیٹیاں اور اپنی مال و دولت اور اثر ورسوخ کے ساتھ صوبائی مسلم لیگ کا حصہ تھے اور قوم پرستوں کے خلاف تھے۔

۷۔ قاضی عیسٰی اور ان کے مسلم لیگی ساتھی اپنے مقصد "لے کے رہیں گے پاکستان" کے حوالے سے واضح تھے۔ جبکہ دوسری طرف قوم پرست رہنما مختلف اور بعض اوقات مخصوص مقاصد کے لئے کام کر رہے تھے جیسے (i) برطانوی حکمرانی سے ہندوستان کی آزادی، (ii) بلوچستان میں اصلاحات کا نفاذ، (iii) بلوچستان کی صوبائی خود مختاری، (iv) پشتونستان، (v) آزاد بلوچستان، (vi) بلوچستان میں ستیہ گرہ اور چرخہ کا تعارف۔

۸۔ آخری، بلوچستان کی انتظامیہ مسلم لیگ کی حامی تھی اور کانگرس اور ان کے اتحادیوں جمعیت العلما اور انجمن وطن سے ان کا سلوک سخت تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کے ان دو خفیہ مراسلوں میں بیان کئے گئے اقدامات سے واضح ہو جاتا ہے جو خصوصی فرائض پر مامور افسر روبنسن نے اے۔جی۔جی بلوچستان کو دوسری عالمی جنگ کے پروپیگنڈے کے تدارک کے حوالے سے لکھی تھے۔ ان مراسلوں میں کانگرس اور جمعیت العلماء کو انگریزوں کا دشمن قرار دیا گیا ہے جبکہ مسلم لیگ کی ان سے ملتی جلتی سرگرمیوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ روبنسن پشاور سے ۹ ستمبر ۱۹۴۱ کے اپنے خفیہ خط میں سیکرٹری اے۔جی۔جی بلوچستان ہوپکنسن کو کہتا ہے:

"میں نے اسے چمن اور کوئٹہ آنے والے افغانوں میں پروپیگنڈا کرنے کی ہدایت کی ہے۔ کوئٹہ کے ملاوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں مسلم لیگ کے ترجمان

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"الاسلام" میں اس حوالے سے مضامین شامل کرنا شاید زیادہ فائدہ مند ہو۔ میاں نصیر الدین نے خبر دی ہے کہ وہ اس اخبار کے مدیروں سے رابطے میں ہیں"۔

زیارت سے ۱۳ ستمبر ۱۹۴۱ء کے ایک اور خفیہ مراسلے میں کہا گیا ہے:

"الاسلام نے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۱ء تک اپنے سالنامے کے لئے ہم سے مواد مانگا ہے۔ میں نے یہ گزارش مسٹر وہیلر کو بھجوادی ہے اور ان سے کہا ہے کہ وہ کچھ منفی مواد ان کے سالنامے کے لئے بھیجیں"۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بلوچستان مسلم لیگ کے قاضی عیسٰی کا اخبار "الاسلام" دوسری عالمی جنگ کے دوران افغانستان میں انگریزوں کی حمایت میں پروپیگنڈے کے لئے تیار تھا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی غیر متعلق نہیں ہوگا کہ مسلم لیگ بلوچستان کے حوالے سے اپنے پروگرام میں واضح اور موثر تھی۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے ۱۹۲۹ء میں بلوچستان میں اصلاحات کی بات کی۔ آزادی کے بعد فروری ۱۹۴۸ء کے سبی دربار میں قائداعظم نے بلوچستان کے لئے ایک مشاورتی کونسل کے آئین کا اعلان کیا۔ اس کے بعد وزیراعظم لیاقت علی خان نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۰ء میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں بلوچستان کمیٹی بنانے کے لئے تحریک پیش کی۔ اس کے فوراً بعد ڈاکٹر محمود حسن کی صدارت میں یہ کمیٹی بنی۔ اس کمیٹی نے اپنے ۴۲ صفحات پر مشتمل رپورٹ میں یہ سفارش پیش کی کہ برٹش بلوچستان کو بھی دوسرے صوبوں کے برابر اپنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے ساتھ مکمل صوبہ بنایا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے ان سفارشات کے آنے کے چند دن بعد ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو وزیراعظم لیاقت علی خان قتل ہوگئے۔ مجھے نہیں پتہ کہ ۱۹۵۱ء میں ان سفارشات پر عمل کرانے میں برٹش بلوچستان کے سیاستدان کیوں ناکام ہوئے جبکہ سب نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ نواب محمد خان جوگیزئی، قاضی محمد عیسٰی، میر جعفر خان جمالی اور ہاشم خان غلزئی اور ان کی مخالف جماعتوں کے پاس ان سفارشات کو آگے بڑھانے کی مضبوط وجوہات تھیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳جون ۱۹۴۷ کو تقسیم ہند کے منصوبے کا اعلان ہوا۔ اس حوالے سے ۲۹ جون ۱۹۴۷ کو صبح دس بجے اس وقت کے اے۔جی۔جی بلوچستان سر جیوفری فریئر نے ٹاؤن ہال میں شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپل کمیٹی کے نو منتخب اراکین سے خطاب کرتے ہوئے انہیں وائسرائے کے اعلان سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس جماعت انتخاب کنندگان کو مزید ایک دن سوچنے اور ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہونے سے متعلق فیصلہ کرنے کو کہا لیکن نواب محمد خان جوگیزئی نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ وہ اور ان جماعت میں انتخاب کنندگان میں ان کے ساتھی کو مزید وقت نہیں چاہیے، ہم ن پہلے ہی پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہ اعلان قاضی محمد عیسیٰ، صدر بلوچستان مسلم لیگ اور ان کے ساتھیوں کی بہت بڑی کامیابی اور مخالفین کے لئے مایوس کن تھا۔ اس لئے ایک رسمی طور پر منعقد ہونے والے ۳۰جون ۱۹۴۷ء کے متوقع اجلاس میں ووٹ کے ذریعے ہونے والا فیصلہ ایک دن پہلے ۲۹جون ۱۹۴۷ء نواب جوگیزئی کے زبانی اعلان سے ہو گیا۔ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اے۔جی۔جی بلوچستان اور شاہی جرگے کے صدر جیوفری پریئر نے نواب جوگیزئی کے نام ایک مہر شدہ خط جاری کیا۔ اس خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۶ء کو شاہی جرگے نے انہیں پاکستان کے لئے بننے والے آئین میں بلوچستان کی نمائندگی کے لئے منتخب کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اے۔جی۔جی کو ایک سال پہلے پتہ تھا کہ یہ صوبہ پاکستان میں شامل ہونے جارہا ہے۔ میں نے اس کا جواب ڈھونڈے کے لئے درج ذیل دستاویزات دیکھیں لیکن ان میں کوئی جواب نہیں ملا:

۱۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں بلوچستان پر مضمون

۲۔ تاریخ بلوچستان، از میر گل خان نصیر (۱۹۵۲/۱۹۷۹ء)

۳۔ ہماری جدوجہد، عبدالرحمٰن غور۔ عبدالصمد درانی کا مضمون

۴۔ History of Baloch Race by Sardar Kahn Gishkori (۱۹۵۸)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵۔ A History of Pakistan (۱۹۶۰) by V. Gankorsky

۶۔ Inside Balochistan by Mir Ahmed Khan (۱۹۷۵)

۷۔ تاریخِ بلوچستان اور پاکستان، از سید محمد فاروق احمد (۱۹۷۷ء)

۸۔ بلوچستان، از بریگیڈیئر (ر) عثمان حسن (۱۹۷۸ء)

۹۔ تحریکِ پاکستان بلوچستان میں، از ڈاکٹر انعام الحق کوثر (۱۹۸۶ء)

۱۰۔ Facts are Facts by Wali Khan (۱۹۸۷)

۱۱۔ Problems of Greater Balochistan by Inayatullah Baloch (۱۹۸۷)

۱۲۔ سیاستِ بلوچستان، از طاہر محمد خان (۱۹۸۸ء)

۱۳۔ بابائے بلوچستان، از طاہر بزنجو (۱۹۹۹ء)

البتہ دشتی کی کتاب Baloch National Struggle (۱۹۸۸) کی صفحہ ۱۸۰ اور ۱۸۱، منیر احمد مری کی کتاب "بلوچستان سیاسی کشمکش" کے صفحہ ۸۸ سے ۹۱ پر اور سلیگ ہریسن کی کتاب In The Shadow of Afghanistan – Baloch Nationalism میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ آزادی کے اعلان کے ساتھ کوئٹہ اور پشین میں ہندوؤں کا قتل عام شروع ہوا جبکہ صوبے کے دیگر قصبے پر سکون رہے۔ لورالائی کے پولیٹیکل ایجنٹ کے۔بی شاہ زمان خان نے اپنے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کے خط میں لکھا:

"جب دسمبر ۱۹۴۷ء کے وسط میں بوری تحصیل کے علاقے میختر سے ۱۵۰ افراد پر مشتمل ہندو گھرانے ہجرت کرنے لگے تو حمزہ زئی قبیلے کی ایک شاخ نے ان پر حملہ کرنا چاہا جبکہ اسی قبیلے کی ایک اور شاخ نے ان کا دفاع کیا"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

آزادی کے اعلان کے فوراً بعد عبدالصمد خان اچکزئی دہلی گئے، وہاں سے عبدالغفار خان، جی۔ایم سید۔ شیخ عبدالمجید سندھی اور منشی احمد دین سے ملنے کراچی گئے۔ سب نے مل بیٹھ کر "پاکستان پیپلز ارگنائزیشن" کے نام سے ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی۔ جنوری ۱۹۴۸ میں انہوں نے واپس گھر آکر چمن کا دورہ کیا۔ انہوں نے ایک دوستانہ گفتگو کے دوران یہ اعتراف کیا تھا کہ وہ "پشتونستان تحریک" کے لئے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ انہوں نے کہا کہ لوگ مقامی غیر مقامی احتجاج میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں "استقلال" پر لگائی گئی پابندی کے سلسلے میں اے۔جی۔جی بلوچستان سر امبروز ڈنڈاس سے ملنے ۱۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو سبی آئے۔ انہوں نے اس اخبار کے ایڈیٹر انچیف کے طور پر اے۔جی۔جی سے پابندی اٹھانے کی بات کی اور ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مدیر ان کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اے۔جی۔جی پابندی اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ریگولیشن کی دفعہ ۱۹ کے تحت ہفتہ وار "استقلال" کوئٹہ کے مدیر عبدالصمد درانی پر مقامی اور غیر مقامی ہونے کے حوالے سے نفرت انگیز مضمون چھاپنے پر مقدمہ درج کیا گیا تھا۔

ٹنڈولکر کی لکھی ہوئی کتاب "عبدالغفار خان" کے صفحہ ۴۲۴ پر اس حقیقت کو ریکارڈ کیا گیا ہے کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی کا تقسیم کے منصوبہ اور ریفرنڈم کو قبول کرنے کی وجہ سے عبدالغفار خان دنگ رہ گئے اور کئی منٹ تک وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے۔ عبدالغفار خان نے گاندھی اور کانگرس ورکنگ کمیٹی سے کہا:

"ہم پشتون آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ہم نے آزادی کے لئے عظیم قربانیاں دیں لیکن آپ نے ہمیں خوار کر دیا اور ہمیں بھیڑیوں کے سامنے پھینک دیا۔ اب چونکہ ہندوستان نے ہمیں اپنا ماننے سے انکار کر دیا ہے تو اب پشتونستان یا پاکستان پر ریفرنڈم ہو جائے"۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جنوری ۱۹۴۸ء میں عبدالصمد خان کوئٹہ اور نوشکی میں رضاکار بھرتی کرتے ہوئے بتائے گئے ہیں۔ وہ ہفتہ سبی میں انجمن وطن اور لوکل مسلم ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے جلسے کے لئے سرگرم تھے۔

"انہوں نے پورے بلوچستان سے کارکنوں کو بلایا تاکہ فنڈ جمع کرنے کے ذریعوں اور طریقوں کا پروگرام ترتیب دیا جاسکے"۔

اے۔جی۔جی کا بیرونی امور کے وزیر کو بھیجے گئے سیکرٹری مرفی کی ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء کی پندرہ روزی ڈائری میں لکھا ہے:

"بلوچستان پبلک سیفٹی ریگولیشن کی دفعہ ۳ کے تحت عبدالصمد خان کو ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو گرفتار کرکے کوئٹہ جیل بھیج دیا گیا۔ ان کے گرفتاری کی خبر 'استقلال' کے ضمیمے میں ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ کو چھپی۔ عبدالصمد خان کے بلوچستان میں بہت کم حامی ہیں اس لئے ان کی گرفتاری کسی کی بھی دلچسپی کا مرکز نہیں بنی"۔

عبدالصمد درانی نے کتابچے "ہماری جدوجہد" (۱۹۵۴ء) کے صفحہ ۱۳۲ پر اس واقعے کا کچھ یوں ذکر کیا ہے:

"رہائی (کوئٹہ جیل سے) کے بعد خان کو ان کے گھر عنایت اللہ کاریز میں تین ماہ کے لئے نظر بند کیا گیا۔ جون ۱۹۴۸ء میں انہوں نے گلستان میں انجمن وطن کی ایگزیکٹیو کمیٹی کا اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں۔ ان میں ایک پاکستان سے وفاداری اور عوام کی فلاح کے لئے مسلم لیگ سمیت تمام جماعتوں سے تعاون کرنے کی قرارداد بھی شامل تھی"۔

خان صاحب نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ڈسٹرکٹ جیل لاہور سے مغربی پاکستان ہائی کورٹ کو جمع کئے گئے اپنے رسمی بیان میں اس حقیقت کی تصدیق کی تھی۔ گینگ کوسکی A History of

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

Pakistan کے صفحہ ۹۵ پر کہتے ہیں کہ ریفرنڈم کے نتیجے کے بعد عبدالغفار خان نے جناح کے ساتھ اپنے مذاکرات بحال کئے اور انہوں نے سرخپوشوں کو 'پشتونستان' کو مکمل صوبائی خودمختاری دینے کی شرط پر پاکستان کا حصہ بنانے اعلان کیا۔ لیکن مسلم لیگ نے یہ بات نہیں مانی۔ خان صاحب کو چھ سال بعد ۱۹۵۴ میں رہا کیا گیا اور اس وقت انہوں نے "ورور پشتون" کے نام سے ایک الگ سیاسی جماعت بنائی جو مغربی پاستان کی لسانی بنیادوں پر تقسیم کرنے کا عزم رکھتی تھی۔ ۱۹۵۷ء میں یہ جماعت نیشنل عوامی پارٹی میں ضم ہوئی۔

۱۶ اگست ۲۰۰۰ء کو کوئٹہ میں کمال خان شیرانی نے مجھے بتایا کہ 'ورور پشتون' قائم کرنے سے پہلے عبدالصمد خان نے انہیں قوم پرستانہ ذہن رکھنے والے سیاسی افراد کو محمد ہاشم غلزئی کے گھر کوئٹہ میں ہونے والے اجلاس میں مدعو کرنے کے لئے لورالائی اور ژوب بھیجا۔ جس ایک شخص کو کمال خان شیرانی اپنے ساتھ لا پائے تھے وہ پشتون تاریخ پر گرفت رکھنے والے مولوی رحمت اللہ مندوخیل تھے جن کا کافی کام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ مولوی صاحب مسلم لیگ کے ساتھ رہے تھے پھر وہ پشتون قوم پرست سیاست کا حصہ بنیں اور اپنی آخری عمر میں وہ جماعت اسلامی کے ساتھ تھے۔

۱۲ جنوری ۲۰۰۳ء کو میرے بیٹے اسداللہ خان لونی کی ڈاکٹر مہوش منصور سے منگنی کے موقع پر جعفر خان اچکزئی نے مجھ سے کہا کہ میں نے اپنی تحقیق کی تفصیلات میں ان کے والد محمد ایوب اچکزئی کی ۱۹۳۰ء سے پھر جون ۱۹۵۰ء میں افغانستان ہجرت کرنے کے دوران ان کی سیاسی جدوجہد کو یکسر فراموش کیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ الزام سچ ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کے حوالے سے اپنی آپ بیتی میں اس پر بات کروں جس پر میں نے پہلے سے ہی کام شروع کر دیا ہے۔

۲۹ جون ۱۹۴۷ء کے فیصلے پر ایک اور شخص کو بھی مایوسی ہوئی اور وہ تھے خان قلات احمد یار خان۔ اس حوالے سے اپنی آپ بیتی (Inside Balochistan ۱۹۷۵) میں انہوں نے ریاست قلات کی حیثیت کے بارے میں ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو ہونے والی ایک گفتگو کا ذکر کیا ہے:

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

"اگر ایسا کیا گیا تو وہ کسی بھی طرح تاج برطانیہ سے جڑنے کے لئے راضی نہیں ہوں گے بلکہ وہ وفاق ہندوستان یا نئی قائم ہونے والی ریاست پاکستان کے رکن بنیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بدقسمتی ہو گی اگر انہوں نے ریاست قلات کو ہندوستان کا حصہ تسلیم کیا"۔ (اے۔جی۔جی سر اوبری میکفے)

اس بدقسمتی کو ٹالنے میں ناکامی کے بعد خان قلات ۲۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو لارڈ ماونٹ بیٹن سے ملے۔ Transfer of Power کے صفحہ ۳۷۸ پر وائسرائے نے لکھا:

"انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے جناح سے طویل ملاقات کی اور دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ اس سے لگتا ہے کہ وہ ایک موزوں معاہدہ ترتیب دیں گے لیکن اس میں اصل تنازعہ اجارے پر لئے گئے خطوں سے متعلق ہے۔

میں نے انہیں وضاحت کی کہ یہ ایک قانونی معاملہ ہے اور اس پر قانونی مشاورت لی جائے گی۔ لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ حکومت پاکستان کو یہ اجارے اسی طرح وراثت میں ملیں گے جیسے ان کو ۱۹۲۱ء کا اینگلو۔افغان معاہدہ ملے گا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ برطانوی اور ہند حکومت نے کوئٹہ اور وزیر آباد (نصیر آباد) پر کافی پیسہ خرچ کیا ہے اور اگر ان علاقوں کو قلات کو واپس کرنے کی قانونی رائے بھی آئی تو پھر بھی یہ مسئلہ ہو گا کہ ان بھاری اخراجات کی ادائیگی کیسے ہو گی۔ آخر میں انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے شدید اندیشہ ہے کہ جناح کسی پٹھان اے۔جی۔جی کو بلوچستان نہ بھیج دیں۔ انہوں نے کہا کہ سب سر جیوفری فریئر کو پسند کرتے ہیں اور سب چاہتے ہیں کہ وہ رہیں۔ اور اگر پھر بھی ان کو جانا پڑا تو جناح اگر امن چاہتے ہیں تو ان کی جگہ کسی برطانوی کو ہی تعینات کیا جائے۔ انہوں نے بتایا کہ تمام بلوچوں نے انگریزوں پر جتنا اعتماد کیا ہے اتنا کبھی کسی اور پر نہیں کیا۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ جناح کو بھی یہی مشورہ دیں"۔

میر گل خان نصیر اور حکومت پاکستان کے سینئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر انٹیلجنس میجر مظفر خان نے (الگ الگ) یہ الزام لگایا کہ ۱۹۳۳ء سے اپنے پورے دور میں خان قلات احمد یار خان قلات سٹیٹ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

نیشنل پارٹی کے ارکان سے رابطے میں رہے، بیک وقت وہ جناح کو خوش کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے اور انگریزوں کو بھی بتاتے رہے کہ بلوچ عوام کو انگریزوں سے بہت محبت ہے۔ وہ اپنے بھائی پرنس عبدالکریم کا ۱۷ مئی ۱۹۴۸ء کو افغانستان فرار ہونے اور ۱۵ جولائی ۱۹۴۸ء کو واپس آنے سے چشم پوشی بھی کر رہے تھے۔

اس موقع پر ایک اور تاریخی حقیقت کا ذکر کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اپنی تحقیق کے دوران مجھے پتہ چلا کہ برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کا سہرا برٹش بلوچستان کے ملاوں نے صرف اپنے سر پر سجانے کی کوشش کی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کسی بھی سرکاری دستاویز میں اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ خصوصاً ۱۹۳۰ء کے بعد جب بلوچستان میں انگریز مخالف سیاسی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو اس میں عطا محمد خان مرغزانی، عبدالصمد خان اچکزئی، یوسف علی عزیز مگسی اور دیگر افراد کا ہی ذکر موجود ہے۔ البتہ کچھ ملاؤں (جیسے مولوی غلام حیدر، اخوندزادہ عبدالعلی، مولوی عبدالخالق تارن، اور مولوی رحمت اللہ مندوخیل) نے انگریزوں کے خلاف اپنی اسلامی تحریک شروع کرنے کی بجائے قوم پرست جماعتوں یا مسلم لیگ کے تحت جدوجہد کرنے کو ترجیح دی۔ صرف ایک گروہ ایسا تھا جو مولوی عبدالکریم کی قیادت میں ان لوگوں کو کافر قرار دینے میں مصروف تھا جو مسلم لیگ میں شامل ہو رہے تھے جبکہ ان کا مخالف گروہ اخوندزادہ عبدالعلی کی زیر قیادت یہ فتوے دے رہا تھا کہ جو لوگ مسلم لیگ میں شامل نہیں ہو رہے وہ کافر ہیں۔

برٹش بلوچستان سے باہر ۵ فروری ۱۹۳۷ء کو سبی دربار کے موقع پر ایک اور سیاسی پارٹی قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی وجود میں آئی اور میر عبدالعزیز کرد اس کے پہلے صدر، گل خان نصیر نائب صدر اور ملک فیض محمد یوسفزئی اس کے جنرل سیکرٹری بنے۔ اپنے مقاصد کے لئے کے۔ایس۔این۔پی کے درج ذیل اہداف تھے:

ا۔ ریاست قلات میں ایک ذمہ دار حکومت کا قیام

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۲۔ جرگہ سسٹم کی بہتری

۳۔ اجارے اور غیر اجارے کے بلوچ علاقوں کی ریاست قلات میں شمولیت (اپنے منشور میں اس جماعت نے پورے برٹش بلوچستان کی بات کی ہے)۔

۴۔ ملک کی معاشی، سماجی اور تعلیمی حالت میں بہتری

بعد میں جب خان قلات نے میر عبدالعزیز کرد کو نائب وزیر جھالاوان تعینات کیا تو خاران سے میر شہباز خان نوشیر وانی مستونگ آئے اور انہوں نے اس جماعت کی صدارت پر قبضہ جما لیا۔ لیکن ان سے یہ منصب جلد ہی ملک عبدالرحیم خواجہ خیل نے لے لیا۔ قلات کے سرداروں کو شک تھا کہ اس جماعت کے بننے کے پیچھے خان قلات احمد یار خان کا ہاتھ ہے تاکہ قبائل پر ان کی گرفت کو کمزور کر سکے اس لئے انہوں نے ۵ اور ۶ جون ۱۹۳۹ء کو مستونگ میں ہونے والے کے۔ایس۔این۔پی کے پہلے سالانہ اجلاس پر دھاوا بول دیا۔ نواب محمد خان شاہوانی، وڈیرہ نور محمد خان بنگلزئی اور سردار سمندر خان محمد شہی نے اس حملے میں اپنے اپنے قبیلے کی قیادت کی۔ ان سرداروں نے اس جماعت اور دارالعلوم مستونگ پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا۔ جس کے نتیجے میں وزیراعظم قلات نے ۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء سے اس جماعت کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ کے۔ایس۔این۔پی ان چار جماعتوں میں شامل تھی جنہوں نے فروری ۱۹۴۱ء میں سبی مسلم لیگ کے خلاف متحدہ محاذ تشکیل دینے کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔

جون ۱۹۴۱ء میں ریاست قلات کی حکومت نے قلات میں تین اخباروں پر پابندی لگائی (۱) سبی سے شائع ہونے والا کلمات الحق، (۲) کراچی کا نجات، اور (۳) کراچی کا صداقت۔ اس مہینے میں میر گل خان نصیر اور میر حمل خان جو بلتر تیب پسنی اور جیوانی میں کسٹم افسر تھے، انہوں نے کچھی تبادلہ ہونے پر اپنے عہدوں سے استعفٰی دے دیا اور کوئٹہ پہنچنے پر انہوں نے غیر قانونی کے۔ایس۔این۔پی میں شمولیت اختیار کی۔ لیکن خان قلات نے موخر الذکر کو ۲۵۰ روپیہ ماہوار

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

تنخواہ پر ایوان قلات کا انچارج تعینات کیا۔ اس سے قلات دربار میں میر زاشیر محمد بہت خفا ہوئے۔ فروری ۱۹۴۲ء تک کے۔ایس۔این۔پی کے اکثر کارکنوں کو ریاست میں اپنے گھر واپس آنے کی اجازت دی گئی۔ فروری ۱۹۴۲ء کے وسط میں خان قلات کی طرف سے قلات نیابت کے ناظم مقرر ہونے والے میر عبدالعزیز کرد کو جون ۱۹۴۲ء کے وسط میں گرفتار کرکے قلات کی جیل میں ڈالا گیا کیونکہ انہوں نے قلات ریاست کی کچھ رقم واپس نہیں کی تھی۔ انہیں ۱۹۴۲ء کے دوسرے نصف میں اس ہدایت کے ساتھ رہا کیا گیا کہ وہ دو مہینے کے اندر مقررہ رقم جمع کرائیں گے۔ قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ نے مستونگ سے اپنے ۴ جولائی ۱۹۴۱ء کے مراسلے میں کے۔ایس۔این۔پک کے بارے میں لکھا:

"قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کی اصلیت کے بارے میں شکوک پیدا ہوئے۔ مختلف ذرائع سے خبر ملی ہے کہ خان قلات نے سرداروں کی طاقت جانچنے کے لئے خود اس جماعت کو اکھٹا رکھا ہوا ہے"۔

وزیر اعظم قلات اپنے انتظامی رپورٹ برائے سال ۴۰-۱۹۴۱ء میں لکھتے ہیں:

" پچھلے سال جماعت کے اندرونی انتشار کی وجہ سے قلات سٹیٹ نیشنل پارٹی کی سرگرمیاں بہت کم رہیں۔ لیکن سال کے آخر میں ان کی سرگرمیاں پھر سے تیز ہوئیں۔ لیکن ریاست میں اس کا اثر بہت معمولی رہا۔ سبی، جیکب آباد اور کوئٹہ میں اس کے ارکان کی اجلاسوں میں ریاست کے خلاف غلط پروپیگنڈا کیا گیا۔ انہیں ریاست سے باہر کرنے کے احکامات دیئے گئے اور اس کے حوصلہ افزا اثرات تھے"۔

۲۰ جولائی ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک کے۔ایس۔این۔پی انجمن وطن کے پلیٹ فارم سے کام کرتی رہی جبکہ میر گل خان نصیر کے مطابق کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ۱۹۴۵ء میں کے۔ایس۔این۔پی نے آل انڈیا نیشنل کانگرس سے الحاق کر لیا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ۲۰ جولائی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۳۹ء سے اس پر پابندی لگنے کے بعد ہمارے پاس اس کی سرگرمیوں کی کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے یوسف علی عزیز مگسی کی طرح اس جماعت کی عمر بھی بہت کم تھی۔ کے۔ایس۔این۔پی ہو، انجمن وطن ہو، لوکل مسلم ایسوسی ایشن ہو یا جمعیت العلما، ان تمام جماعتوں کو آل انڈیا مسلم لیگ کی طوفانی کاروائیوں نے کچل دیا اور اس کے نتیجے میں ۱۹۴۷ء میں یہ سب بہہ گئے۔ آزادی کے بعد یہ جماعتیں نئے ناموں ورور پشتون اور استمان گل کے نام سے دوبارہ نمودار ہوئیں اور آخر ۱۹۵۷ء میں نیشنل عوامی پارٹی میں ضم ہو گئیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اختتامیہ

۲۶ مارچ ۱۸۷۹ء کے معاہدہ گندمک دستخط ہونے سے پہلے ۷۰ سال تک محمدزیوں (کندھاری سرداروں)، امیر دوست محمد خان اور امیر شیر علی نے سبی۔ ہرنائی۔ تھل چٹیالی اور پشین کے علاقوں پر حکمرانی کی۔ ان سالوں کو انیسویں صدی کے افغانستان کی تاریخ اس لئے یاد رکھاجائے گا کہ:

(۱)۔ قانون کی بالادستی کے فقدان کی وجہ سے سیوی کے ۴۰ میں سے ۳۶ دیہاتوں کے باشندوں کو اپنے گاؤں زبردستی چھوڑنے پڑیں (سیوی پر مارچ ۱۸۷۹ء کی ڈیمیس کی رپورٹ)۔

(۲)۔ اپنے سرحدی افغان علاقوں پر مریوں کے قبضوں کو روکنے میں افغان حکمرانوں کی ناکامی۔ جس کی وجہ سے باروزیوں کے کواٹ منڈائی اور بدراہ، لونیوں کے چمالنگ کے کچھ حصے، زرکونوں کا کوہلو، اور ترینوں کے پور اور چھلگری کے علاقے شامل تھے۔ اور

(۳) اپنے باشندوں کی سماجی اور معاشی حالت میں بہتری لانے کے لئے کوئی اقدامات نہ کرنا۔

اس کے مقابلے میں جب انگریزوں نے ان علاقوں کو اپنے تصرف میں لیا تو انہوں نے قانون کی عملداری پھر سے قائم کی، مریوں کو مزید افغان علاقوں میں تجاوز کرنے سے روکا، انہوں نے سکول، ہسپتال، سڑکیں، ریلوے، آبپاشی کے ذرائع تعمیر کیں اور ایک بڑے علاقے کو ریاستی

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

جنگلات قرار دیا۔ اپنے ۶۸ سالہ دور (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۷ء) میں غیر ملکی حکمرانوں نے ہمیں تاریک دور سے نکال کر جدید دور سے متعارف کرایا۔

انگریزوں نے وفادار اور قابل اعتماد سرداروں اور سرکاری ملازموں کے توسط سے کامیابی سے جرگہ سسٹم، لیویز نظام اور قبائلی ذمہ داریاں دینے کے ذریعے اپنے انتظام کو آگے بڑھایا۔ ان دونوں طبقوں نے مری۔ کھیتران کی ۱۹۱۸ء کی بغاوت، اموات کے سال ۱۹۱۸ء اور ۱۹۱۹ء کی افغان بغاوت اور پہلی اور دوسری عالمی جنگ کے دوران بھی انگریزوں کی کافی مدد کی۔

تاہم سیاسی سطح پر برٹش بلوچستان پر برطانوی حکمرانی کے افغان باشندوں پر برے اثرات مرتب ہوئے۔ افغان حکومتوں نے، شعوری اور غیر شعوری طور پر، انہیں بلوچ اور براہوی مفادات کی بھینٹ چڑھادیا۔ اس پالیسی کی وجہ سے افغانوں کے اندر ایک مستقل احساس کمتری اور غیر ملکیوں سے خوف پیدا ہوا۔ اس غیر مساوی سلوک پر مبنی انگریزوں کی پالیسی پاکستان بننے کے ساتھ ختم ہوئی۔ اور شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ برٹش بلوچستان کے افغان پاکستان کے لئے کام کرنے والی جماعتوں میں پیش پیش تھے جبکہ خان قلات میر احمد یار خان اور ان کے بھائی آخر تک پاکستان مخالف سرگرمیوں میں ملوث تھے۔

برطانوی پالیسی کا ایک اور مستقل نقصان افغانوں کو یہ ہوا کہ انہوں نے افغانوں کو تین مختلف خطوں، افغانستان، این۔ڈبلیو۔ایف۔پی اور بلوچستان میں تقسیم کئے رکھا۔ اور پھر بلوچستان اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے اندر بھی قبائلی علاقوں اور آباد علاقوں میں تقسیم کرنے کی پالیسی جاری رکھی۔ ان کے ۶۸ سالہ دور میں ان تینوں علاقوں کے افغان مختلف قومیتوں کے طور پر ارتقائی عمل سے گزریں اور ایک قوم ہونے کے باوجود ان کے ثقافتی نقوش ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ محمد زیوں کے ۷۰ سالہ اور انگریزوں کے ۶۸ سالہ

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

دور میں افغانوں نے مختلف نشیب و فراز کا سامنا کیا اور اب اس کے ان پر اثرات کافی گہرے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک متحد ثقافتی اور سیاسی اکائی کے طور پر ابھرنے سے محروم رہے ہیں۔

برٹش بلوچستان کی بیس سالہ سیاسی تاریخ (۱۹۲۵ء۔۱۹۴۷ء) کی ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ یہاں کے ملاؤں کی انگریزوں کو برصغیر سے نکالنے کے لئے عمومی سیاسی تحریک میں آزاد اور موثر کردار ادا کرنے کی نااہلی تھی۔ وہ اس دوران دو گروہوں میں تقسیم تھے، ایک کی سربراہی مسلم لیگ کی حمایت میں پشین کے اخوانذادہ عبدالعلی کر رہے تھے جبکہ دوسرے گروہ کے سربراہ لورالائی کے مولوی عبدالکریم کدیزئی تھے جو کانگرس کی حامی جماعت انجمن وطن کو سپورٹ کر رہے تھے۔ ان دونوں جماعتوں میں انہیں کوئی نمایاں منصب نہیں ملا۔ اس لئے یہ مناسب نہیں کہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے صوبے سے برطانوی حکمرانی ختم کرنے میں کردار ادا کیا۔ قوم پرستوں کے حوالے سے بھی یہی سچ ہے۔ اس کے لئے حوالے کے طور پر میں پروفیسر ڈاکٹر ٹائٹس اور پروفیسر نینا سویڈلر کی حالیہ کتاب Knights not Pawns سے اقتباس یہاں نقل کرنا چاہوں گا:

"پاکستان کی تخلیق ان لوگوں کے لئے بلبلہ ثابت ہوا جو ہندوستان کی مغربی سرحدوں پر خود مختار، اور نسلی بنیادوں پر تقسیم ریاستوں کے قیام کی امید کر رہے تھے۔ ان میں سے معروف سرخپوش تحریک ۱۹۲۰ء سے این۔ڈبلیو۔ایف پی میں سرگرم تھی اور وہ انڈین نیشنل کانگرس سے الگ ہو کر ایک خود مختار اور آزاد پشتون ریاست کے لئے جدوجہد کرنے لگی جسے پاکستان کی ناگزیریت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح کی پشتون بلوچ تحریکیں، راج کے آخری دہائی میں اب پاکستان کے صوبہ بلوچستان کہلانے والے صوبے میں پیدا ہوئیں"۔

ان ۱۲۸ سالوں بلکہ اس سے بھی شاید زیادہ سالوں سے اس ریجن کے افغانوں میں سیاسی اور دانش کی سطح پر قیادت کا فقدان رہا ہے۔ پہلے ۷۰ سالوں میں افغانوں کے قائدین اچھے

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

لباس میں ملبوس ٹھگوں سے کم نہیں تھے۔ ان کا احوال کابل کے حاجی عبدالنبی کے سفروں (۱۸۲۶ء)، لمسڈن کے دورہ کندھار (۱۸۵۷ء) اور نور محمد نوری کندھاری کی کتاب "گلشن امارات" (۱۸۷۰ء) میں موجود ہیں۔

انگریزوں کے قبضے کی پہلی تین دہائیوں (۱۸۷۹ء – ۱۹۱۰ء) میں اس وقت کے قبائلی سردار جو افغانوں کے واحد قائدین تھے، انہوں نے ابتدا میں غیر ملکی حکمرانوں کو خوش آمدید کہا۔ لیکن دوسرے مرحلے میں وہ ان سے ناراض ہو کر "سرزمین اسلام" افغانستان ہجرت کرنے لگے لیکن وہاں بھی انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ٹوٹے دلوں کے ساتھ اپنے آبائی گھروں کو لوٹ آئے۔

۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۵ء کے دوران برٹش بلوچستان کے افغان قائدین دیوبندی علما کے زیر اثر خلافت اور ہجرت تحریکوں میں شامل رہے۔ لوگوں نے ان تحریکوں کی کامیابی کے لئے کئی قربانیاں دیں۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء کے دوران مقامی سیاسی قیادت ابھری لیکن وہ بھی اپنے مسائل کی بجائے پہلے آل انڈیا بلوچ کانفرنس، اس کے کے بعد انڈین نیشنل کانگرس اور پھر بائیں بازو کی انقلابیوں کی نذر ہوگئے۔ اس تمام عمل میں افغان عوام کے ہاتھ مایوسی کے سوا کچھ بھی نہیں آیا۔ ان مشکل وقتوں میں نہ ہی ملا اور نہ ہی سردار ان کے کام آئے اور نہ ہی قبائلی ذہنیت رکھنے والے سیاسی قائدین نے ان کو کوئی راستہ دکھایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے بہت کم لوگ افغانوں کی ثقافتی اور سیاسی تاریخ کی گہرائی سے واقف تھے۔ اور نہ ہی ان کے پاس حالات کا مقابلہ کرنے کی جدید حکمت عملیوں اور سائنسی علم سے آشنا تھے۔ مثال کے طور پر برٹش بلوچستان کے افغانوں کی سیاسی اور دانشور قیادت نے کبھی ان کو موجودہ قبائلی نظام کی خرابیوں سے آگاہ نہیں کیا جس کے بارے میں فریڈرک بارتھ نے لکھا تھا۔ خرابی یہ تھی کہ (بلوچ کے خلاف) افغان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم تھے جس نے انہیں متحد ہونے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اس صورتحال

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

اور قائدین کی کنفیوژن کی وجہ سے پشتون بلوچ سرحدی علاقوں میں رہنے والے افغان اہستہ آہستہ بلوچوں میں مدغم ہوگئے۔ سبی، بارکھان، کوہلو، ہرنائی، دکی، کوئٹہ اور پنجپائی میں ایسا ہوا۔

یہاں کے عوام کے لئے کچھ کرنے میں قائدین آزادی کے بعد بھی کچھ نہ کر سکیں اور نہ اس وقت کچھ کر پائیں جب انہوں نے انتخابات جیت کر حکومت بنائی۔ حال ہی میں تیس سال قبل ظاہر شاہ کے بعد کے افغانستان پر پہلے اشتراکیوں اور قوم پرستوں نے حکمرانی کی، پھر مجاہدین آئے، ان کے بعد طالبان کی حکومت نے انہیں تباہی کے دھانے پر پہنچادیا۔ ان سب میں بصیرت اور دوراندیشی کی کمی نے اس خوبصورت ملک کو پہلے روسیوں، پھر مغربی اتحادیوں کے درمیان کھلونا بنادیا۔ ۲۹ نومبر ۲۰۰۱ء کو بون (جرمنی) میں پریس کانفرنس کے دوران ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اقوام متحدہ کے ترجمان احمد فوزی نے افغان قائدین کو اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "اگر ہم افغانستان میں امن لانے میں ناکام ہوئے تو پھر اس کی ذمہ داری یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں پر عائد ہوگی"۔

یہ افغان تاریخ کا ایک اور افسوس ناک واقعہ ہے کہ حال ہی میں سابق بادشاہ ظاہر شاہ کی صدارت میں ہونے والے لویہ جرگہ میں این۔ڈبلیو۔ایف۔پی اور برٹش بلوچستان کے قوم پرست رہنما کوئی بھی کردار ادا کرنے میں ناکام ہوئے۔

مسلسل ناکامیوں کے نتیجے میں بددل ہو کر اب عوام اپنے سیاسی قائدین کو چھوڑ کر ایک تنگ اور اندھی گلی میں بھاگ رہے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے "عظیم روحوں" نے اپنے آپ کو ان سے الگ کرکے دیگر عظیم ارواح کے سپرد کر دیا ہے تاکہ وہ سابق برٹش بلوچستان اور این۔ڈبلیو۔ایف۔پی کے افغانوں میں "تازہ روحانی ترقی" کے بیج بو کر ان میں اپنے آپ کو پھر سے زندہ کرنے کا اعتماد دلا کر انہیں خوشحالی اور باوقار زندگی کے راستے پر روانہ کر سکیں۔

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

کتابیات و ماخذات

۱. سیاسیاتِ بلوچستان۔ طاہر محمد خان (۱۹۸۸ء)

۲. بابائے بلوچستان۔ طاہر بزنجو (۱۹۹۹ء)

۳. تحریکِ پاکستان، بلوچستان میں۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر (۱۹۸۶ء)

۴. تحریکِ پاکستان اور بلوچستان۔ سید محمد فاروق (۱۹۷۷ء)

۵. بلوچستان۔ سیاسی کشمکش۔ منیر احمد مری (۱۹۸۹ء)

۶. افغانستان در پنج قرن آخر۔ میر ایم۔ ایس فرہنگ پشاور (۱۹۸۹ء)

۷. تاریخ بلوچستان (۱۹۰۷ء)۔ آر۔ بی ہیتورام، پنشنر ڈیرہ غازی خان

۸. افغانستان در معاصری تاریخ غلام محمد غبار (کابل ۱۹۶۸ء)

۹. افغانستان در قرن نزدہ۔ سید قاسم رشتیا (کابل ۱۹۵۸ء)

۱۰. اخبارالابرار (۱۸۵۹ء)۔ اخوند محمد صدیق، (انگریزی ترجمہ جی۔ پی۔ ٹیٹ، اردو ترجمہ گل خان نصیر

۱۱. . آئینِ اکبری۔ ابوالفضل

۱۲. تاریخ معصومی۔ میر محمد معصوم بھکری (۱۶۰۰ء) (۱۶۰۰ A.D.).

۱۳. تاریخ مظہری شاہجہانی۔ یوسف میرک شاہ (۱۶۳۴ء)

۱۴. ترکھان نامہ۔ سید میر محمد بن سید جلال تھاٹوی (۱۶۵۴ء)

۱۵. گلدستہ نورس بہار (۱۷۲۷ء۔ غیر مطبوعہ) منشی عبدالروف شکارپوری، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھ یونیورسٹی حیدرآباد

۱۶. تاریخ سندھ۔ غلام رسول مہر، سندھی ادبی بورڈ (۱۹۵۸ء)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۷. لنگ نامہ۔ قاضی نور محمد گنجابوی (۱۷۶۴ء)

۱۸. نسب نامہ بارِوزئی (غیر مطبوعہ)۔ملا محمد شاہوزئی (۱۷۶۶ء)

۱۹. تذکرۃ البار (غیر مطبوعہ)۔ملا محمد جسکانی

۲۰. مشاہیر کندھار۔ محمد ولی زملے

۲۱. طلبِ مذہب۔ملا عبدالسلام عشیزئی

۲۲. تاریخ فرشتہ۔ محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ

۲۳. تاریخ نامہ ہرات۔ سیفی ہروی (۱۳۲۲ء)

۲۴. مناقبِ سلطانی۔حمید شیخ غلام ولد حضرت باہو

۲۵. کابل میں سات سال۔مولانا عبیداللہ سندھی کی ذاتی ڈائری مرتب: محمد سرور (ستمبر ۱۹۹۳ء)

۲۶. بابائے پشتون۔پروفیسر غنو ، عبدالغفوراسٹیشنری مارٹ، آرچر روڈ کوئٹہ (۱۹۹۰ء)

۲۷. تاریخ بلوچستان۔ایم عزیز بگٹی (۱۹۸۴ء)

۲۸. تاریخ بلوچستان جلد اور و دوم۔گل خان نصیر (۱۹۷۹ء)

۲۹. ہماری جدوجہد۔عبدالرحمٰن غور (۱۹۵۴ء)

۳۰. روزنامہ 'کوہستان' کوئٹہ ۲۷ ستمبر ۱۹۹۷ء

۳۱. روزنامہ "باخبر" کوئٹہ ۳۰ ستمبر ۱۹۹۸ میں مسلم باغ کے ملک خدائیداد خان سلطان زئی کا بیان

۳۲. ضربِ مومن کراچی جون ۱۹۹۹ء

۳۳. Baloch National Struggle by Jan Mohd Dashti (۱۹۸۸)

۳۴. In Afghanistan's Shadow by Selig Harrison (۱۹۸۱)

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۳۵. Paxtun Women by Benedict Grima Ph.D Pennsylvania University (۱۹۹۳)

۳۶. History of Baloch Race by Sardar Khan Gishkori (۱۹۵۸)

۳۷. Inside Balochistan by Mir Ahmed Yar Khan (۱۹۷۵)

۳۸. Facts are Facts by Khan Abdul Wali Khan (۱۹۸۷)

۳۹. Life of Sir Robert Sandeman by T.H. Thornton (۱۸۹۵)

۴۰. Treaties, Engagements and Sanads (Volume XI) by Aitchison

۴۱. Afghans of the Passes Volume II by A. Aziz Luni (۱۹۹۳)

۴۲. The Forward Policy by Mr. Bruce / London (۱۹۰۰)

۴۳. Notes on Afghanistan and Balochistan by Major H.G. Raverty (۱۸۷۸)

۴۴. Pathan Identity and Its Maintenance by Fredrick Barth (۱۹۶۰)

۴۵. Kalat – A Memoire on the Country and Family of the Ahmedzai Khans of Kalat by G.P. Tate (۱۸۹۶)

۴۶. The Pashtoon and Baloch Chronology by Ibrahim Atai (Kabul ۱۹۹۰)

۴۷. A Chronology of Afghanistan by Abdul Hai Habibi (Kabul ۱۹۷۶)

۴۸. Sandeman in Balochistan by Late R.B. Hittu Ram with a preface by C. Archer CSI (۱۹۱۶)

۴۹. The Pathans By Sir Olaf Cairo (۱۹۷۳).

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۵۰. Way of the Pathans By James W. Spain/London (۱۹۶۲).

۵۱. Roads and Rivals (Carnul University Press London) By Mahnaz Isphahani).

۵۲. The Problem of Greater Balochistan By Inayatullah Baloch Stuttgart, Germany (۱۹۸۷).

۵۳. . Lumsdon of the Guides By General Sir Lumsdon (London ۱۹۰۰).

۵۴. The State, Religion and Ethnic Politics-Pakistan, Iran, and Afghanistan (۱۹۸۷) By Ali Banu Azizi and Myron Wiener (۱۹۸۷).

۵۵. A ۲۵ page Manuscript History of the Saints of Katbaar Sharif near Belpat Railway Station By an unknown author.

۵۶. Abdul Ghafar Khan-Faith is a Battle By Tendulkar (۱۹۶۷).

۵۷. Quetta Directory By Rustum Ji Rattan Ji Calcutta ('۱۸۹۵).

۵۸. Quetta its Monument and Inscriptions By Sue Farrington (۱۹۹۲).

۵۹. Mission to Kanohar By Major H. B. Lumsdon (۱۸۶۰).

۶۰. Pathan And Baloch By Oliver (۱۸۹۰).

۶۱. The Country of Balochistan A.W. Hughs (۱۸۷۶).

۶۲. Fateh Nama/Chach Nama By Ali Sher Qaani (۱۹۶۳ Edition).

۶۳. Afghanistan By Loui Dupree (۱۹۸۰ Edition).

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

٦٤. Maulana Obaidullah Sindhi-A Revolutionary Scholar By Mohammad Hajjan Sheikh (١٩٣٦)

٦٥. Military Reports on Balochistan Part I Government of India Press Calcutta (١٩٢٩).

٦٦. Cambridge History of India Volume VI-The Indian Empire ١٨٥٨-١٩١٨ S. Chand and Company New Delhi.

٦٧. Reform and Rebellion In Afghanistan By Pouladah. (١٩٧٣).

٦٨. Biography of Qazi Mohammad Isa Khan (unpublished).

٦٩. Transfer of Power ١٩٤٢-١٩٤٧ Volume XII-The Mountbatten Viceroyalty Record/ Interview between Viceroy and the Khan of Kalat.

٧٠. Application (English language) Dated ١٠-٣-١٩٣٣ By late K.S. Haji Ahmad Khan Luni addressed to Political Agent Sibi.

٧١. Handwritten Account Book of late K.S. Haji Aleimad Khan Lunt Covering the period from ١-١-١٩٣٦ to ٢٩-٧-١٩٣٧.

٧٢. Handwritten Diary of late Saidal Khan Luni covering the period from January ١, ١٩٣٠ to July ١٩٣٠ with addition by his father up to August ١٩٣٦.

٧٣. Register Daakhil-Khaarij (١٩١٣-١٩٣٥) of Govt. Primary school Gullushahar (Sibi). It was in pieces and may not be available any more.

٧٤. UNDP Area Development Review Report (June ١٩٩٨).

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۷۵. Volume 'IV' to Sibi District Gazetteer Statistical Tables (published ۱۹۱۳).

۷۶. A Historical & Descriptive Report on Thai Chotiali & Hamai by Surgeon Major O.T. Duke. (۱۸۸۳).

۷۷. Record Book of Scinde Irregular Horse Volume II (October ۱۸۵۱ to June ۱۸۵۵) Victoria Printing Press Sukkur (۱۹۰۳).

۷۸. Affairs of Kalat/Balochistan Blue Book No.۱ (London ۱۸۷۷).

۷۹. The Kalat Affairs Baluchistan Blue Book No.۳ (۱۸۷۱).

۸۰. Kalat Affairs/Balochistan Blue Book No.۲ ۱۸۷۵.

۸۱. Brief Biographical Account of Leading Sardars ۱۸۷۸.

۸۲. Personages In the Native States of India ۱۹۰۶.

۸۳. List of Leading Personages In Balochistan Calcutta ۱۹۲۱.

۸۴. List of Leading Personages ۱۹۴۲.

۸۵. List of Leading Personages of Quetta Division ۱۹۵۸.

۸۶. Report on Sibi Dated ۲۵-۱۱-۱۸۷۸ addressed to Sandeman By Fred Friar officiating D.C. Dera Ghazi Khan Camp Mal Sibi (handwritten).

۸۷. Report on Sibi Dated March ۲۰, ۱۸۷۹ By M.L. Dames O.S.D.

۸۸. Proceedings And Constitution of Anjumani Watan (Urdu).

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۸۹. Knights Not Pawns By professors Paul Titus and Nina Swidler–International Journal of Middle East Studies, USA (۲۰۰۰).

۹۰. A History of Pakistan by Gankvosky Peoples Publishing House Lahore (۱۹۶۰).

۹۱. Sandeman's Report dated ۵-۲-۱۸۷۶ on his first Mission to Kalat

۹۲. Sir Willaim Merewether's (Commissioner in Sind) Letter dated September, ۱۸۷۶.

۹۳. Diary of Balochistan Agency for May ۱۹۰۱, June ۱۹۰۱, July ۱۹۰۲.

۹۴. Memo dated ۹-۲-۱۹۵۴ from D.I.G. Police Quetta/Kalat to Political Agent Quetta Pishin

۹۵. Kandhar Newsletters dated June and October, DM.

۹۶. Kandhar Newsletters dated September ۲, ۱۸۹۸.

۹۷. Kandhar Newsletters dated March ۱۳, ۱۸۸۸, September ۳, ۱۸۸۳/June ۴, ۱۸۸۵ and March ۱۸۸۶

۹۸. Zhob District Gazetteer

۹۹. Sibi District Gazetteer.

۱۰۰. Loralai District Gazetteer.

۱۰۱. Quetta Pishin District Gazetteer.

۱۰۲. Land Settlement Report Quetta Tehsil ۱۸۷۷.

۱۰۳. Land Settlement Report Quetta Pishin Tehsil ۱۸۹۹.

۱۰۴. Land Settlement Report Harnai and Shahriq Tehsil ۱۹۰۰.

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۰۵. Land Settlement Report Sibi Tehsil ۱۸۹۹-۱۹۰۱.

۱۰۶. Land Settlement Report Nasirabad Tehsil ۱۹۰۷.

۱۰۷. Land Settlement Report Hindu Bagh Tehsil ۱۹۰۵.

۱۰۸. Forecast Report for Sibi Tehsil (۳۰-۶-۱۹۳۱) By Olaf Cairo.

۱۰۹. Kalat Diaries ۱۸۷۷.

۱۱۰. Sandeman's Letter dated Quetta July ۱۸۷۹ to Mr. Bidulph at Sibi.

۱۱۱. 'Dawn' Karachi June ۱۵, ۱۹۹۸--An Article By Dr. Mubarak Ali.

۱۱۲. 'Dawn' Karachi of ۲۰-۵-۱۹۹۵--An Article By Susan Litherland of London.

۱۱۳. 'Dawn' Karachi of ۱۵-۱۱-۱۹۹۸-News item about Australian Government and UNICEF financing female education in Balochistan.

۱۱۴. 'Dawn' Karachi of August ۱۰, ۱۹۹۷.

۱۱۵. Medina Bijnour (India) Jubli Number of April ۱۹۳۹.

۱۱۶. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۸۸۶.

۱۱۷. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۸۸۶-۱۸۸۷.

۱۱۸. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۸۸۸-۱۸۸۹.

۱۱۹. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۸۹۲-۱۸۹۳.

۱۲۰. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۸۹۸-۱۸۹۹.

۱۲۱. Balochistan Agency Admit Report for ۱۸۹۹-۱۹۰۰

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۲۲. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۰۰–۱۹۰۱.

۱۲۳. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۰۲–۱۹۰۳.

۱۲۴. Balochistan Agency Adman. Report for ۱۹۰۸–۱۹۰۹.

۱۲۵. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۰۹––۱۹۱۰.

۱۲۶. Balochistan Agency Adam Report for ۱۹۱۰–۱۹۱۱.

۱۲۷. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۱۴–۱۹۱۵.

۱۲۸. Balochistan Agency Admit Report for ۱۹۱۷–۱۹۱۸.

۱۲۹. Balochistan Agency Admit Report for ۱۹۱۸–۱۹۱۹.

۱۳۰. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۱۹–۱۹۲۰.

۱۳۱. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۲۰–۱۹۲۱.

۱۳۲. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۲۱–۱۹۲۲.

۱۳۳. Balochistan Agency Admit Report for ۱۹۲۲–۱۹۲۳.

۱۳۴. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۲۷–۱۹۲۸.

۱۳۵. Balochistan Agency Admit Report for ۱۹۲۹–۱۹۳۰

۱۳۶. Balochistan Agency Admit Report for ۱۹۳۰–۱۹۳۱.

۱۳۷. Balochistan Agency Admn. Report for ۱۹۳۴–۱۹۳۵.

۱۳۸. Balochistan Agency Adam. Report for ۱۹۳۸–۱۹۳۹.

۱۳۹. Secret File No.۶–Miscellaneous (۱۹۳۴) Subject. Control of Press in Balochistan

۱۴۰. Balochistan Secretariat Secret File–Year ۱۹۳۹ Miscellaneous (i) Speeches by and activities of Abdul Ghaffar Khan in Balochistan ،(ii) Prevention of the entry of Newspaper Pakhtunistan' in Afghanistan published by Abdul Ghaffar Khan.

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۳۱. File Balochistan Secretariat-۱۹۳۹-Raids & Disturbances-Rioting And Assault at the Anjuman-e-Watan meeting held at Usta on ۱-۱۰-۱۹۳۹ resulting in injuries to Dr. Choith Ram and Mir Mohammad Amin Khoso-members of the Sind Legislative Assembly.

۱۳۲. Fortnightly Diaries of D.R. Smith The Political Agent Sibi for ۱۹۴۰/۱۹۴۱.

۱۳۳. Fortnightly Diaries of H.A. Barnes Political Agent in Zhob for ۱۹۴۰.

۱۳۴. Fortnightly Diaries of A.G.G. Balochistan for ۱۹۴۸ (office of Commissioner Quetta Division)

۱۳۵. A.G.G Sir Aubrey Metcafe's Note on a Conversation with Khan of Kalat (June ۱۱, ۱۹۴۲).

۱۳۶. File A.G.G. Balochistan Year ۱۹۲۰-Main Head: Darbars Sibi.

۱۳۷. File A.G.G. Balochistan Year ۱۹۲۵-List of Leading Personages in Balochistan.

۱۳۸. File A.G.G. Baluchistan Year ۱۹۱۷-Proposed Revision of FCR

۱۳۹. File A.G.G. Balochistan Year ۱۹۲۲-Proposed Abolition of Regulation III of ۱۹۰۱ (Frontier Crimes Regulation).

۱۵۰. File Balochistan Secretariat -year ۱۹۴۳-Balochistan Agency Administration Reports for ۱۹۴۰-۴۱.

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۵۱. File A.G.G. Balochistan year ۱۹۲۹–Moral & Material Progress Report of Balochistan

۱۵۲. File No.۲/۲/۲/۱۹۳۶ Refugees/Apportionment of Expenditure.

۱۵۳. File Balochistan Secretariat–year ۱۹۳۷ Grant of Indian Titles to the Residents of Balochistan.

۱۵۴. Diary (handwritten) of O.T. Duke March ۲۰, ۱۸۸۱ to April, ۲, ۱۸۸۱.

۱۵۵. Executive Order dated ۱۷–۴–۱۸۹۵ By Major General James Browne A.G.G. Balochistan.

۱۵۶. File A.G.G. Balochistan year ۱۹۳۴ – First few pages are missing whereas remaining ones contain lists of the names of officers and chiefs to be invited to Sibi Darbar and the instructions for the occasion.

۱۵۷. Balochistan Agency Confidential Diary No. ۱۴ for the fortnight ending July ۳۱, ۱۹۳۳.

Balochistan Agency Confidential Diary No. ۱۹ for ۱۵–۱۰–۱۹۳۳.

Balochistan Agency Confidential Diary No. ۲۳ for Dec. ۱۹۳۳.

۱۵۸. File/Subject Darbars ۱۹۲۶ A.G.G. office.

۱۵۹. File Political Branch Balochistan Secretariat ۱۹۲۸. Subject: Levies in Sibi District.

۱۶۰. Secret File A.G.G. Balochistan–year ۱۹۳۳.Subject: Verification and Surveillance of all Afghan Refugees.

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۶۱. File A.G.G. Balochistan year ۱۹۳۱–Subject: Quarrel Between Nasirs and Sulemankhail Tokhis.

۱۶۲. File A.G.G. Balochistan Secretariat year–۱۹۴۸ Subject: Escape of Agha Abdul Karim Khan to Afghanistan.

۱۶۳. Balochistan Secretariat file on Muslim League.

۱۶۴. Secret File of A.G.G. Balochistan–Year ۱۹۳۴ – Control of Press in Balochistan–Application for permission.

۱۶۵. Secret File–year ۱۹۳۲–Subject: Annual Reports on Afghanistan.

۱۶۶. File Balochistan Secretariat–Year ۱۹۴۸–Reference to Shahi Jirga on Sale of Agricultural lands in Balochistan.

۱۶۷. File A.G.G. Balochistan–۱۸۹۵ Waste Land in Quetta Niabat and Land Revenue Act.

۱۶۸. File A.G.G. Balochistan–Year ۱۹۴۳ Orders Regarding Preparation of Balochistan Agency Admn. Reports

۱۶۹. File A.G.G. Balochistan–Year ۱۹۳۰, Proposed Withdrawal of Troops from Loralai.

۱۷۰. File A.G.G. Balochistan–Year ۱۹۲۸–Memo to Statutory Commission on Reforms in Balochistan.

۱۷۱. File A.G.G. Balochistan–Year ۱۹۳۵–Pale's Attack on Mail Lorry Between Babar and Lakaband in Zhob District ۱۹۳۵.

۱۷۲. File A.G.G. In Balochistan–Year ۱۹۳۵–Pale's Attack on Mail

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۷۳. File A.G.G. In Balochistan-Year ۱۹۳۵ Security of Life and Property/Activities of notorious dacoit Abdul Rehman and his eventual extirpation

۱۷۴. File Balochistan Secretariat, Secret Branch, year ۱۹۳۹- Prevention of Information of Enemy Agents and Propaganda into Balochistan

۱۷۵. Balochistan Secretariat - year ۱۹۴۰ War-Question of Distribution of Propaganda into Balochistan.

۱۷۶. Secret File-Year ۱۹۳۸-A Survey Regarding Ex-King Amanullah Khan -- March to May ۱۹۳۵.

۱۷۷. File A.G.G. Balochistan-Year ۱۹۲۴ Subject: Removal from Quetta of Hafiz Syed Ahmad Imam of Juma Masjid, Quetta

۱۷۸. File A.G.G. Balochsiatn-Year ۱۹۲۳-Prohibition of Sale of Agricultural Land to Aliens in Balochistan.

۱۷۹. File A.G.G. Balochistan-Year ۱۹۳۱ Subject: Proposal to reduce allowances of Afghan Refugees in Balochistan.

۱۸۰. File A.G.G. Balochistan-Year Subject: ۱. Zhob Girani Levies. ۲. Papers regarding Body Guard of P.A. in Zhob of Giranis of Kalat State

۱۸۱. Confidential File containing correspondence between A.G.G. and Foreign Secretary in ۱۹۳۹ Regarding Accession of Kalat State to Federation.

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۸۲. File Balochsiatn Secretariat year ۱۹۴۱-Subject: Invitation to His Highness the Khan of Kalat to serve on National Defence Council/Constitutional Position of Kalat

۱۸۳. File Balochistan Secretariat (Political Branch)-Year ۱۹۴۱-Half Monthly Diaries of Political Agent Kalat.

۱۸۴. File Balochistan Secretariat (Political Branch)- year ۱۹۳۸-Fortnightly Diaries of P.A. Sibi commencing from ۱۰-۴-۱۹۳۸

۱۸۵. Fortnightly Diaries of Political Agent in Zhob from January ۱۹۴۰.

۱۸۶. Fortnightly Diaries of Colonel Brenner I.A. Political Agent Quetta Pishin from April ۱۹۳۹.

۱۸۷. Fortnightly Diary of Aminullah Khan Powindah Welfare Officer Quetta-Pishin March ۱۹۵۶.

۱۸۸. Confidential Fortnightly Diaries of A.G.G. Balochistan to Foreign Secretary Government of India File Balochistan Secretariat-Year ۱۹۴۷ Subject; Quaid-e-Azam's speech at Sibi Darbar of February ۱۴, ۱۹۴۸.

۱۸۹. Annual Report on Afghanistan for ۱۹۳۸-by His Majesty's Minister at Kabul.

۱۹۰. File Balochistan Secretariat (Political Branch)-year ۱۹۴۱ Half Monthly Diaries of Political Agent Sibi.

© All rights reserved by www.PashtoAcademy.com

۱۹۱. Balochistan Agency Intelligence Diary for August ۵, September ۱۵, ۱۹۰۸.

۱۹۲. Report on publicity from ۱-۱۱-۱۹۴۲ to ۳۱-۱-P۱۹۴۳.

۱۹۳. A.G.G. Office File (۱۹۳۴) containing lists of Provincial Darbaris.

۱۹۴. A Handwriten British Period File on Sardar Ayub Khan's activities in Iran (compiled by British Consul at Mashhad).

۱۹۵. A British Period File regarding deputation of R.B. Hittu Ram.